تاریخِ تعلیم و تربیّتِ اسلامیہّ

ڈاکٹر احمد شلبی

مترجمہ
محمد حسین خان زبیری

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ پاکستان

Marfat.com

Marfat.com

تاریخِ تعلیم و تربیّت اِسلامیّہ

ڈاکٹر احمد شلبی

مترجمہ

محمد حسین خان زبیری

ادارۂ ثقافتِ اِسلامیّہ

کلب روڈ۔ لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

134727

۱۹۶۳

طابع : مدنی پریس ، ریلوے روڈ ، لاہور
ناشر : محمد اشرف ڈار ، سیکرٹری ، ادارۂ ثقافت اسلامیہ
کلب روڈ ، لاہور

مقدمہ

از مترجم

زیر نظر کتاب ڈاکٹر احمد شلبی کی مشہور و معروف تصنیف ''ھسٹری آف مسلم ایجوکیشن'' کا ترجمہ ہے - یہ کتاب ڈاکٹر صاحب موصوف کا تحقیقی مقالہ ہے جس پر کیمبرج یونیورسٹی نے موصوف کو ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری عطا کی ہے - مناسب معلوم ھوتا ہے کہ قارئین کرام سے مصنف کا تعارف کرایا جائے -

ڈاکٹر احمد جب اللہ شلبی مصر کے علمی طبقہ سے تعلق رکھتے ھیں اور ایک اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ ھیں - موصوف کی علمی قابلیت کا یہ عالمؒ ہے کہ وہ تاریخ و تمدن اور مذھبیات و ثقافت اسلامی میں مجتہد کا درجہ رکھتے ھیں - ابھی آپ کی عمر پچاس سال کے لگ بھگ ہے لیکن عربی ' انگریزی اور انڈونیشی زبانوں میں کم و بیش اکیس بائیس کتابوں کے مصنف ھیں اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے - دنیائے اسلام کو ایسے ھی اھل علم کی ضرورت ہے اور ان سے بڑی امیدیں وابستہ ھیں - اللہ کرے زور قلم اور زیادہ !

ڈاکٹر صاحب کا تعلیمی دور بھی بڑا درخشاں رہا ہے - انھوں نے ۱۹۳۹ میں جامعہ ازھر سے امتیاز کے ساتھ تکمیل فضیلت کی اور ۱۹۴۳ میں قاھرہ یونیورسٹی سے بی - اے آنرز کیا - ۱۹۴۵ میں انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن سے امتیازی ڈپلوما حاصل کیا - یہاں سے فارغ ھو کر آپ مزید تعلیم کے لیے کیمبرج تشریف لے گئے جہاں زیر ھدایات مشہور عالم مستشرق پروفیسر آربری آپ نے ''ھسٹری آف مسلم ایجوکیشن'' مرتب کی اور ۱۹۵۱ میں پی - ایچ - ڈی کرنے کے بعد مصر واپس آئے - پروفیسر آربری نے مقالہ شائع کرنے کی پر زور سفارش کی ؛ چنانچہ ۱۹۵۴ میں کتاب شائع ھو گئی -

ڈاکٹر صاحب ۱۹۵۱ سے مسلسل علمی اور تعلیمی خدمات پر مامور ھیں - ۱۹۵۱ سے ۱۹۵۴ تک وہ قاھرہ یونیورسٹی میں شعبہ تاریخ و تمدن اسلامیہ میں لیکچرار رہے - بعد ازاں دو سال تک اسلامی کانگرس کے شعبہ تحقیق کی صدارت کے فرائض انجام دیے - ۱۹۵۵ میں حکومت انڈونیشیا نے موصوف کو مدعو کیا اور وھاں کم و بیش چھ سال قیام کیا - اس دوران قیام میں وہ انڈونیشیا یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ و تمدن اسلامی و موازنہ مذھبیات عالم کے پروفیسر رہے - شعبہ تبلیغ اسلام کے وائس ڈین اور مرکز ثقافت جکارتا کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیتے رہے - ۱۹۶۱ میں ڈاکٹر صاحب نے وطن کی طرف مراجعت فرمائی اور اب وھاں علمی ' ادبی اور اسلامی خدمات میں مصروف ھیں -

جن دنوں ھمارے محترم صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں مدظلہ العالی نے تعلیمی کمیشن کا تقرر کیا حسن اتفاق سے مجھے یہ کتاب پڑھنے کو مل گئی - کتاب اس قدر دلچسپ اور پر از معلومات ہے کہ میں نے دو روز میں اسے ختم کر دیا اور اسی وقت تہیہ کیا کہ اپنے

Marfat.com

ہم وطنوں کے مطالعہ کے لیے اسے اردو زبان میں منتقل کیا جائے ۔ چنانچہ کتاب کا ایک نسخہ بیروت سے منگوایا جہاں سے کتاب کی اشاعت ہوئی ہے اور ترجمہ شروع کر دیا ۔

ترجمہ تو شروع کر دیا لیکن ترجمہ کرنے اور اسے شائع کرنے کے لیے مصنف کی اجازت کی ضرورت تھی ۔ چنانچہ اس سلسلے میں خط و کتابت شروع کی ۔ ڈاکٹر صاحب موصوف مصر میں موجود نہ تھے اور قاہرہ یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد نے اور متحدہ عرب جمہوریہ کے سفارت خانہ متعینہ پاکستان نے اس سلسلے میں کوئی مدد نہ کی بلکہ میرے خطوط کا جواب بھی نہ دیا ۔ مصنف کا پتہ لگانے میں جن تین حضرات نے میری امداد کی ان کا فرداً فرداً شکریہ ادا کر دیا گیا تھا لیکن یہاں بھی مزید شکریہ کے ساتھ ان کا تذکرہ ضروری ہے ۔ اگر میرے سعادت مند شاگرد آغا محمد اشرف مرحوم (اقوام متحدہ)، پروفیسر آربری (کیمبرج یونیورسٹی) اور ڈاکٹر رضوان (سفارت خانہ متحدہ عرب جمہوریہ متعینہ جکارتا) میری مدد نہ کرتے اور ڈاکٹر شابی کا پتہ نہ معلوم ہوتا تو یہ کتاب شائع نہ ہو سکتی ۔ ڈاکٹر شابی سے پورے دو سال کی جد و جہد کے بعد رابطہ قائم ہوا اور ان کا تہ دل سے ممنون ہوں کہ انھوں نے فوراً میرا خط موصول ہوتے ہی کتاب کا ترجمہ کرنے اور اسے شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ۔

کچھ کتاب کے بارے میں

ڈاکٹر شابی کی یہ کتاب تعلیم و تربیت اسلامیہ کی ساڑھے چھ سو سال کی تاریخ ہے ۔ اوائل اسلام یعنی ساتویں صدی عیسوی سے لے کر خاندان ایوبی کے زوال (۱۲۵۰) تک مسلمانوں نے فن تعلیم اور ترویج تعلیم میں جو کچھ جد و جہد کی ہے اور اس ضمن میں جو بھی ان کے کارنامے ہیں ان گلہائے رنگا رنگ کو مصنف نے جگہ جگہ سے جمع کر کے یہ گلدستہ تیار کیا ہے ۔ کتاب پانچ ابواب اور ایک ضمیمہ پر مشتمل ہے ۔

باب اول کو دو ادوار پر تقسیم کیا گیا ہے ۔ پہلا دور وہ جب کہ اسلامی دنیا میں باقاعدہ مدارس نہ تھے لیکن تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری تھا ۔ دوسرا وہ دور جب باقاعدہ مدارس کا قیام عمل میں آیا ۔ ان ادوار کے حالات و واقعات جمع کرنے اور انھیں ترتیب دینے میں مصنف نے بڑی عرق ریزی سے کام کیا ہے ۔

باب دوم میں کتب خانوں کا ذکر ہے ۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں میں ذوق علمی کس درجہ پر تھا اور ایک بادشاہ سے لے کر ایک عامی تک ساری قوم کتابوں کی کیسی دلدادہ تھی اور مطالعہ کا ذوق کس قدر شدید تھا ۔

باب سوم سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ اساتذہ کی علمی قابلیت کیا تھی، ان کے حقوق و فرائض کیا تھے، سماج میں ان کا درجہ کیا تھا، ان کا معیار زندگی کیسا بلند تھا، اور انھیں کیسی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا ۔

باب چہارم میں ان سہولتوں کا ذکر ہے جو طلباء کو تعلیم حاصل کرنے میں مہیا تھیں ۔ طلباء کے فرائض کیا تھے ۔ طلباء میں دولت مند اور مفلس کی تمیز نہ تھی ۔ تعلیمی سیاحت کی ہمت افزائی کی جاتی تھی ۔

باب پنجم میں ان قابل قدر ہستیوں کا مختصر تذکرہ ہے جنھوں نے باقاعدہ مدارس قائم

کیے اور ان کے لیے بڑی بڑی جاگیریں وقف کر دیں ۔
ضمیمہ میں فاطمی دور کا مختصر خاکہ ہے جب حکومت کی سرپرستی میں تعلیم کے ذریعہ اسماعیلی مذہب و عقاید کی تبلیغ کی گئی اور کس طرح فاطمی دور ختم ہوتے ہی مصریوں کے عقاید میں کایا پلٹ ہو گئی ۔

تعلیم سے مسلمانوں کا شغف

مسلمانوں کو زندگی کے ہر شعبہ میں رشد و ہدایت حاصل کرنے کے لیے قرآن پاک اور احادیث نبوی کی طرف رجوع کرنا لازمی و ضروری ہے ۔ یہی وہ سرچشمے ہیں جہاں سے ہر قسم کی اخلاقی ، علمی اور تمدنی ہدایت ملتی رہی ہے اور تا قیام قیامت ملتی رہے گی ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن پاک میں علم اور تعلیم و تعلم کے متعلق کیا ارشاد ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام بلاغت نظام میں جابجا علم کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور حصول علم کے لیے تاکید بھی فرمائی ہے ۔ اسلام میں علم اور دین دونوں اس طرح وابستہ ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا ۔ جب قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو سب سے پہلی وحی یہ آئی کہ : ” پڑھ اپنے اس پروردگار کے نام کے ساتھ جس نے تجھے پیدا کیا “ (سورۃ علق) ۔

پھر ایک دوسری جگہ رسول اکرم صلعم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا : ” اور تم کو وہ باتیں سکھا دی ہیں جو تم کو پہلے معلوم نہ تھیں “ (سورۃ نساء) ۔

اس کے علاوہ پھر اپنے پیغمبر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ : ” آپ دعا کیجیے کہ پروردگار میرا علم اور زیادہ کر “ (سورۃ طٰہٰ) ۔

اہل علم کی ہمت افزائی کے لیے فرمایا گیا : ” اللہ ان لوگوں کے درجے بلند کرے گا جو ایمان لائے اور جنھیں علم دیا گیا “ (سورۃ مجادلہ) ۔

اسی طرح احادیث میں جا بجا علم کی فضیلت اور تحصیل علم کی تاکید کی گئی ہے ۔ حضور سرور کائنات صلعم خود امی تھے لیکن آں حضرت صلعم نے سب باتوں سے بڑھ کر حصول علم ہی کی تاکید فرمائی ہے ۔ آپ کے ارشادات ملاحظہ ہوں :

(۱) علم حاصل کرو ؛ اس لیے کہ جو اسے خدا کے لیے حاصل کرتا ہے وہ نیکی کا کام کرتا ہے ۔

(۲) جو شخص علم کے بارے میں بات چیت کرتا ہے وہ گویا خداوند تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہے ۔

(۳) جو حصول علم کے لیے سعی کرتا ہے اللہ کی عبادت کرتا ہے ۔

(۴) جو علم کی اشاعت کرتا ہے وہ گویا زکوٰۃ دیتا ہے اور جو علم کا صحیح استعمال کرتا ہے وہ خدا کی پرستش کرتا ہے ۔

(۵) علم نیکی و بدی میں تمیز کرنا سکھاتا ہے اور خدا تک پہنچنے کے لیے روشنی کا کام دیتا ہے ۔

(۶) علم صحرا میں ہمارا رفیق ہے اور تنہائی میں مونس ہے ۔ وہ خوشی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور مصیبت میں ہمت قائم رکھتا ہے ۔

Marfat.com

(۷) دوستوں میں علم ہماری زینت کا باعث ہے اور دشمنوں کے خلاف ڈھال کا کام دیتا ہے۔
(۸) علم ہی کے ذریعہ انسان نیکی کے اعلیٰ مدارج تک پہنچتا ہے۔
(۹) ایک عالم کی سیاہی شہید کے خون سے زیادہ قیمتی ہے۔
(۱۰) علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔
(۱۱) علم حاصل کرو چاہے اس کے لیے چین جانا پڑے۔
(۱۲) ماں کی گود سے لے کر قبر تک علم حاصل کرتے رہو۔

ان تعلیمات کے تحت مسلمانوں کے لیے حصول علم جزو ایمان بن گیا ہے اور تعلیم و تعلم کو وہ اپنے لیے باعث برکت اور موجب فلاح دارین سمجھنے لگے۔ اس کار خیر میں سعی ان کی زندگی کا ایک لازمی جزو بن گئی۔

اسلام کا سب سے پہلا دارالعلوم مسجد نبوی تھی اور سب سے پہلی اقامتی درسگاہ صفہ تھا اور سب سے پہلے معلم آں حضرت صلعم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں فرمایا ہے:

”بے شک خدا نے ایمان والوں پر مہربانی کی جب اس نے ان کے پاس ان ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آئتیں سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت سکھاتا ہے“۔

دور خلافت راشدہ میں حضرت عمر رض کا عہد ہر لحاظ سے نہایت درخشاں ہے۔ انہوں نے تعلیم کو بھی نہایت ترقی دی۔ تمام مفتوحہ ممالک میں ابتدائی تعلیم کے لیے مکاتب قائم کیے جہاں قران پاک، اخلاقی اشعار اور ضرب الامثال کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مقتدر اور اہل علم صحابہ کو مختلف اضلاع میں حدیث و فقہ کی تعلیم کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ یہ بات بھی حضرت عمر رض ہی کی اولیات میں شمار کی جاتی ہے کہ انہوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں، مثلاً مدینہ منورہ میں ابتدائی مکتب کے مدرس کو پندرہ درہم ماہانہ ملتے تھے جو اس زمانہ کے لحاظ سے نہایت معقول و مناسب مشاہرہ تھا۔ خانہ بدوش بدوؤں کے لیے قران پاک کی تعلیم جبری و لازمی تھی۔ مکاتب میں بچوں کو لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا اور علاوہ ازیں شہسواری و تیراکی کی تربیت بھی دی جاتی تھی۔ حدیث و فقہ کی تعلیم کے لیے ہر شہر میں منتخب اور چیدہ صحابہ مقرر کیے جاتے تھے۔ ان کا مشاہرہ بھی مقرر تھا۔ طریقہ تعلیم یہ تھا کہ وہ مسجد میں بیٹھ جاتے اور چاروں طرف لوگ جمع ہو جاتے اور مختلف مسائل پر سوال کرتے اور وہ سب کو تشفی بخش جواب دیتے تھے۔

اسلام میں جب دور فتوحات شروع ہوا اور مسلمان جزیرۃ العرب سے باہر نکلے تو ان کے ایک ہاتھ میں فتح و نصرت کا علم تھا اور دوسرے ہاتھ میں قلم۔ جس ملک کو فتح کیا وہاں بساط رزم لپیٹ کر بزم علم و فن آراستہ کر دی۔ جہاں گئے وہاں کی دنیا ہی بدل دی۔ ان ہی کی بدولت ایران سر چشمۂ علم و فن بن گیا۔ ان ہی کی تعلیم سے مصر، طرابلس، الجزائر، مراقش اور قیروان کے وحشی دنیا کے معلم بن گئے۔ اندلس میں انہوں

Marfat.com

نے ایسی شمع روشن کی کہ جس نے تمام یورپ کو منور کیا۔
مسلمانوں نے دیگر اقوام سے جو علوم حاصل کیے ان کی خامیوں کو دور کیا، ان میں اپنی تحقیق سے مفید اضافے کیے اور انھیں مرتبہ کمال پر پہنچا دیا۔ ارسطو و افلاطون سے فلسفہ و حکمت حاصل کیے لیکن ان علوم میں وہ کمال پیدا کیا کہ خود استاد بن گئے اور ملت میں ابن سینا، ابن رشد، رازی و فارابی جیسے حکماء پیدا ہوئے جنھوں نے ان علوم کو دین اسلام کا خادم بنا کر ان کے ذریعہ اسلامی مسائل اور احکام کی برتری و حقانیت تمام دنیا پر ثابت کر دکھائی۔

بر صغیر ہند و پاک کا اسلامی دور

بر صغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا فاتحانہ داخلہ پہلی صدی ہجری یعنی ساتویں صدی عیسوی میں ہوا، لیکن عرب تاجر پہلے سے اس ملک کے سواحل تک آتے تھے اور یہاں کی پیداوار یورپ تک پہنچاتے تھے۔ جس وقت محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا ہے یہاں مسلمانوں کی خاصی آبادی تھی اور نور اسلام کی شعاعیں اس ظلمت کدہ میں پہنچ چکی تھیں۔ ان فتوحات کے بعد مزید ترقی ہوئی اور یہاں تک ہوئی کہ کتب رجال میں ایسے متعدد علماء اور محدثین اور ادیبوں کے نام ملتے ہیں جنھوں نے حجاز و عراق کے علماء سے سند قبولیت حاصل کی تھی۔

اس بر صغیر میں اسلامی حکومت کی بنیاد سلطان محمود غزنوی اور سلطان شہاب‌الدین محمد غوری کی مجاہدانہ مساعی کی مرھون منت ہے لیکن ایک علمی فاتح البیرونی اس سے قبل آ چکا تھا جس نے خود سنسکرت کی تعلیم حاصل کی اور یہاں کے پنڈتوں سے ربط و ضبط پیدا کر کے اس ملک کے علوم کو اپنی زبان میں منتقل کرنے کی بنیاد ڈالی۔ بقول فرشتہ، محمود غزنوی کے جانشین شہاب الدین مسعود کے عہد میں بہ کثرت مساجد کی بنیاد پڑی اور ان کے ساتھ مدارس کا بھی انتظام کیا گیا۔ اور بقول صاحب "تاج المآثر"، شہاب الدین محمد غوری کی فتوحات کے بعد اجمیر میں متعدد مدارس قائم کیے گئے اور غالباً یہی اس ملک کی قدیم ترین اسلامی درسگاہیں ہیں۔

اس قدیم عہد میں مدارس کے لیے الگ عمارتیں بنانے کا دستور نہ تھا اور عموماً یہ کام مساجد سے لیا جاتا تھا۔ مساجد کے علاوہ بزرگان دین کی خانقاہیں بھی مدارس کا کام دیتی تھیں۔ اس عہد کے مشائخ عظام صرف مشائخ طریقت ہی نہ تھے بلکہ وہ مدرس شریعت بھی تھے، اور ان خانقاہوں کے لیے جو اوقاف حکومت کی طرف سے مقرر تھے ان کی آمدنی طلباء کے وظائف اور تعلیم کے اخراجات پر صرف کی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں بادشاہوں اور امرائے دربار کے عظیم الشان مقبروں کے ساتھ بھی مدارس کا قیام ضروری تھا، اور چونکہ سلاطین کو مساجد و مدارس بنانے کا شوق تھا لہٰذا امرائے دربار بھی ان کی پیروی کرتے تھے۔ بڑے بڑے متبحر علماء کے مکان بھی دارالعلوم کی حیثیت رکھتے تھے۔ حکومت نے ان علماء کو فکر معیشت سے آزاد کر دیا تھا اور علم و حکمت کے پیاسے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔

اس برصغیر کے فاتحین کی زبان فارسی تھی اور اگرچہ فارسی کی تحصیل کے بعد

Marfat.com

سرکار دربار میں ملازمت اور وقعت حاصل ہو جاتی تھی لیکن عربی کو فوقیت اب بھی حاصل تھی - بقول علامہ سید سلیمان ندوی' نظام تعلیم کچھ اس قسم کا تھا کہ قران پاک کی تعلیم کے علاوہ ابتدائی جماعتوں میں لکھنا پڑھنا ' حساب کتاب اور خوش نویسی کی تعلیم دی جاتی - یہ گویا ابتدائی تعلیم تھی -

جن طلباء کو آگے پڑھنے کا شوق ہوتا وہ قصبات کے فارسی مکاتب میں داخل ہو جاتے' جہاں فارسی میں خط و کتابت ' اخلاقی حکایات ' ''گلستان'' ' ''یوسف زلیخا'' اور ''انوار سہیلی'' جیسی کتب پڑھائی جاتی تھیں - فارسی زبان میں انشا پردازی بڑا فن تھا - یہ گویا ثانوی تعلیم تھی جس کے بعد طلباء یا تو سرکاری ملازمت سے منسلک ہو جاتے یا کاروبار میں لگ جاتے تھے -

اعلیٰ تعلیم سے شوق رکھنے والے طلباء بڑے بڑے شہروں میں مشہور اساتذۂ فن کی خدمت میں حاضر ہو کر تکمیل تعلیم کرتے تھے - یہاں فارسی و عربی کی اعلیٰ تعلیم ہوتی تھی - ابوالفضل نے ''آئین اکبری'' میں اپنے زمانے کا نصاب تعلیم یہ بتایا ہے: اخلاقیات ' ریاضیات ' زراعت ' اقلیدس ' مساحت ' ہیئت ' رمل ' قواعد مال ' آئین سلطنت ' طب ' طبعیات ' الٰہیات اور تاریخ -

عہد سلاطین تغلق میں مصر سے بڑے شگفتہ تعلقات تھے - چنانچہ قلقشندی نے اپنی تصنیف ''صبح الاعشیٰ'' میں ہندوستان کے عرب سیاحوں کی زبانی یہ بیان کیا ہے کہ محمد تغلق کے عہد میں صرف دھلی میں ایک ہزار مدرسے تھے - مدرسہ فیروز شاھی کے متعلق مورخ ضیاء الدین برنی لکھتا ہے:

''یہ مدرسہ اپنی شان و شوکت ' خوبی عمارت و موقع اور حسن انتظام و تعلیم کے لحاظ سے تمام مدارس میں سب سے بہتر اور عمدہ ہے - مصارف کے لیے شاھی وظائف مقرر ھیں''-[2]

خلجی دور میں نہ صرف تعلیم نسواں کا انتظام تھا بلکہ خواتین کو مختلف حرفے بھی سکھائے جاتے تھے -

عہد مغلیہ میں تعلیمی ترقی بڑی درخشاں ہے - اکبر کے ایک فرمان میں یہ دفعہ ملتی ہے:

''جہاں تک ممکن ہو دنیا میں علم و ہنر کی اشاعت ہوتی رہے تاکہ اہل کمال دنیا سے معدوم نہ ہو جائیں اور ان کی یادگار صفحہ ہستی پر باقی رہے''-[3]

جہانگیر نے اپنے عہد حکومت میں یہ قانون وضع کیا:

''حدود مملکت میں جہاں بھی کوئی مال دار رئیس یا بیرونی تاجر بغیر کسی

۱- ''ہندوستان کی قدیم تعلیم''-
۲- ''ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاھیں''-
۳- ایضاً -

Marfat.com

جانشین یا وارث کے مر جائے تو اس کی تمام جائداد و املاک بحق سرکار منتقل ہو اور اس کی آمدنی مدرسوں اور خانقاھوں پر صرف کی جائے "۔[1]

بقول مسٹر کین اورنگ زیب عالمگیر نے بھی: "اپنے حدود مملکت میں بے شمار مکاتب و مدارس قائم کیے "۔[2]

اسی عہد کا ایک یوروپین سیاح الگزنڈر ھملٹن رقم طراز ھے کہ "سندھ کے شہر ٹھٹہ میں مختلف علم و فن کے چار سو مدرسے ھیں "۔[3]

علاوہ ازیں خزانۂ شاھی سے مدارس، علماء اور معلمین کو خواہ وہ مسلمان یا ھندو ھوں وظائف دیے جاتے تھے۔

زوال سلطنت مغلیہ و تعلیم جدید

عالمگیر کی وفات کے بعد ھی سلطنت مغلیہ کا زوال شروع ھوگیا تھا اور اشاعت تعلیم کے لیے حکومت کی سرپرستی میں کسی قدر کمی واقع ھوگئی تھی لیکن ھم ڈاکٹر ھملٹن کی رائے تو اوپر بیان کر چکے ھیں ایک اور انگریز مکس مولر کا بیان ھے کہ اس گئے گزرے زمانے میں بھی بنگال میں اسی ہزار مدرسے تھے یعنی اوسطاً ھر چالیس افراد کے لیے ایک مدرسہ موجود تھا۔ اسی طرح مسٹر آرنلڈ اپنی تعلیمی رپورٹ ۱۸۵۳ میں رقم طراز ھیں کہ پنجاب کا تعلیمی میدان مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ وہ ھر دلعزیز تھے اور ھندو لڑکوں کو بھی ان پر اعتماد تھا اور ھندو لڑکے مسلمانوں ھی کے مدارس میں تعلیم پاتے تھے۔ اگرچہ زوال سلطنت کے باعث تعلیم کی سرپرستی حکومت کی طرف سے ایسی نہ تھی جیسے کہ عہد عالمگیر تک رھی لیکن دھلی میں شاہ ولی اللہ اور ان کے ورثا نے تعلیم و تبلیغ کا کام بطور خود جاری رکھا۔ دوسری طرف لکھنؤ میں علمائے فرنگی محل عالمگیر کے عہد سے مسند درس سنبھالے ھوئے تھے۔ وھاں سے بڑے بڑے علماء پیدا ھوئے۔ ۱۸۵۷ کے ھنگامے نے جب دھلی کی سیاسی مرکزیت کو ختم کر دیا تو اس کی علمی اور تعلیمی مرکزیت بھی ختم ھوگئی۔ لیکن خاندان ولی اللہ سے فیض یافتہ تین اصحاب یعنی مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوھی نے دارالعلوم دیو بند کی بنیاد ڈالی اور اس طرح اسلامی تعلیم اور دینی تبلیغ کا سلسلہ جاری رھا۔

کمپنی کی حکومت

وسط اٹھارویں صدی سے ایسٹ انڈیا کمپنی کا اقتدار رفتہ رفتہ بڑھنا شروع ھوا، لیکن کمپنی نے قدیم طریقۂ تعلیم میں کوئی ترمیم نہیں کی۔ اس وقت تک تمام اعلیٰ عہدہ داریاں مسلمانوں ھی کے قبضہ میں تھیں۔ چنانچہ ڈاکٹر ھنٹر اپنی کتاب "ھمارے ھندوستانی

۱- "ھندوستان کی قدیم اسلامی درس گاھیں"۔
۲- ایضاً۔
۳- ایضاً۔

Marfat.com

مسلمان میں رقم طراز ہے :

" مسلمان اس طریقۂ تعلیم سے اعلیٰ قابلیت اور دنیاوی برتری حاصل کرتے تھے - ہم اپنے دور حکومت کے پچھلے پچھتر سال میں انتظام ملک کی خاطر اسی طریقۂ تعلیم سے متواتر فائدہ اٹھاتے رہے - اس دوران ہم نے اپنا طریقۂ تعلیم بھی رائج کرنا شروع کر دیا تھا - پھر جوں ہی ایک نسل اس نئے طریقے کے تحت پیدا ہو گئی ہم نے مسلمانوں کے پرانے طریقے کو خیر باد کہ دیا جس سے مسلمان نوجوانوں پر ہر قسم کی سرکاری زندگی کا دروازہ بند ہو گیا " -

کمپنی کو مغل تاجدار کی طرف سے حقوق دیوانی ۱۷۶۵ میں حاصل ہوئے - اس طرح گویا کمپنی کی حکومت کا آغاز ہوا - لیکن چونکہ ملک کی زبان فارسی تھی اور عدالتوں میں فقہ اسلامی کے مطابق فیصلے ہوتے تھے لہذا کمپنی نے اسی قدیم طرز تعلیم کے مطابق ۱۷۸۱ میں کلکتہ مدرسہ قائم کیا اور پھر ۱۷۹۴ میں سنسکرت کالج قائم ہوا -

انگریزی تعلیم

ملک میں جدید انگریزی تعلیم کی تاریخ ۱۷۹۷ سے شروع ہوتی ہے جب سر چارلس گرانٹ نے اشاعت تعلیم پر ایک رسالہ لکھ کر کمپنی کے ڈائرکٹروں کے سامنے پیش کیا اس رسالہ کا لب لباب یہ تھا کہ ابتدا میں ذریعۂ تعلیم ہندوستانی زبان ہو اور بہ تدریج انگریزی کو رواج دیا جائے ، جس طرح مسلمانوں کے عہد میں فارسی کو بتدریج عروج ہوا تھا - اسی زمانے میں سیرام پور میں عیسائی مشنریوں نے مدرسے قائم کیے اور ایک مطبع بھی کھول دیا اور اس طرح ملکی زبانوں میں انجیل کے ترجموں کی اشاعت شروع کر دی - ۱۸۵۵ میں راجہ رام موھن رائے کی شرکت عمل سے کلکتہ میں ایک انگریز نے کالج قائم کیا -

۱۸۲۳ میں کمپنی نے تعلیمی انتظام کے لیے ایک جنرل کمیٹی قائم کی جس کے سپرد یہ کام ہوا کہ عام تعلیم کے متعلق تحقیقات کرکے ایسی تدابیر پیش کرے جو اشاعت تعلیم کے لیے مناسب ہوں - گویا یہی حکومت کے سرشتۂ تعلیم کی ابتدا تھی - چنانچہ اسی کمیٹی کی سفارش پر ۱۸۲۴ میں سنسکرت کالج اور ۱۸۲۹ میں دھلی کالج برائے عربی و فارسی قائم ہوئے ، اور بعد ازاں آگرہ میں بھی ایک کالج قائم کیا گیا - کچھ عرصہ بعد ان کالجوں میں انگریزی تعلیم کی جماعتیں بھی کھول دی گئیں -

اس جنرل کمیٹی نے ۱۸۳۱ میں ایک رپورٹ پیش کی جس کا مفاد یہ تھا کہ کلکتہ مدرسہ ، بنارس ، دھلی اور آگرہ کے کالجوں سے معتدبہ فائدہ حاصل ہوا - مسلمان فقہ اسلامی میں اور ہندو اپنے دھرم شاستر میں تعلیم حاصل کرتے ھیں اور سرکاری ملازمت کا راستہ ان کے لیے کھل جاتا ہے - حکومت کو اس طرح لائق عھدہ دار مل جاتے ھیں اور یہ کہ ان کالجوں نے انگریز پرنسپلوں کے زیر نگرانی خاصی ترقی کی ہے - طلباء نے ان کالجوں میں نہ صرف عربی و سنسکرت میں پوری پوری استعداد حاصل کی بلکہ دیگر علوم مثل ریاضیات ، ھیئت ، جغرافیہ وغیرہ میں بھی کافی لیاقت حاصل کی اور یہ سب علوم اردو میں پڑھائے جاتے تھے -

Marfat.com

انگریزی کی جماعت میں شرکت اختیاری تھی - ہندوؤں نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا - مسلمان اس سے عموماً گریزاں رہے جیسا کہ ڈاکٹر نذیر احمد نے لکھا ہے کہ جب ان کے والد سے پرنسپل نے کہا کہ آپ اجازت دیں تو آپ کے لڑکوں کو انگریزی بھی پڑھائی جائے تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے اپنے لڑکوں کا مر جانا منظور، لیکن انگریزی پڑھانا منظور نہیں - غرض حکومت کے انتظام اور توسیع کے ساتھ نظام تعلیم میں بھی وسعت ہوتی رہی اور ہندو انگریزی تعلیم سے مستفیض ہوتے رہے اور بقول ڈاکٹر ہنٹر: "جونہی ایک نسل تیار ہوگئی ہم نے مسلمانوں کے نظام تعلیم کو خیر باد کہ دیا جس سے مسلمان نوجوانوں پر سرکاری ملازمت کے راستے بند ہوگئے"۔

مکالے

۱۸۳۴ میں لارڈ مکالے نے اپنی کوشش سے انگریزی تعلیم کا اجراء منظور کرایا کہ اس نے لکھا تھا:

"انگریزی تعلیم حکومت کا فرض ہے - انگریزی زبان ہندوستانیوں کے لیے مغرب کے ترقی یافتہ اور وسعت پزیر علوم کا دروازہ کھول دے گی اور ایک زمانہ آئے گا کہ ہندوستان مغربیت کا جامہ اختیار کرے گا اور یہ قوی امید ہے کہ ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگا جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی مگر خیالات اور تمدن میں انگریز ہوگا"۔

۱۸۳۴ میں عدالتوں سے فارسی کو خارج کیا گیا اور ۱۸۴۹ سے حکومت کی پالیسی میں تبدیلی ہوئی کہ ملازمتوں میں انگریزی داں امیدواروں کو ترجیح دی جانے لگی - اس تعلیمی پالیسی کی غرض و غایت یہی تھی کہ مغربی علوم اور خیالات کے ذریعے سے ہندوستانیوں میں مغربی تہذیب و تمدن کو ترقی دی جائے؛ چنانچہ اس مقصد میں کامیابی ہوئی - ایک وقت وہ آیا کہ کلکتہ، مدراس اور بمبئی میں یونیورسٹیاں قائم کی گئیں -

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کمپنی کے زمانے میں تعلیم کی بنیاد عیسائیت کی تبلیغ پر رکھی گئی تھی اور کمپنی کے عہدہ داروں کی حوصلہ افزائی سے مشنریوں کو بڑی مدد ملتی تھی - سرچارلس گرانٹ نے جو تعلیمی رپورٹ کمپنی کے ڈائرکٹروں کے سامنے پیش کی تھی اس میں نہایت متعصبانہ خیالات کا اظہار کیا گیا تھا اور ہندوستانیوں کی اصلاح اور نجات کا علاج عیسائیت ہی کو بتایا تھا - گرانٹ نے لکھا تھا:

"اس میں کلام نہیں کہ سب سے اہم تعلیم جو ہندو ہماری زبان میں پا سکتے تھے وہ ہمارے مذہب کی تعلیم تھی جو متعدد رسالوں میں آسان الفاظ میں درج ہے اور جو پورے طور پر انجیل مقدس میں موجود ہے -

"ہندوستانیوں کی اخلاقی حالات خراب ہے اور اس لیے ان کی سوسائٹی نہایت ذلیل ہے - ان خرابیوں کی اصلاح قوانین کے نفاذ سے ہرگز نہیں ہو سکتی خواہ وہ کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں - در اصل تمام خرابیوں کی جڑ ان کی مذہبی رسمیں ہیں جن کی روح ان کے قوانین میں موجود ہے اور ان کے جھوٹے ناپاک، قابل مضحکہ

Marfat.com

مذہبی اصولوں میں مضمر ہے - ان تمام برائیوں کا واحد علاج یہی ہے کہ ہمارے علم کی روشنی ان لوگوں میں پہنچائی جائے جو تاریکی میں ہیں - بالخصوص ہمارے ربانی مذہب کے خاص اور پاک اصول انھیں بتائے جائیں - اس بارے میں ہماری ذمہ داری اس لیے بڑھ جاتی ہے کہ جس سچے مذہب سے ہم مستفیض ہیں اسے دوسروں تک پہنچائیں ،، -

ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا اقتباس میں ہندو مذہب اور رسوم مذہب ہی کی طرف اشارہ ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ مشنریوں کے اس جال میں ہندو ہی زیادہ پھنسے اور عیسائیت خصوصاً اچھوتوں میں زور شور کے ساتھ پھیلنے لگی - بر خلاف اس کے مسلمان اس تعلیم سے بے زار رہے - اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ مسلمانوں میں تعلیم کی اجارہ داری نہ تھی کہ صرف ایک ذات تک محدود ہو بلکہ مسلمانوں میں تعلیم عام تھی - دوسرے یہ کہ مسلمانوں کے تمام علوم زندہ تھے - اور بقول سر سید رح :

" مسلمانوں کی تعلیم کا حال اور قوموں کی تعلیم سے جو ہندوستان میں آباد ہیں بالکل مختلف ہے - ان کی مذہبی تعلیم عام تعلیم میں ایسی ملی ہوئی ہے کہ جیسے جسم و جان - جب اس کو ' علیحدہ کیا جائے گا جسم بے جان رہ جائے گا ' ،، -

اس ابتدائی دور میں جو مسلمانوں نے انگریزی تعلیم کی طرف توجہ نہ کی اس کے کئی وجوہ ہیں - اول تو یہ کہ سرکاری اور عدالتی زبان فارسی تھی ' دوسرے یہ کہ عدالتوں میں فیصلے فقہ اسلامی کے تحت ہوتے تھے ' تیسرے یہ کہ ۱۸۵۶ میں کمپنی اور شاہ عالم ثانی کے مابین جو معاہدہ ہوا تھا اس کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ دفاتر کی زبان فارسی رہے گی - اب جو انگریزی مدارس میں تعلیم کو عیسائیت کی تبلیغ کا ذریعہ بنایا گیا تو مسلمان اسے مذہب کے لیے خطرہ تصور کرنے لگے اور جب حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ طلباء کو جو وظائف دیے جاتے ہیں بند کر دیے جائیں اور تمام روپیہ انگریزی تعلیم پر خرچ کیا جائے تو مسلمانان کلکتہ نے ایک درخواست جس پر تقریباً آٹھ ہزار معززین کے دستخط تھے حکومت میں پیش کی - اس میں حکومت کے اس اقدام پر نکتہ چینی کی گئی تھی اور صاف صاف لکھا تھا :

" ظاہر ہے کہ گورنمنٹ کا ارادہ ہندوستانیوں کو عیسائی کرنے کا ہے اور انگریزی تعلیم پر اس قدر توجہ کرنے اور علوم اہل اسلام اور ہنود کو بند کرنے سے صرف یہ مقصد معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو عیسائی ہو جانے کی ترغیب دیں ،، -

الغرض ۱۸۵۶ تک اشاعت تعلیم میں مشنریوں کا کافی اثر و رسوخ تھا جس سے بد گمانی بڑی شدت کے ساتھ پھیل گئی - چنانچہ سر سید رح نے " رسالہ اسباب بغاوت ہند ،، میں منجملہ دیگر اسباب کے یہ بھی لکھا :

" مشنری اسکول بہت جاری ہوئے - ان میں مذہبی تعلیم شروع ہوئی - سب لوگ کہتے تھے کہ سرکار کی طرف سے ہیں - بعض اضلاع میں بہت بڑے بڑے عالی قدر حکام ان اسکولوں میں جاتے تھے اور لوگوں کو ان میں داخل ہونے اور شامل ہونے کی ترغیب دیتے تھے - امتحان مذہبی کتابوں میں لیا جاتا تھا اور

طالب علموں میں سے جو لڑکے کم عمر ہوتے تھے ان سے پوچھا جاتا تھا کہ تمہارا خدا کون ، تمہارا نجات دینے والا کون ، اور وہ عیسائی مذہب کے موافق جواب دیتے تھے ۔ اس پر ان کو انعام ملتا تھا ۔ ان سب باتوں سے رعایا کا دل ہماری گورنمنٹ سے پھر جاتا تھا ۔ یہاں ایک بڑا اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر لوگ اس تعلیم سے ناراض تھے تو اپنے لڑکوں کو کیوں داخل کرتے تھے۔ یہ صرف ہندوستان کی محتاجی اور مفلسی کا باعث تھا کہ لوگ اس خیال سے کہ ان اسکولوں میں داخل ہو کر ہماری اولاد کو کچھ وجہ معیشت اور روزگار حاصل ہوگا ایسی سخت بات کو جس سے بلا شبہ دلی رنج اور روحانی غم تھا گوارا کرتے تھے ، نہ رضامندی سے ''۔

یہ حقیقت بھی قابل بیان ہے کہ بنگال میں مسلمانوں کے اوقاف ضبط کر لیے گئے اور ان اوقاف کی آمدنی کا تقریباً اسی ہزار روپیہ سالانہ دوسری قوموں کی تعلیم پر صرف ہوتا تھا اور مسلمانوں کے ایک عربی مدرسہ پر صرف ڈھائی ہزار سالانہ خرچ کیا جاتا تھا ۔ اس ضبطی کے متعلق ڈاکٹر ہنٹر نے لکھا ہے :

'' اس حقیقت کو چھپانے سے کیا فائدہ کہ مسلمانوں کے نزدیک اگر ہم (انگریز) اس جائداد کو جو اس مصرف کے لیے ہمارے قبضہ میں دی گئی تھی ٹھیک ٹھیک استعمال کرتے تو بنگال میں ان (مسلمانوں) کے پاس آج بھی نہایت اعلیٰ اور شاندار تعلیمی ادارے موجود ہوتے ''۔

لیکن ہوا یہ کہ :

'' سینکڑوں پرانے خاندان تباہ ہو گئے اور مسلمانوں کا تعلیمی نظام جس کا دار و مدار ان ہی معافیات پر تھا بالکل تہ و بالا ہو گیا ۔ ۔ ۔ مسلمانوں کے تعلیمی ادارے اٹھارہ سال کی مسلسل لوٹ کھسوٹ کے بعد یک قلم مٹ گئے ۔''

پنجاب کی ۱۸۵۶-۱۸۵۷ کی تعلیمی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں مدارس و مکاتب میں مسلمان بچوں کی تعداد سب قوموں سے زیادہ تھی اور پیشہ معلمی سراسر مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا ۔ ۱۸۶۰ میں کپتان فلر، ڈائرکٹر تعلیمات، نے مسلمان اساتذہ کی تعداد ٹریننگ اسکولوں میں کم کر دی اور ہندوؤں کو بڑھایا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ مسلمان اس محکمہ سے بے دخل ہوگئے ۔ یہی حال دیگر ملازمتوں کا ہر جگہ تھا ۔ بقول ڈاکٹر ہنٹر :

'' کلکتہ میں مشکل سے کوئی دفتر ایسا ہو گا جس میں بجز چپراسی یا چٹھی رساں یا دفتری کے مسلمان کو کوئی نوکری مل سکے ''۔

سر سید

یہ حالات تھے کہ رحمت خداوندی جوش میں آئی اور اللہ نے مسلم قوم کو زندہ رکھنے کے لیے سر سید احمد خاں کی صورت میں فرشتۂ رحمت بھیجا اور علی گڑھ تحریک کا آغاز ہوا ، اور اس تحریک کی بدولت مسلمانان بر صغیر نے نہ صرف یہ کہ ہر شعبۂ علمی میں ترقی کی بلکہ ایک اسلامی حکومت سر سید کے دو قومی نظریہ کی بنا پر قائم کر دی ، یعنی پاکستان وجود میں آیا ۔

یہاں علی گڑھ تحریک کی تاریخ لکھنا مقصود نہیں ہے، لیکن سر سید کے تعلیمی نظریات

کا مختصر بیان ضروری معلوم ہوتا ہے - ۱۸۵۷ کے ہنگامہ کے نتائج میں مسلمانوں کو سخت ترین خمیازہ بھگتنا پڑا اور قلیل عرصہ میں ایک بڑی قوم تباہ ہوگئی - سر سید نے دیکھا کہ اب انگریزی حکومت مستحکم ہوگئی ہے اور مسلمانوں کا مستقبل تاریک ہے تو سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ قوم کو باعزت زندگی بسر کرنے کے لیے تعلیم جدید سے روشناس کرایا جائے، کیونکہ بغیر اس کے حکومت میں مسلمانوں کا کوئی حصہ نہ ہوگا اور رفتہ رفتہ قوم مٹ جائے گی - مسلمان مغربی تعلیم سے اس لیے متنفر تھے کہ اس کی ابتداء عیسائی مشنریوں نے کی تھی اور ہندوؤں نے عیسائی مذہب قبول کرنا شروع کر دیا تھا - لیکن سر سید کے سامنے یہ مقصد تھا کہ مسلمانوں میں قومیت کا جذبہ بیدار کیا جائے اور قومی اتحاد اور ہمدردی جو ترقی کا اول زینہ ہے ان میں قائم رکھا جائے - سب سے مقدم یہ کہ وہ مسلمان رہیں اور مذہب اسلام کی حقیقت ان کے دل میں قائم رہے اور اس لیے ضروری ہے کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ ان کو مذہبی تعلیم بھی لازمی طور پر دی جائے اور جہاں تک ممکن ہو ان کو فرائض دین کا پابند رکھا جائے اور اخوت اسلامی کا سبق دیا جائے - چنانچہ ایک مرتبہ طلباء کو مخاطب کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا :

" یاد رکھو سب سے سچا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ہے - اسی پر یقین کرنے سے ہماری قوم ہماری قوم ہے - اگر تم نے سب کچھ کیا اور اس پر یقین نہ کیا تو تم ہماری قوم نہ رہے - پھر اگر تم آسمان کے تارے ہوگئے تو کیا - پس امید ہے کہ تم ان دونوں باتوں (علم اور اسلام) کے نمونے ہوگے اور جب ہی ہماری قوم کی عزت ہوگی "-

سر سید کے نزدیک تعلیم کا مقصد یہ تھا کہ قوم کی ذہنی سطح بلند ہو اور معاشرتی و اقتصادی حالت بہتر سے بہتر ہو جائے - لکھنؤ میں ایک بار تقریر کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا :

" اے دوستو ! مجھ کو یہ بات ذرا خوش کرنے والی نہیں ہے کہ کسی مسلمان نے بی - اے یا ایم - اے کی ڈگری حاصل کر لی ہے - میری خوشی قوم کو قوم بنانے کی ہے - "

وہ جانتے تھے کہ قوم کی اقتصادی حالت بھی اسی وقت درست ہو گی جب قوم میں تعلیم ہو گی - امرتسر میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا :

" ہم کو چاہیے کہ دوسرے ملکوں میں آڑتھہ اور کمپنیاں قائم کریں جس سے اعلیٰ درجہ کے تاجر ہوں، ملک کی پیداوار اور قدرتی چیزیں جو زمین میں گڑی پڑی ہیں ان سے فائدہ اٹھائیں "-

وہ مشنری مدارس میں مسلمان بچوں کی تعلیم کے بھی بے حد مخالف تھے - چنانچہ ایک تقریر میں اس کا اظہار ان الفاظ میں کیا :

" مسلمانوں کو شرم نہیں آتی کہ مشنری تعلیم گاھوں میں وہ اپنے لڑکوں کو بھیجتے ہیں - ان کو جوش پیدا نہیں ہوتا، ان کو غیرت نہیں آتی ! "

وہ مشرقی علوم کے ہر گز مخالف نہ تھے بلکہ دنیاوی نقطۂ نظر سے مغربی علوم کا

Marfat.com

حاصل کرنا بھی ضروری سمجھتے تھے - ۱۸۸۴ میں بمقام امرتسر ایک تقریر کے دوران انھوں نے اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا :

”مسلمانوں کو لازم ہے کہ عربی زبان کی تحصیل کو نہ چھوڑیں - یہ ہمارے باپ دادا کی مقدس زبان اور ہمارے قدیم ملک کی زبان ہے جو فصاحت و بلاغت میں سیمٹک زبانوں میں لاثانی ہے - مگر افراط و تفریط نہ ہو - اس زبان میں ہمارے مذہب کی ہدایتیں ہیں لیکن جب کہ ہماری معاش، ہماری بہتری، ہماری زندگی بہ آرام بسر ہونے کے ذریعے، بلکہ ہمارے اس زمانے کے موافق انسان بنانے کے وسائل انگریزی زبان سیکھنے میں ہیں تو ہم کو اس طرف بہت توجہ کرنی چاہیے“۔

نواب عمادالملک سید حسین بلگرامی کو ایک خط میں لکھا :

”میں یہ تدبیر چاہتا ہوں کہ علوم عربیہ اور درس کتب مذہبی جو معدوم ہوتا جاتا ہے کسی طرح قائم رہے - اگر عربی فارسی ہم میں سے معدوم ہو جائے تو اس کے ساتھ ہماری قومیت بھی معدوم ہوجائے گی“۔

سرسید تعلیمی معاملات میں انگریزی حکومت کی مداخلت بھی گوارا نہیں کرتے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ ہماری یونیورسٹیاں اور تعلیم گاہیں انگلستان کی یونیورسٹیوں کی طرح حکومت کی مداخلت سے آزاد رہیں - چنانچہ گورداسپور میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا :

”ہندوستانیوں کی ترقی اس وقت ہو گی جب 'وہ اپنے باہمی چندے، اپنے انتظام، اپنی قوت سے بلا مداخلت گورنمنٹ اور اس کے افسروں کے اپنی خودسری اور اپنی مرضی کے موافق بچوں کی تعلیم کریں“۔

بحمد اللہ حکومت نے قوم کے تعلیمی نظام میں انقلاب پیدا کرنے کا تہیہ کر لیا ہے - لہٰذا ہمیں اپنے اسلاف کے تجربات سے فائدہ اٹھانے اور سرسید کے نظریات و تجاویز پر عمل کرنے کا بہترین موقع حاصل ہے - امید ہے کہ محکمہ تعلیم اور محکمہ اوقاف دونوں کی متحدہ مساعی سے ایک ایسی تعلیم یافتہ قوم پیدا ہو گی جس کے متعلق ہم بقول سرسید یہ کہ سکیں گے : ”ان کی مذہبی تعلیم عام تعلیم میں ایسی ملی ہوئی ہے کہ جیسے جسم و جان“۔

آخر میں اپنے مشفق محترم جناب مولوی رشید احمد ارشد صاحب، ایم - اے، لیکچرار شعبہ عربی، کراچی یونیورسٹی، کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ موصوف نے دوران ترجمہ اکثر مشکلات رفع کرنے میں مدد فرمائی - میں اپنے استاد محترم جناب پروفیسر میاں محمد شریف صاحب، ڈائرکٹر ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کا بھی ممنون احسان ہوں کہ آں جناب کی سفارش پر ادارہ نے اس کتاب کو زیور طبع سے آراستہ کر کے اشاعت کا انتظام کیا -

ناظم آباد - کراچی

۲۷ اپریل ۱۹۶۲

خاکسار

محمد حسین خاں زبیری

Marfat.com

تاریخِ تعلیم و تربیتِ اسلامیہ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

يرفع الله الذين امنوا منكم والذين	اللہ اونچے کرتا ہے ایمان والوں اور علم
اوتوا العلم درجٰت (سورة مجادلة، اٰية ۱۱)	والوں کے بڑے درجے۔
هل يستوي الذين يعلمون والذين	کیا برابر ہوتے ہیں علم والے اور
لا يعلمون ○ (سورة زمر، اٰية ۹)	بے علم۔

Marfat.com

میں نہایت مسرت اور گرم جوشی سے ڈاکٹر احمد شلبی کے مقالہ "تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ" کی اشاعت کی سفارش کرتا ہوں۔ اس کتاب میں مصر کا خاص طور پر تذکرہ ہے۔ یہ تصنیف علمی دنیا میں نہایت ہی مفید اضافہ ہے اور اس پر ڈاکٹر شلبی کو اس یونیورسٹی نے ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری عطا کی ہے۔ یہ کتاب بے شمار غیر مطبوعہ مسودات اور مطبوعہ کتب کے نہایت وسیع مطالعہ پر مبنی ہے۔ ان اوراق میں نہایت وسیع ذخیرۂ معلومات جمع کر دیا گیا ہے اور جسے تنقیدی جائزہ کے بعد خوبی سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس کی اشاعت ایک بڑی علمی خدمت ہوگی۔

شرح دستخط

اے۔ جے۔ آربری

پمبرک کالج، کیمبرج

۱۰ اکتوبر ۱۹۵۲

Marfat.com

پیش لفظ

بنی نوعِ انسان پر اسلام کی تحسین و توصیف اور شکر گذاری واجب ہے ۔ مسلمانوں نے علم و ادب اور فنون و سیاست میں جو اضافے کیے ہیں ان کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے ۔ یہ کامیابیاں اور کامرانیاں ہرگز حاصل نہ ہوتیں اگر مسلمانوں کو علم سے پر جوش عقیدت نہ ہوتی جو ان کا ہمیشہ طرۂ امتیاز رہی ہے ۔ مسلمان مردوں اور عورتوں نے یکساں طور پر پوری عقیدت کے ساتھ اپنے پیغمبرؑ علیہ السلام کے اس حکم پر عمل کیا کہ : علم طلب کرو اگرچہ وہ چین میں ہو ۔ لہٰذا اسلام نے تعلیم کے جو اصول قائم کیے ان کی چھان بین اور ان کا تذکرہ حقیقت میں ایک بہت ہی اہم اور دلچسپ مشغلہ ہے ۔ اس کتاب میں میرے دوست اور سابق شاگرد ڈاکٹر احمد شلبی اپنی تحقیق کے وہ نتائج شائع کر رہے ہیں جو انھوں نے ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری کے لیے کیمبرج یونیورسٹی میں مکمل کی ہے ۔ ناظرین مجھ سے اتفاق کریں گے کہ ان کی علمی تحقیقات نہایت عمیق اور بے حد درجہ کامیاب ہیں ۔ اس کتاب کی تیاری کے دوران بہت سی مطبوعہ کتابیں اور غیر مطبوعہ مسودات زیر مطالعہ رہے ۔ ان ماخذوں کے استعمال اور ان سے اخذ کرنے میں ڈاکٹر شلبی نے ان خصوصیات کا مظاہرہ کیا جو ایک محقق میں ہونی چاہییں ، یعنی تحمل ، کمال ، جوش و خروش اور ادراک یعنی کسی مسئلہ کی تہ کو پہنچ جانے اور اس کو سمجھ لینے کی قابلیت ، اور نہایت صفائی اور سلیقہ سے تفسیر و تشریح کی صلاحیت ۔ یہ کتاب نہ صرف علمی دنیا میں ایک اضافہ ہی ہے بلکہ ایک پر لطف مطالعہ بھی ہے اور ہر مسلمان کے لیے جسے علم سے لگاؤ ہے باعث فخر و مباہات ہے ۔

اس مقالہ کی اشاعت پر میں نہایت مسرت کے ساتھ ڈاکٹر شلبی کو مبارک باد دیتا ہوں اور ناظرین سے سفارش کرتا ہوں کہ سنجیدگی سے اس کا مطالعہ کریں ۔

پمبروک کالج
کیمبرج

اے ۔ جے ۔ آربری
پروفیسر عربی
کیمبرج یونیورسٹی

Marfat.com

فہرست مضامین

مقدمہ از مترجم ج
خلاصہ ۹
اظہار تشکر ۱۲
دیباچہ ۱۳

باب ۱ : مقامات تعلیم

صفحات ۱۹ تا ۶۲

تمہید ۱۹

فصل ۱ : قیام مدارس سے قبل مقامات تعلیم

کتّاب برائے تعلیم نوشت و خواند ۱۹
کتّاب برائے تعلیم قرآن مجید و ابتدائی مضامین ۲۲
محلات میں ابتدائی تعلیم ۲۶
کتب فروشی کی دکانیں ۲۸
علماء کی قیام گاھیں ۳۰
ادبی نشستیں ۳۳
بادیہ ۴۱
مسجد ۴۶

فصل ۲ : مدارس

تمہید ۵۲
تعلیم مساجد سے مدارس کی طرف کیوں منتقل ھوئی ۵۲
مساجد و مدارس میں کیا فرق تھا ۵۲
مدرسے زیادہ تر مذھبی تعلیم ھی کے لیے کیوں وقف تھے ۵۳
اسلامی دنیا میں مدارس کا قیام ۵۳
مدارس نظام الملک ۵۴
مدارس نور الدین ۵۵
مدارس طب ۵۸
النوریۃ الکبریٰ (قرون وسطیٰ کے اسلامی مدرسہ کا نمونہ) ۵۹

Marfat.com

باب ۲ : کتب خانے

صفحات ۶۳ تا ۹۴

کتب خانے و تعلیم ۶۳
کتابوں کی قدر شناسی ۶۴
کتب خانوں کی اخلاقی افادیت ۶۶
عمارات و ترتیب ۶۸
فہرستیں ۷۰
استعارۂ کتب ۷۱

کتب خانه کا عمله

مہتمم کتب خانه : اس کے فرائض ۷۳
مترجمین ۷۵
ورّاقون (کاتب) ۷۶
جلد ساز ۷۹
خدمت گار (مناولون) ۷۹

کتب خانه کی مالی حالت

اقسام کتب خانه ۸۱
کتب خانۂ عام ۸۱
نیم سرکاری کتب خانے ۸۸
ذاتی کتب خانے ۹۱

باب ۳ : اساتذه

صفحات ۹۵ تا ۱۳۰

باقاعده و بے قاعده تدریس ۹۵
اساتذه کی اهمیت ۹۵
حکومت و اساتذه کے تعلقات ۹۶
معاشرے میں اساتذه کا درجه ۹۹
اساتذه کی مالی حالت ۱۰۸
مدارس نظامیه کے پروفیسر ۱۱۶
معید (اعاده کرنے والے) ۱۱۹
اساتذه کا کردار اور فرائض ۱۲۰
اسناد ۱۲۲
سزا ۱۲۳

صلہ اور انعام ۱۲۶
اساتذہ کا لباس ۱۲۷
انجمن اساتذہ ۱۲۸

باب ۴ : طلباء

صفحات ۱۳۱ تا ۱۶۲

اسلام اور تعلیم ۱۳۱
تربیت اطفال و امام غزالی ۱۳۳
تعلیم میں مساوات ۱۳۴
طلباء کی نگرانی و رہنمائی ۱۳۷
تعلیم کے لیے بچے کی عمر ۱۳۸
کمرۂ جماعت کا طول و عرض ۱۳۹
جسم و دماغ ۱۴۰
طلباء کا کردار و فرائض ۱۴۲
طلباء کے تعلقات آپس میں ۱۴۳
حصول علم میں طلباء کی جد و جہد ۱۴۴
تحصیل علم کے لیے سفر ۱۴۶
تعلیم نسواں ۱۵۲

باب ۵ : مؤسسین ، اوقاف ، تنظیم

صفحات ۱۶۳ تا ۱۷۷

مؤسسین ۱۶۳
الماموں ۱۶۳
نورالدین ۱۶۳
صلاح الدین ۱۶۴
نظام الملک ۱۶۴
اوقاف ۱۶۸
تنظیم ۱۷۲
حلقہ ۱۷۲
مدارج تعلیم ۱۷۵
اقامتی تعلیم ۱۷۶

Marfat.com

ضمیمہ

صفحات ۱۷۸ تا ۲۰۸

مضامین

فاطمی دور میں اسماعیلی مذہب و تعلیم مصر میں ۱۷۸
اسماعیلی عقاید ۱۷۹
وصی اور امام ۱۷۹
انبیاء ، وصی اور امام کی معصومیت ۱۷۹
امام کی ادعائی اہلیت ۱۸۱
قرآن اور حدیث کے ظاھری وباطنی معانی کو قبول کرنا ۱۸۲
امام اور قانون سازی ۱۸۳
اسماعیلی فقہ کی مثالیں ۱۸۴
اسماعیلی مذہب کی تبلیغی جدوجہد ۱۸۵
تبلیغ بذریعہ تعلیم ۱۸۵
تبلیغ بذریعہ اشعار ۱۸۵
کلام ابن ھانی ۱۸۷
کلام امیر تمیم ۱۸۷
کلام سوئید ۱۹۰
تبلیغ چند مقدس ایام کی یاد گار منانے سے ۱۹۲
تبلیغ مذہب صرف اسماعیلیوں کو ملازمتوں میں لینے سے ۱۹۴
اھالیان مصر اور اسماعیلی مذہب ۱۹۶
کتابیات ۱۹۷
۱۹۸

Marfat.com

خلاصہ

اس کتاب میں اوائل اسلام (ساتویں صدی عیسوی) سے زوال خاندان ایوبی (۶۴۸/۱۲۵۰) تک تعلیم وتربیت اسلامیہ کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اس مقالہ کو پانچ ابواب اور ایک ضمیمہ پر تقسیم کیا گیا ہے۔

باب اول میں مقامات تعلیم کا بیان ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ ۴۵۹ھ سے تعلیم اسلامیہ کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے کیونکہ اسی سال نظام الملک طوسی کے نظام تعلیم کے تحت پہلا مدرسہ بغداد میں قائم کیا گیا تھا۔ اس سے قبل تعلیم کے مراکز مختلف قسم کے مقامات تھے۔ ان مقامات کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت الگ الگ بیان کیا گیا ہے:

(۱) کتاب۔ برائے تعلیم نوشت و خواند

(۲) کتّاب۔ برائے تعلیم قرآن پاک اور ابتدائی مضامین

(۳) ابتدائی تعلیم محلات میں

(۴) کتب فروشی کی دکانیں

(۵) علماء کی قیام گاہیں

(۶) ادبی نشستیں

(۷) بادیہ

(۸) مساجد

اس کے بعد مدارس کی تعلیم کا جائزہ لیا گیا ہے اور چند سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں، یعنی:

(۱) تعلیم کا مرکز مسجد سے مدرسہ میں کیوں منتقل ہوا؟

(۲) مساجد اور مدارس میں کیا فرق تھا؟

(۳) مدارس میں زیادہ تر مذہبی تعلیم ہی کیوں دی جاتی تھی؟

بعد ازاں ان مدارس کی ایک فہرست دی گئی ہے جو نظام الملک نے عراق و خراسان میں، نورالدین نے شام میں اور خاندان ایوبی نے مصر اور شام میں قائم کیے تھے۔ قرون وسطیٰ کے اسلامی مدرسہ کا خاکہ سمجھانے کے لیے دمشق کے مدرسہ نوریۃ الکبریٰ کا تفصیلی حال بیان کیا گیا ہے۔ اس مدرسہ کا میں نے بذات خود معائنہ و مشاہدہ کیا۔

باب دوم کتب خانوں سے متعلق ہے جو بطور تعلیمی اداروں کے استعمال کیے جاتے تھے۔ ان کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ الگ ایک پورے باب کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لٰہذا اسلامی دنیا میں کتب خانوں کی اخلاقی قدروقیمت بتلا کر میں نے کتب خانوں

Marfat.com

کی عمارات، الماریوں کا رکھ رکھاؤ، فہرست ہائے کتب اور استعمال کتب کا طریقہ تفصیل سے بتایا ہے ۔ اسی باب کے تحت کتب خانوں کے عملہ کا ذکر کیا ہے اور مہتمم کتب خانہ ، مترجم، محرر، جلدساز اور خدمت گاروں کا حال ذرا تفصیل سے بتایا ہے ۔ کتب خانہ کی مالی حالت کا بھی تذکرہ ہے اور سب سے آخر میں سرکاری و نیم سرکاری اور ذاتی کتب خانوں کا حال بیان کرکے اس باب کو ختم کیا ہے ۔

باب سوم کا مضمون اساتذہ سے متعلق ہے جو اس توضیح و تشریح سے شروع ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں اساتذہ کا کیا درجہ تھا ۔ اس باب کے دیگر عنوانات یہ ہیں :

(۱) حکومت و اساتذہ میں تعلق
(۲) معاشرہ میں اساتذہ کا درجہ
(۳) اساتذہ کی مالی حالت
(۴) اساتذہ کا کردار اور فرائض
(۵) اسناد
(۶) سزا
(۷) صلہ اور انعامات
(۸) اساتذہ کا لباس
(۹) انجمن اساتذہ
(۱۰) معیدین

باب چہارم طلباء سے متعلق ہے ۔ یہاں تعلیم کے اسلامی انداز فکر پر بحث کی گئی ہے ۔ اس کے بعد بچوں کی تربیت میں امام غزالی کا نظریہ بیان کیا گیا ہے ۔ دیگر عنوات یہ ہیں:

(۱) تعلیم میں مساوات
(۲) طلباء کی نگرانی و رہنمائی
(۳) تعلیمی عمر
(۴) کمرۂ جماعت کی وسعت
(۵) جسم و دماغ
(۶) طلباء کا کردار اور فرائض
(۷) طلباء میں تعلقات باھمی
(۸) حصول علم کے لیے طلباء کی مساعی
(۹) تعلیم کے لیے سفر
(۱۰) تعلیم نسواں

باب پنجم میں مؤسسین ، اوقاف اور تنظیم سے بحث کی گئی ہے ۔ یہاں تین نامور بانیان مدارس (مامون رشید ، نورالدین ، صلاح الدین) کے حالات بیان کیے گئے ہیں ۔ تعلیمی اوقاف کے جائزہ سے پہلے نظام الملک طوسی کی مختصر سوانح عمری ہے ۔ اس باب میں تین عنوان ہیں ، یعنی حلقۂ درس ، مدارج تعلیم ، اور اقامتی تعلیم ۔ جہاں مصر کی آزادی

Marfat.com

کا ذکر ہے وہاں اسے بہت اہمیت دی گئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عہد فاطمی اور عہد ایوبی میں دنیائے اسلام کا نہایت اور شاید سب سے بڑا ثقافتی مرکز مصر ہی رہا ہے۔

ضمیمہ میں مذہب اسماعیلیہ پر بحث کی گئی ہے کیونکہ عہد فاطمی میں اسی کی ترویج و تعلیم پر مصر میں زور دیا جاتا تھا۔ اس فرقہ کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب کی مدد سے میں نے اسماعیلیہ عقاید کے اخذ کرنے کی کوشش کی ہے اور اس طریقہ کا بھی پتہ چلایا ہے جو اس کی تبلیغ کے لیے استعمال کیا گیا تھا، یعنی مدارس میں تعلیم کے ذریعہ اور شعراء کی شاعری کے ذریعہ سے اس کی تبلیغ کی گئی اور بعض مقدس ایام بھی بطور تہوار منائے جاتے تھے۔ خاندان ایوبی کے عروج سے جو ثقافتی رد عمل ہوا اس پر یہ ضمیمہ ختم ہوتا ہے۔

Marfat.com

اظہار تشکر

میں پروفیسر اے - جے - آربری کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے میرے لیے یہ مضمون تجویز کیا اور دوران تحقیق اس کی نگرانی کی - حقیقت یہ ھے کہ پروفیسر آربری کی اصلاحی تنقید ، مفید تجاویز اور جوش دلانے والی رھنمائی اس کتاب کی تیاری میں میرے لیے بے حد مفید ثابت ہوئیں -

میں قاھرہ یونیورسٹی کا بے حد ممنون ہوں کہ مجھے اس تعلیمی وظیفہ کے لیے نامزد کیا گیا اور حکومت کا بھی شکر گذار ہوں کہ اس کی منظوری دی اور اس طرح مجھے انگلستان میں چند سال مطالعہ کا موقعہ ملا اور علمی تجسس کے لیے دیگر ممالک کی سیاحت بھی کی -

اس تحقیق کے دوران میں اور خصوصاً مشرق وسطیٰ کی سیاحت کے دوران میں علماء نے میری بے حد امداد کی - انھوں نے اپنی کتابوں کے مجموعے میرے سپرد کر دیے - کتب خانوں کے منتظمین کا شکریہ واجب ھے کہ جنھوں نے کتب خانوں سے استفادہ کی سہولتیں بہم پہنچائیں - ان تمام حضرات کا بھی شکر گذار ہوں جن کے اسمائے گرامی درج ذیل ھیں :

پروفیسر ایس - اے - جسونہ (مصر)
ڈاکٹر کامل حسین
ڈاکٹر اے - ال - پک (کرائسٹ کالج)
فواد سید (مصر)
ڈاکٹر سامی دھان (دمشق)
استاذ عباس العزاوی (بغداد)
شیخ آغا بزرگ (نجف)
پروفیسر احمد اتش (استنبول)

احمد شلبی

Marfat.com

دیباچہ

پال منرو (Paul Monroe) نے اپنی کتاب موسومہ ''سولھویں صدی میں تعلیمی نشاۃ ثانیہ'' (*The Educational Renaissance in the 16th Century*) کی ابتدا ان الفاظ سے کی ھے: ''ھر شخص کو زمانہ گذشتہ کی تعلیمی سرگرمیوں کے متعلق ٹھوس معلومات فراھم کرنے میں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ھے اور خصوصاً اسکولی زندگی کا کوئی خاصا مسلسل اور مکمل تفصیلی حال تو ملتا ھی نہیں۔'' یہ بیان قرون وسطیٰ کی تعلیم اسلامیہ کے حالات پر بھی منطبق ھوتا ھے۔ حقیقت یہ ھے کہ اس کتاب کی تیاری میں بڑی محنت کرنی پڑی۔ اکثر کسی ضخیم کتاب کا مطالعہ یہ سمجھ کر کیا کہ بہت کچھ کار آمد مواد مل جائے گا لیکن ھوا یہ کہ یا تو بہت ھی کم مفید مطلب چیزیں ملیں یا کچھ بھی نہیں۔ مسلمان مورخین کی توجہ سیاسی اور فوجی سرگرمیوں پر مرکوز رھی اور انھوں نے سماجی اور تعلیمی اصلاحات پر کوئی توجہ نہ کی۔ مثال کے طور پر نظام الملک کے مدارس قائم کرنے کا کارنامہ صرف چند سطروں میں بیان کر دیا گیا ھے، لیکن اس کے دیگر کارنامے نہایت تفصیل سے بیان کیے ھیں۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز یہ بات ھے کہ صلاح الدین کے قاضی اور معتمد ذاتی ابن شداد نے اپنی تصنیف ''المحاسن الیوسفیہ'' میں اس کے تعلیمی کارناموں کو بالکل ھی نظر انداز کر دیا ھے۔ اس کتاب میں صلاح الدین کی ولادت، سوانح حیات، کردار اور فوجی مہمات کا نہایت تفصیلی بیان ھے لیکن تعلیمی سرگرمیوں کا بالکل ھی تذکرہ نہیں ھے۔ چند تعلیمی رسائل میں بھی جو بہت مختصر ھیں ایک ھی قسم کا مسالہ ملتا ھے جس کا تعلق خاص طور پر اساتذہ اور طلباء کے کردار اور فرائض سے ھے۔

ایک اور بات جس کا بیان کرنا یہاں ضروری ھے یہ ھے کہ اس کتاب کے ھر باب کے لیے مجھے مختلف ماخذوں کی ضرورت پڑی۔ مثال کے طور پر باب اول میں کتّاب، علماء کی قیام گاھوں، ادبی نشستوں، مساجد اور مدارس وغیرہ کے لیے ظاھر ھے مختلف ماخذوں کی طرف رجوع کرنا پڑا۔

اس کتاب کی تیاری میں مجھے بے شمار کتب اور دستاویزات کی بھی چھان بین کرنی پڑی تا کہ میرے مضمون کے متعلق مواد فراھم ھو سکے اور اس کام کے لیے مجھے مصر، شام، لبنان، فلسطین، ترکی اور عراق کا سفر بھی کرنا پڑا۔ اس پر مستزاد یہ کہ بعض یورپی ممالک کا دورہ کرنے کی بھی ضرورت ھوئی تا کہ آثار قدیمہ اور ادبی مطالعہ سے ایسا مواد فراھم کیا جا سکے جس کا تعلق تاریخ تعلیم سے ھو۔

جہاں تک مجھے علم ھے اس مضمون پر اس سے قبل کسی نے کوئی مفصل کتاب

Marfat.com

نہیں لکھی ھے - اب تک تاریخ تعلیم اسلامیہ میں کسی نے تحقیق و تفتیش نہیں کی ، سوائے اس کے کہ ھمیں چند مختصر مضامین کہیں کہیں ملتے ھیں یا ان کتابوں میں جو دیگر مقاصد کے تحت لکھی گئی ھیں تعلیم سے متعلق کچھ اشارات اور تلمیحات ملتی ھیں - علاوہ بریں ان کتابوں یا ان مضامین کی بنیاد ان ماخذوں پر نہیں ھے جن سے میں نے استفادہ کیا ھے -

جن ماخذوں سے میں نے استفادہ کیا ھے وہ چار اقسام پر منقسم ھیں :

(۱) واقعات متعلقہ آثار قدیمہ

(۲) تعلیمی رسائل

(۳) کتب متعلقہ معلومات عامہ

(۴) کتب تواریخ

واقعات متعلقہ آثار قدیمہ

یہ واقعات بہت بیش قیمت ھیں اور مجھے خاص طور پر دمشق میں نورالدین کے قائم کردہ چھٹی صدی کے مدارس کے کتبات سے بہت مفید مواد حاصل ھوا - ان کتبات ھی سے مجھے مدارس کے اوقات کے متعلق صحیح اطلاعات ملیں - پتھر کے اس کتبہ سے جو "النوریۃ الکبریٰ" کے پھاٹک پر لگا ھوا ھے میں نے النعیمی (م ۹۲۷ھ) کی غلطی درست کی - وہ غلطی سے اس مدرسہ کا بانی اسماعیل بن نورالدین کو بتاتا ھے (کتاب میں اس کے متعلق فوٹو گراف ھیں) -

تعلیمی رسائل

خاص خاص تعلیمی رسائل جن سے میں نے استفادہ کیا یہ ھیں :

"تذکرۃ السامع والمتکلم" ، ابن جماعہ

"الاعلاق الخطیرہ" ، (دمشق) غیر مطبوعہ ، ابن شدّاد

"الدارس" ، النعیمی

"رسالۃ" (جرنل ایشیاٹک ۱۹۳۴) ، ابن عبدون

"رسالۃ المعلمین" ، (موصل) غیر مطبوعہ ، الجاحظ

"الفضلہ" ، قبیسی

"ترغیب الناس الی العلم" ، (استنبول) غیر مطبوعہ ، قطمونی

"آداب المعلمین" ، ابن سحنون

"منہاج المتعلم" ، گمنام

"اپنے ایک شاگرد کو نصیحت" ، (استنبول) غیر مطبوعہ ، امام ابو حنیفہ

"الوجازہ" ، (بغداد) غیر مطبوعہ ، الولید بن بکر

"تعلیم المتعلم" ، زرنوجی

"المنیۃ" ، (نجف) غیر مطبوعہ ، الشہید

"رسالہ فی العلم الادب" ، (بغداد) غیر مطبوعہ ، طاش کبری زادہ

"ادب المفید و المستفید" ، العاملی

Marfat.com

جو مواد ان ماخذوں سے حاصل ہوا وہ بہت بیش قیمت ہے، مثلاً ابن جاعہ نے متعدد اہم سوالات کے جواب فراہم کیے، خصوصاً حلقۂ درس کا مفصل حال، اقامتی درس گاہ میں طلباء کے طور طریقے، تعلیم کی عمر، استعارہ کتب - ان میں سے بیشتر امور پر صرف ابن جاعہ نے روشنی ڈالی ہے - "منہاج المتعلم" جو خوش قسمتی سے مجھے حلب میں مسودات کے ایک صندوق سے دستیاب ہوئی ایک بے نظیر چیز ہے جس سے طلباء کی ذہانت کی جانچ اور ان کو ذہانت کے لحاظ سے جماعت وار تقسیم کرنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے - "الوجازہ" جو عباس عزاوی کے ذاتی کتب خانہ سے حاصل ہوئی ایک بہت ہی اہم ماخذ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ سندات اور تدریس کی اجازت کس طرح دی جاتی تھی - جاحظ کا "رسالۃ المعلمین" جس کے متعلق یقین تھا کہ گم ہوگیا ہے خاص طور پر سماج میں اساتذہ کا درجہ بتاتا ہے - "آداب المعلمین" تصنیف ابن صیحون (جسے ابن خلدون نے غلطی سے محمد بن زید کی تصنیف بتایا ہے) ہمیں بتاتی ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم کا لڑکوں سے علیحدہ انتظام تھا - بعض مصنفین ماخذوں کی غلط فہمی کے باعث اس مسئلہ کے متعلق غلطی میں پڑ گئے ہیں - میں نے النعیمی کی تصنیف سے بھی بہت حوالے دیے ہیں - در حقیقت تمام متذکرہ بالا تعلیمی رسائل سے بہت کچھ قیمتی مسالہ فراہم کیا گیا ہے -

کتب متعلقہ معلومات عامہ

عربی ادب میں معلومات عامہ پر بے شمار کتابیں ہیں - ان کتابوں کا مطالعہ بہت مفید ثابت ہوا کیونکہ یہ کتابیں متعدد مضامین پر حاوی ہیں جن میں تعلیم بھی شامل ہے - ان کتابوں کو صف وار اس طرح تقسیم کر سکتے ہیں :

سفر نامے خصوصاً مندرجہ ذیل

"کتاب البلدان"، یعقوبی
"البلدان"، ابن الفقیہ
"احسن التقاسیم"، المقدسی
"المسالک والممالک"، ابن حوقل
"الرحلہ"، ابن جبیر
"معجم البلدان"، یاقوت
"تحفۃ النظار"، ابن بطوطہ

ان سیاحوں نے اسلامی دنیا میں طویل سیاحت کی اور ہر مقام پر جو دیکھا اور سنا اسے قلم بند کر لیا - جامع دمشق کے حالات، اس کی تعمیر کے اخراجات ابن الفقیہ سے معلوم ہوئے - اساتذہ کے لباس کے متعلق مقدسی نے معلومات فراہم کیں - مدارس اور ان کے اوقات، چند کتب خانوں اور بعض حلقہ ہائے درس کے متعلق عام طور پر یہ سب تصانیف اور خصوصی طور پر ابن جبیر کی تصانیف میرے ماخذ ہیں -

Marfat.com

سوانح عمریاں

عربی ادب میں اس قسم کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتابوں کی کثیر تعداد ہے ۔ ان ماخذوں سے میں نے بہت مسالہ حاصل کیا ہے اکثر ابواب میں قاری کو مندرجہ ذیلی کتب کے حوالے ملیں گے :

"الاغانی" ، اصفہانی
"الفہرست" ، ابن الندیم
"طبقات الادباء" ، انباری
"تاریخ بغداد" ، خطیب بغدادی
"معجم الادباء" ، یاقوت
"وفیات الاعیان" ، ابن خلکان
"فوات الوفیات" ، کتبی
"الوافی" ، (غیر مطبوعہ) ، صفدی
"اخبار الحکماء" ، القفطی
"عیون الانباء" ، ابن ابی اصیبعہ
"طبقات الشافعیہ" ، السبکی
"نفح الطیب" ، مقری
"مناقب الشافعی واشابہی" ، (دمشق) غیر مطبوعہ ، ابن قاضی شہبہ
"اخبار النساء" ، (دمشق) غیر مطبوعہ ، السیوطی

ادبی نشستوں اور تعلیم نسواں کے متعلق میرا مخصوص ماخذ الآغانی ہے ۔ تعلیم نسواں پر سیوطی سے بھی مفید مواد ملا ۔ مساجد کی تعلیم گاہوں ، اساتذہ کے لباس، اساتذہ کی مالی اور سماجی حالت ، جماعت کے کمروں کا طول و عرض ، تعلیم کے لیے سفر اور حصول علم کے لیے طلباء کی مساعی سے متعلق میرے ماخذ خاص طور پر یاقوت ، ابن خلکان ، القفطی ، ابن ابی اصیبعہ ہیں ۔

کتب حسبہ

اس قسم کی کتابوں میں ایک باب اساتذہ کے محاسبہ کے متعلق بھی ضرور ہوتا ہے ۔ مندرجہ ذیل کتابوں سے اس قسم کی معلومات فراہم کی گئیں خصوصاً سزا کے متعلق :

"نہایت الرتبہ" ، شیزری
"معلم القربہ" ، قرشی
"الحسبہ" ، حسّان

دیگر اہم ماخذ جو کسی ایک عنوان کے تحت نہیں دیے جا سکتے

" العقد الفرید "، ابن عبد ربہ
" البیان "، الجاحظ
" الامتاع "، " المقابسات "، " الصداقہ و الصادق "، ابو حیان توحیدی
" القانون "، ابن سینا
" جامع بیان العلم "، ابن عبدالبر
" رسوم دارالخلافہ (بغداد) " غیر مطبوعہ، الصابی
" ادب الندیم "، کشاجم
" الاحیاء "، امام غزالی
" المدخل "، العبدری
" مفید النعم "، السبکی
" المقدمہ "، ابن خلدون
" الخطط "، المقریزی
" حسن المحاضرہ "، السیوطی
" صبح الاعشاء "، القلقشندی

ان تصانیف سے بہت سے اہم واقعات اخذ کیے گئے ہیں - علماء کے مکانات پر تدریس کی بہت سی مثالیں میں نے ابو حیان سے لی ہیں اور بچوں کی تربیت کے متعلق " الاحیاء " سے امام غزالی کے خیالات کو نقل کیا ہے - جاحظ کی تصانیف سے جن کو قاموسی درجہ حاصل ہے شہزادوں کا نصاب تعلیم، اساتذہ کا معاشرہ میں درجہ، کتابوں کی قدر و قیمت، ادبی نشستوں میں شریک ہونے والوں کے طور طریقے اخذ کیے گئے ہیں - کشاجم نے " ادب الندیم " میں اور الصابی نے " رسوم دارالخلافہ " میں ادبی نشستوں کو خاص طور پر بیان کیا ہے -

مصر کے متعلق بہت سی واقفیت ابن دقماق " الخطط " اور " حسن المحاضرہ " سے حاصل ہوئی -

کتب تواریخ

تاریخی تحقیقات کے سلسلے میں تاریخی کتب سے استفادہ کیا گیا - ان میں دنیائے اسلام کی عمومی تاریخیں مثل طبری، ابن الاثیر اور ابن خلدون کی "العبر" اور مقامی تاریخیں جیسے " تاریخ السلجوق "، " تاریخ الاسم المنقطعہ " (غیر مطبوعہ)، " الروضتین "، "بفرج الکروب" (غیر مطبوعہ)، "اتعاظ الحنفاء" اور دیگر متعدد کتب شامل ہیں - ان سب تصانیف میں سے ابو شامہ کی " الروضتین " اس ضمن میں بے حد مفید ثابت ہوئی - اس سے نور الدین کے مختصر عہد بادشاہت کے تعلیمی حالات کا پتہ چل گیا -

Marfat.com

تصانیف جدیدہ بھی بڑی مفید ثابت ہوئیں - لیمنس (Lammens) کی تصنیف (*Etudes sur le regne du Calife Omaiyade Mo'awia, ler*) سے محلات شاہی میں ابتدائی تعلیم کے متعلق بہت مسالہ حاصل ہوا - آدم مز (Adam Mez) نے جدا جدا چار ابواب میں علمائے دینیات ' دینی مضامین ' فقہی فرقوں اور قاضیوں کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے - ان ابواب سے استفادہ کیا گیا ، خصوصاً کتب خانوں ' لباس اساتذہ اور محلات میں ابتدائی تعلیم کے متعلق بہت مواد حاصل ہوا - اسٹینلی لین پول (Stanley Lane-Poole) کی تصانیف " قاہرہ " ' " صلاح الدین " اور " قرون وسطیٰ کا مصر " مفید ثابت ہوئیں ، خصوصاً مصر میں مفت اقامتی تعلیم کے متعلق بہت کچھ ملا - پروفیسر گب (Gibb) کی تصانیف " عربی ادب " (*Arabic Literature*) اور " محمد نزم " (*Mohammadenism*) بہت سے مسائل کے لیے مفید ثابت ہوئیں ، خصوصاً ادبی نشستوں سے متعلق بہت کچھ حاصل ہوا -

دیگر کتب جن سے استفادہ کیا گیا :

" بغداد ، امن کا شہر " ' رچرڈ کوک

" ہارون الرشید " ' پامر

" لٹریری ہسٹری آف دی عربس " ' نکلسن

" لٹریری ہسٹری آف پرشیا " ' براؤن

" اسلامک سولزیشن " ' خدا بخش

" مسلم کلچر " ' بارتھولڈ

" اے شورٹ ہسٹری آف دی ساراسنز " ' امیر علی

" میرج ان ارلی اسلام " ' اسٹرن

" ہسٹری آف دی عربس " ' حطی

" خزائن الکتب فی العراق " ' عواد

" فجر الاسلام " ' " ضحیٰ الاسلام " ' " ظہر الاسلام " ' احمد امین

علاوہ ازیں مختلف رسائل سے مضامین' خصوصاً " نائنٹینتھ سنچری " ' " اسلامک کلچر " اور " جرنل آف ایجوکیشن " بہت ہی مفید ثابت ہوئے - جا بجا اس کتاب میں ان کے حوالے دیے گئے ہیں -

احمد شلبی

Marfat.com

باب اول

مقامات تعلیم

تمہید

تعلیم و تربیت اسلامیہ کی تاریخ میں ۴۰۹ھ (۱۰۶۶-۱۰۶۷ع) کا سال ایک دور جدید کے عنوان سے ہمیشہ یادگار رہے گا - یہی وہ سال ہے جب اسلامی دنیا میں باقاعدہ مدارس کی ابتدا ہوئی - اس عہد کی اہمیت پر ہم اس کتاب کے آخری حصہ میں کسی قدر تعمق سے نظر ڈالیں گے لیکن یہاں اس کی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ اس سال کا تعلق ان مقامات سے ہے جہاں اسلامی تعلیم پہلے سے جاری تھی - چنانچہ ۴۰۹ھ سے قبل اور بعد کے ادوار میں مختلف قسم کے ایسے مقامات موجود تھے جہاں تعلیم دی جاتی تھی - ان تعلیم گاھوں کو دو اقسام میں منقسم کیا جا سکتا ہے :

(۱) قیام مدارس سے قبل مقامات تعلیم

(۲) مدارس

ان دونوں میں سے ہر ایک عنوان پر اپنی اپنی جگہ بحث کی جائے گی لیکن جیسا آگے چل کر معلوم ہو گا اس سال سے پہلے عہد میں تعلیم کسی ایک مقام پر محدود نہ تھی بلکہ مختلف قسم کے کثیر مقامات پر جاری تھی ' مثلاً کتب فروشوں کی دوکانوں پر ' محلات شاہی میں ' اور حتیٰ کہ بادیہ تک میں ' لیکن جب مدارس قائم ہوئے تو تمام تعلیمی سرگرمیاں وہاں مرکوز ہوگئیں اور مدرسین و طلباء کی ایک کثیر تعداد مدارس کی طرف رجوع ہو گئی - نتیجہ یہ ہوا کہ ان مختلف تعلیم گاھوں کی تعداد بے حد کم ہوگئی' اگرچہ ان میں سے کچھ باقی ضرور رہیں -

فصل اول

(۱) قیام مدارس سے قبل مقامات تعلیم

کتاب برائے تعلیم نوشت و خواند

اس قسم کے کتّاب اسلام سے قبل بھی بہت محدود تعداد میں موجود تھے - اس امر کی تحریری شہادت موجود ہے کہ سفیان بن امیہ اور ابوقیس بن عبد مناف مکہ کے سب سے پہلے افراد ھیں جنھوں نے لکھنا پڑھنا سیکھا تھا -[1] ان کا استاد ایک عسیائی بشر ابن

۱- '' فتوح البلدان '' (بلاذری) ' صفحہ ۴۵۷ -

Marfat.com

عبد الملک تھا جس نے یہ فن حیرہ میں سیکھا تھا ۔ جس شخص نے سب سے پہلے جزیرۃ العرب میں مدرسی کا پیشہ اختیار کیا وہ وادی القریٰ کا رہنے والا تھا اور اس نے وہیں چند شہریوں کو نوشت و خواند کی تعلیم دینی شروع کی تھی ۔[1] چنانچہ اس فن کے سیکھنے والوں کی تعداد آہستہ آہستہ بڑھتی گئی ۔ لہٰذا جب اسلام آیا تو قبیلہ قریش میں صرف سترہ افراد ایسے تھے جنھیں لکھنا پڑھنا آتا تھا ۔[2] نئے مذہبی اور سیاسی نظام کی ضروریات کے تحت لکھنے پڑھنے کی بے حد ہمت افزائی کی گئی[3] اور رفتہ رفتہ اس فن کی اہمیت کا احساس بر روئے کار لایا گیا اور نہایت خوبی سے اس کا اظہار کیا گیا ۔[4] اوائل اسلام کے وہ مسلمان جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے رسول اکرم صلعم کے کاتبان وحی مقرر کیے گئے اور نوشت و خواند سکھانے کا کام غیر مسلموں کے حصہ میں آیا اور عرصہ تک ان ہی کے ذمہ رہا ۔[5] غزوۂ بدر کے چند قیدیوں کو اس شرط پر رہائی ملی کہ بطور فدیہ مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں ۔[6]

وہ کتّاب جہاں نوشت و خواند کی تعلیم دی جاتی خاص طور پر مشرق میں تو اساتذہ کے مکانوں ھی پر قائم تھے اور ان دوسرے کتّاب سے بالکل الگ تھے جہاں قرآن مجید اور دینیات کی ابتدائی تعلیم کا انتظام تھا جس کے متعلق ھم آئندہ صفحات میں روشنی ڈالیں گے ۔ اکثر مصنفین ان دو قسم کے کتّاب میں کوئی امتیاز نہیں کرتے ۔ ان میں سے ھم پروفیسر حطی کو پیش کرتے ھیں ۔ وہ فرماتے ھیں " ابتدائی مدرسہ یعنی کتّاب کا نصاب قرآن پر مرکوز تھا جو بطور ٹکسٹ پڑھایا جاتا تھا ۔ پڑھنے کے ساتھ ساتھ لکھنے کی مشق بھی کی جاتی تھی ۔ پڑھنے اور خوش نویسی کے ساتھ طلباء کو صرف و نحو ، قصص الانبیاء ،

۱- " فتوح البلدان " (بلاذری) ، صفحہ ۴۵۷ ۔
۲- ایضاً ۔
۳- نوشت و خواند کو بہت اہمیت حاصل تھی ، خصوصاً الوالعزم لوگوں کے لیے جو نئے دور میں اعلیٰ عہدوں کے خواہش مند تھے ۔ نئے محکمے قائم ہو جانے سے بہت سی انتظامی اسامیاں قائم ہوئیں تو لکھے پڑھے آدمیوں کی ضرورت ہوئی ۔ جب "دیوان الخراج" میں مالیات کا ترجمہ عبدالملک اور اس کے بیٹے ولید کے عہد میں ہوا تو پڑھے لکھے لوگوں کے لیے اور اسامیاں نکلیں ۔ علاوہ ازیں اس فن کو زیادہ اہمیت اس وجہ سے بھی حاصل ہوئی کہ نابینا محدثین بوجہ لکھنا پڑھنا نہ جاننے کے ناقابل اعتماد سمجھے جانے لگے (" تہذیب الاسماء " ، از النووی ، صفحہ ۷۳) ۔
۴- جاحظ کا قول ہے : "یہ قلم ھی ہے جو ھم تک ماضی کا علم پہنچاتا ہے اور آنے والوں کے لیے زمانۂ حال کا علم محفوظ کر دیتا ہے ۔ قلم کی ' دیوان ' میں بھی اشد ضرورت ہے ' اور وہ بادشاہ کے لیے بھی بے حد ضروری ہے ۔ اسی کی مدد سے وہ مختلف صوبوں کی خبریں حاصل کرتا ہے اور پھر اسی کی مدد سے احکامات جاری کرتا ہے (" رسالۃ المعلمین " قلمی نسخہ) ۔
۵- " فتوح البدان " (بلاذری) ، صفحات ۱۲۷ ، ۴۵۹ ؛ Lammens ، صفحہ ۳۶۱ ۔
۶- " الکامل " (المبرد) ، رائٹ اڈیشن ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۷۱ ۔

Marfat.com

اور احادیث کی تعلیم دی جاتی تھی"۔[1] یہی نتیجہ ڈاکٹر احمد امین نے نکالا ہے جو کہتے ہیں : "بعض کتّاب میں نوشت و خواند اور قرآن مجید کی تعلیم ہوتی تھی اور بعض میں زبان وغیرہ بھی پڑھائی جاتی تھی"۔[2]

اس قسم کی اسناد موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اوائل اسلام میں ذمی اور غزوۂ بدر کے قیدی ان کتّاب میں مدرسی کا کام کرتے تھے ۔ ظاہر ہے کہ ان اساتذہ کو قرآن پاک اور دینیات سے کیا واسطہ ۔ زمانۂ مابعد سے متعلق ہم تین نامور اور مستند مصنفین سے واقف ہیں جو مختلف زمانوں میں موجود تھے ۔ ان پر ہم اس مسئلہ میں اعتماد کر سکتے ہیں :

(۱) ابن جبیر (۶۱۴ھ) فرماتے ہیں : "اکثر مقامات پر قرآن مجید کا استاد جدا ہے اور نوشت و خواند کا جدا ۔ قرآن شریف پڑھنے کے بعد طالب علم کو خوش نویسی کے لیے دوسری جگہ جانا پڑتا ہے اور اس کا خط اس لیے بہت اچھا ہوتا ہے کہ خوش نویسی کا استاد اور کچھ نہیں پڑھاتا" ۔[3]

(۲) ابن بطوطہ (۷۷۹ھ) بھی اسی بات کو ایسے ہی الفاظ میں بیان کرتے ہیں ۔ ان کا بیان ہے : "خوش نویسی کا استاد اور ہے اور قرآن مجید کا اور ۔ اول الذکر استاد خوش نویسی میں اشعار وغیرہ کا استعمال کرتا ہے لیکن بہ پاس ادب قرآن مجید کی آیات نہیں لکھواتا ۔ قرآن شریف پڑھ کر لڑکا خوش نویسی کے لیے دوسری جگہ جاتا ہے کیونکہ کتابت سکھانے والا استاد اور کچھ نہیں پڑھاتا"۔[4]

(۳) ابن خلدون (۸۰۸ھ) فرماتے ہیں : "خوش نویسی کی تعلیم قرآن شریف اور دینیات کے ساتھ نہیں ہوتی ۔ اس کے متعلق کوئی مذہبی فتویٰ ہے اور اس لیے نوشت و خواند سکھانے کے لیے مخصوص اساتذہ ہوتے ہیں، جس طرح دوسری دستکاریوں کے استاد ۔ نوشت و خواند کی تعلیم 'کتّاب الصبیان' میں نہیں ہوتی ۔ جسے یہ چیزیں سیکھنی ہوں تو وہ مخصوص اساتذہ سے سیکھتا ہے ۔"[5]

چنانچہ یہ سب سے پہلا ادارہ تھا جو ملک عرب میں قائم ہوا اور میرے خیال میں اس کے کام کی نوعیت یعنی "تکتیب" سے لفظ "کتّاب" یا "مکتب" مشتق ہوا ۔ اس لفظ کے مادہ کو دور مابعد میں بالکل بھلا دیا گیا ۔ چنانچہ المبرد جب "المکتب" کا ذکر ایک تعلیمی ادارے کی حیثیت سے کرتے ہیں تو ان کی نظر اس کے محدود معنی پر نہیں جاتی ۔ یہی لفظ دوسرے ادارے کے لیے بھی بولا جاتا تھا جہاں قرآن مجید اور ابتدائی دینیات کی تعلیم ہوتی تھی ۔ جو بچے ان دونوں اداروں میں تعلیم حاصل کرتے تھے وہ

۱- *The History of the Arabs*، صفحہ ۳۰۸ ۔
۲- "ضحی الاسلام" جلد ۲، صفحہ ۵۰ ۔
۳- "رحلہ" صفحہ ۲۷۲ ۔
۴- "تحفۃ النظار" جلد ۱، صفحہ ۲۱۳ ۔
۵- "المقدمہ" (ابن خلدون)، صفحہ ۳۹۸ ۔

Marfat.com

غیر ارادی طور پر دونوں کے لیے ایک ھی نام استعمال کرتے تھے۔ اب ھم دوسرے ادارے کے متعلق عرض کرتے ھیں ۔

کتّاب برائے تعلیم قرآن مجید و ابتدائی مضامین

گولڈ سیہر (Goldziher) اسلامی تعلیم پر اپنے مقالے میں اس قسم کے کتّاب کا وجود اوائل اسلام میں بتاتا ھے اور اپنے اس نظریہ کے ثبوت میں مندرجہ ذیل مثالیں دیتا ھے :

(۱) ام المؤمنین حضرت ام سلمہ نے ایک معلم کتّاب سے کہا کہ مدرسے سے کچھ بچے میرے پاس بھیج دو جو اون کے توسنے میں میری مدد کریں ۔

(۲) عمرو ابن میمون (م۷۷ھ) ایک ایسے اصول کی عبارت دیتا ھے جو صحابیٔ رسول صلعم حضرت سعد ابن ابی وقاص اپنے بچوں کو سکھایا کرتے تھے جیسے کہ اُستاد اپنے شاگردوں کو لکھنا سکھانے کے وقت بتایا کرتا ھے ۔

(۳) عمر اور ابو اسید ایک مرتبہ ایک کتّاب کے پاس سے گذرے اور تمام لڑکے ان کی طرف متوجہ ھو گئے ۔

(۴) بہت ابتدائی زمانے سے لوح کا استعال کیا جاتا ھے ۔ صحابیہ ام الدرداء ایک لوح پر کچھ نصیحت آموز جملے لکھتی ھیں اور ایک لڑکے کو سبق کے طور پر دیتی ھیں ۔[1]

گولڈ سیہر نے دونوں قسم کے کتّاب میں کوئی امتیاز نہیں کیا اور جہاں کہیں کتّاب کا ذکر ھے اسے یہ تصور کر لیا کہ ابتدائی عہد میں قرآن مجید اور ابتدائی دینیات کے کتّاب موجود تھے ۔ گولڈ سیہر کی مندرجہ بالا چاروں مثالوں میں ایک بھی مثال ایسی نہیں ھے جو کسی ایسے ادارے کا پتہ دیتی ھو جو اس وقت ھمارے زیر بحث ھے ۔ برخلاف اس کے ایک سے زاید ایسی مثالیں موجود ھیں جو صاف طور پر ظاھر کرتی ھیں کہ وہ کتّاب جس کا حوالہ دیا گیا ھے وہ صرف نوشت و خواند کے لیے مخصوص تھا ۔

ھمارا یہ مضمون جس کتّاب کے متعلق ھے اس کا نصاب قرآن مجید پر مبنی تھا ۔ لہٰذا قدرتی طور پر اس کا انحصار ان اساتذہ پر تھا جنھوں نے قرآن مجید حفظ کیا تھا ۔ اس کے نتیجہ میں ھم اس بات پر زور دیتے ھیں کہ اوائل اسلام میں کسی ایک شخص کے تمام قرآن مجید کو حفظ کرنے کا رواج بہت شاذ تھا ۔[2] اس آیت شریف کے تحت کہ ”کتاب انزلنه الیك مبارک لید بروآ آیته ولیتذکر اولوا الا لباب“ [یہ با برکت کتاب ھے جس کو ھم نے آپ پر اس واسطے نازل کیا ھے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تا کہ اھل فہم نصیحت حاصل کریں (سورۂ ص، آیت ۲۸) ۔ صحابہ کرام زیادہ توجہ قرآن مجید کے سمجھنے پر صرف کیا کرتے تھے ۔ روایت ھے کہ ان میں ھر شخص دس آیتیں یاد کرنے کے بعد

134727

۱- *Encyclopaedia of Religion and Ethics*، جلد ۵، صفحہ ۱۹۹ ۔

۲- ”احکام القرآن“ (ابن العربی)، جلد ۲، صفحہ ۲۹۱ ۔

Marfat.com

اس وقت تک آگے نہیں بڑھتا تھا جب تک ان کے معنی و مطالب پر حاوی نہ ہو جائے اور ان احکامات پر عمل نہ کر لے۔[1] چنانچہ حضرت ابن عمر رض نے سورہ بقر کے یاد کرنے میں آٹھ سال صرف کیے اور صحابیٔ رسول صعلم حضرت انس رض کے متعلق روایت ہے کہ وہ فرماتے تھے ''جو شخص ہم میں سے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھ سکتا تھا وہ بہت بڑا آدمی تصور کیا جاتا تھا۔[2]

مزید برآں ایک جگہ جمع کیا ہوا سارا قرآن مجید حضرت عثمان رض کے عہد سے قبل مختلف مقامات پر کہیں نہیں ملتا تھا۔[3]

اس وقت بھی جب کہ بہت سے صحابہ نے قرآن مجید حفظ کر لیا تھا وہ بچوں کی تعلیم سے بھی کہیں زیادہ اہم امور میں مصروف رہا کرتے تھے۔ ابن خلدون فرماتے ہیں: ''صحابہ کرام میں سے وہ حضرات جنھوں نے قرآن پاک اور اس کی حکمت کو سیکھ لیا تھا وہی اس کے مجاز تھے کہ فتوے جاری کریں اور ان ہی سے لوگ مذہبی مسائل سیکھتے تھے۔ ان حضرات کو القرّاء کہتے' تھے اور بعد میں جب زیادہ لوگوں نے قرآن کی تعلیمات کو حاصل کر لیا اور فقہ کی تدوین ہوئی تو یہ حضرات فقیہ یا عالم دین کے لقب سے پکارے جانے لگے۔[4] اب ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس قسم کے کتّاب اوائل عہد اسلام میں موجود نہ تھے۔[5] اس دوران میں شاذ و نادر ہی بچوں کو حلقہ میں شریک

۱- ''الاتقان فی علوم القرآن'' (السیوطی)' جلد ۲' صفحہ ۲۰۸ -

۲- ''المسند'' (احمد ابن حبنل)' جلد ۳' صفحہ ۱۲۰ -

۳- *The Life of Mahomet* (Muir) ، صفحہ ۵۵۷ -

۴- ''المقدمہ'' (ابن خلدون)' صفحہ ۳۱۳ -

۵- اس قسم کے کتّاب کے قیام کا زمانہ متعین کرنے کے لیے ہم نے یہ رائے قائم کی ہے کہ محلات شاہی میں ابتدائی تعلیم کے انتظام کی ترقی یافتہ شکل یہ عوامی کتّاب تھے۔ اس لیے حجاج کا کارنامہ ایک انقلابی حیثیت رکھتا ہے جہاں تک ہمیں علم ہے حجاج کا نام بہ حیثیت معلم کتّاب کہیں نہیں ملتا جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہوں کہ اس دور میں اس قسم کے کتّاب موجود نہ تھے۔ حجاج ہمیشہ معلم صبیان کے نام سے پکارا جاتا تھا جو ایک حد تک تصور اتالیق کا وسیع استعمال ہے۔ ''اثر البلاد'' صفحہ ۶۵، میں قزوینی اس مسئلہ پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حجاج نے اپنی زندگی بہ حیثیت مدرس مدرسہ وشقیت میں شروع کی۔ یہ مدرسہ عبدالملک بن مروان کے وزیر سلیمان بن نعیم نے قائم کیا تھا۔ وزیر مذکور نے حجاج کو دربار میں کوئی ملازمت دے دی تھی اور یہی حجاج کی شہرت کی پہلی سیڑھی تھی (وشقیت فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں بیٹے اور ملازمین)۔ مزید براں تین ہزار شاگردوں کی حیرت انگز کثیر تعداد سے جو ابوالقاسم بلخی (متوفی ۱۰۵ھ) کے کتّاب میں شریک ہوتے تھے یہ گمان ہوتا ہے کہ اس قسم کے کتّاب حال ہی میں قائم ہوئے تھے اور چونکہ اس قسم کی درس گاہوں کی کمی تھی اسی لیے بلخی کے کتّاب میں طلباء کا اس قدر ازدھام تھا۔

Marfat.com

کرکے تعلیم دی جاتی تھی جیسا کہ علی بن ابی طالب اور عبد اللہ بن عباس نے تعلیم حاصل کی ۔ اکثر ایسا ھوتا تھا کہ یا تو گھر پر اتالیق پڑھاتے تھے یا بچے اپنے باپ سے پڑھا کرتے تھے ۔ یہ بات بھی قابل غور ھے کہ ابتدائی دور میں بچوں کی تعلیم و تربیت سے متعلق مشورے اور نصائح جو ھمیں ملتے ھیں وہ اساتذہ کے لیے نہیں ھیں بلکہ والدین کے لیے ھیں اور بعض اوقات پرائیویٹ اتالیق کے لیے ھیں ۔ دور مابعد میں البتہ ابتدائی مدارس کے اساتذہ کے لیے مشورے ملتے ھیں ۔ ان مشوروں اور ھدایات کا تذکرہ آئندہ صفحات میں آئے گا ۔

اس قسم کے کتّاب کہاں قائم کیے جاتے تھے، سو اس کے متعلق یہ ھدایت کی جاتی تھی کہ بچوں کو مساجد میں تعلیم نہ دی جائے کیونکہ وہ مساجد میں سکون و خاموشی اور صفائی نہ رکھ سکیں گے "[1] لیکن اکثر و بیشتر اس ھدایت پر عمل نہیں کیا جاتا تھا ۔ اس بات کی شہادت موجود ھے کہ ابتدائی مدارس یا تو مساجد میں قائم کیے جاتے تھے یا کسی عمارت میں جو مسجد سے ملحق ھوتی تھی یا ذاتی مکانات میں ۔ علاوہ ان متعدد کتّاب کے جو مساجد میں تھے ھمیں اور بھی خود کفیل کتّاب ملتے ھیں جو ادھر آدھر پھیلے ھوئے تھے ۔[2] امام شافعی فرماتے ھیں : "میری ماں نے مجھے کتّاب میں داخل کر دیا اور جب میں نے قرآن مجید حفظ کر لیا تو میرا داخلہ مسجد میں ھوا ۔"[3] ایک نہایت مشہور خود کفیل کتّاب جس کا ذکر حاشیہ پر ھو چکا ھے کوفہ میں ابوالقاسم بلخی (متوفی ۱۰۵ھ) نے قائم کیا تھا جہاں تین ھزار طلباء تھے اور جن کی دیکھ بھال کے لیے انھیں ادھر آدھر اپنے خچر پر سوار ھو کر چکر لگانا پڑتا تھا ۔[4] ایک اور بلخی جن کا نام احمد ابن سہل (متوفی ۳۲۲ھ) ھے بچوں کو پڑھایا کرتے تھے اور اپنے علم اور دانائی کے باعث اعلیٰ مدارج پر پہنچ گئے تھے ۔[5] اسلامی دنیا میں کتّاب اور معلمین کی تعداد بڑی تیزی سے اور کثرت کے ساتھ بڑھنے لگی یہاں تک کہ قریب قریب ھر گاؤں میں ایک کتّاب قائم ھو گیا ۔ مثال کے طور پر جب ابن حوقل نے صقلیہ کی سیاحت کی تو صرف پلرمو میں اس نے ابتدائی تعلیم کے کم و بیش تین سو مدرسین کا شمار کیا ۔[6]

۱- ابن عبدون محمد التجیبی ("جرنل ایشاٹک"، ۱۹۳۴، صفحہ ۲۱۴ - دیگر ملاحظہ ھو "نہایت الرتبہ فی طلب الحسبہ" از الشیزری صفحہ ۱۰۳ اور "معالم القربہ" از قرشی، صفحہ ۱۷۰ -

۲- ابن بطوطہ، ابن جبیر، ابن حوقل، صفحہ ۱۲۱، ۱۲۷ -

۳- "جامع بیان العلم" از عبدالبر، جلد ۱، صفحہ ۹۸ -

۴- "معجم الادباء" (یاقوت)، جلد ۴، صفحہ ۲۷۲ -

۵- ایضاً جلد ۱، صفحہ ۱۴۱، ۱۵۲ -

۶- "کتاب صورت الارض"، (ابن حوقل)، جلد ۱، صفحہ ۱۲۶ - یہ تین سو معلم تین سو سے کم کتّاب میں درس دیتے تھے - ابن حوقل کا بیان ھے کہ انھوں نے ایک کتّاب میں پانچ مدرس دیکھے اور ایسا ھی دیگر مدارس کا حال ھوگا - لہٰذا ارنسٹ دیز (Ernst Diez) نے "انسائکلوپیڈیا آف اسلام" میں عنوان مسجد کے تحت اپنے مضمون میں لکھا ھے کہ ابن حوقل نے پلرمو میں تین سو کتّاب شمار کیے - اس کی تصحیح ھونی چاھیے -

Marfat.com

حضرت عمر رض ابن الخطاب نے جو نصاب تعلیم تجویز کرکے اسلامی ممالک میں بھیجا تھا وہ یہ تھا : ” اپنے بچوں کو تیراکی ، شہسواری ، مشہور ضرب الامثال اور اچھے اشعار سکھاؤ“ ۔[۱] ایک اور نصاب تعلیم جو ابن توئم سے منسوب کیا جاتا ہے یہ ہے : ” اپنے بیٹوں سے متعلق اپنا فرض ادا کرنے کے لیے باپ کو چاہیے کہ وہ انہیں کتابت اور حساب اور تیرنا سکھائے ۔“[۲] جب حفاظ قرآن پاک نے بچوں کی تعلیم اپنے ذمہ لے لی تو قرآن مجید ہی ابتدائی تعلیم کا مرکز بن گیا ۔ حفظ قرآن کو اولیتؑ حاصل ہوگئی ۔ اس کے بعد دینیات کی تعلیم کا نمبر آیا[۳] جو اب تک والدین کے سپرد تھی ۔ کچھ نظمیں (بہ استثنائے عشقیہ اشعار)“[٤] ابتدائی صرف و نحو اور حساب پر ابتدائی تعلیم کا نصاب ختم ہو جاتا تھا ۔ ” انسائکلوپیڈیا آف اسلام “ میں یہ مضمون قابل قبول نہیں کہ ” بچوں کے مکاتب میں جو خاص مضمون پڑھایا جاتا تھا وہ ادب تھا اور اسی لیے بچوں کے مدارس کو ’ مجالس الادب ‘ کہتے تھے ۔“[۵] اس بیان کے ثبوت میں جو حوالہ دیا گیا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے ۔[٦] پس میرے خیال میں ماخذ کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے ۔

نصاب تعلیم کی عمومی کیفیت یہی تھی جو بیان کی گئی ، لیکن مقامی لحاظ سے تبدیلیاں بھی ہوتی تھیں ۔ اس کی مثال ابن خلدون نے ایک باب میں دی ہے جس کا عنوان ہے ” بچوں کی تعلیم کے مختلف طریقے “۔ اس کا خلاصہ یہ ہے : ” بچوں کی تعلیم کی ابتدا قرآن مجید سے کی جاتی تھی تا کہ شروع ہی سے مذہب کی طرف ذہن کی توجہ رہے اور اس مسئلہ میں تمام اسلامی ممالک متفق تھے ، لیکن المغرب میں صرف قرآن مجید ہی بچوں کو پڑھایا جاتا ہے جب تک وہ اس پر پوری طرح عبور نہ حاصل کر لیں ۔ اندلس میں اور مشرق میں اشعار ، صرف و نحو اور خوش نویسی بھی اسی عمر میں سیکھنا لازمی ہیں لیکن اندلس میں خوش نویسی سب سے اہم مضمون تصور کیا جاتا ہے ۔ افریقہ میں بھی یہی مضامین پڑھائے جاتے ہیں لیکن قرآن مجید پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی ہے ۔“[۷] لڑکیوں کو سورۂ نور خاص طور پر پڑھائی جاتی تھی ۔[۸]

اب ہم اس حصہ کو ان ممتاز حضرات کے اسمائے گرامی پر ختم کرتے ہیں جو قرون اولیٰ میں بام شہرت پر پہنچنے سے پہلے معلم کتّاب تھے : (۱) الحجاج ابن یوسف ثقفی متوفی ۹۵ھ ۔ (۲) الضحاک ابن مزاحم متوفی ۱۰۵ھ ۔ (۳) الکمیت ابن زید متوفی ۱۲٦ھ ۔

۱- ”البیان“ (جاحظ) ، جلد ۲ ، صفحہ ۹۲ ۔
۲- ایضاً ۔
۳- ” الاحیاء العلوم “ (غزالی) ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۷ ۔
۴- ” تہذیب الاخلاق “ (ابن مسکویہ) ، صفحہ ۲۰ ۔
۵- ” انسائکلوپیڈیا آف اسلام “ جلد ۳ ، صفحہ ۳٦۰ ۔
٦- ” الاغانی “ جلد ۱۸ ، صفحہ ۱۰۱ ۔
۷- ” المقدمہ “ (ابن خلدون) ، صفحہ ۳۹۷ تا ۳۹۹ ۔
۸- ” البیان “ (جاحظ) ، جلد ۲ ، صفحہ ۹۲ ۔

Marfat.com

محلات میں ابتدائی تعلیم[1]

تمام اسلامی دنیا میں اس بات پر پورا پورا عمل درآمد تھا کہ طالب علم کی آئندہ زندگی میں اس کے ذریعۂ معاش کو ذہن میں رکھتے ہوئے نصاب میں تبدیلی ہوتی رہنی چاہیے۔[2] چنانچہ ایک خاص قسم کی ابتدائی تعلیم محلات شاہی میں اور امراء کی حویلیوں میں رائج تھی۔ اس لیے یہ حصہ ہمارے مضمون کے آخری حصہ سے بہت زیادہ ملتا جلتا ہے، کیونکہ دونوں کا تعلق بچوں ہی کی تعلیم و تربیت سے ہے؛ فرق صرف نصاب میں تھا۔ شاہی محل میں نصاب بچہ کے باپ کی مرضی کے مطابق ترتیب دیا جاتا تھا۔ علاوہ بریں اس طبقہ کے طلباء ابتدائی تعلیم کے بعد اعلیٰ تعلیم بھی محل ہی میں حاصل کرتے تھے۔ یہاں جو استاد ہوتا اسے "مؤدّب" کہا جاتا تھا۔ لفظ مؤدّب "ادب" سے مشتق ہے جس لفظ میں اخلاقی اور ذہنی صفات شامل ہیں اور چونکہ مؤدّب کا یہ کام تھا کہ ان دونوں صلاحیتوں کو اجاگر کرے اس لیے اسے مؤدّب کہتے تھے۔[3]

اس قسم کی تعلیم جو ہم نے اوپر بیان کی محلات شاہی میں ہوا کرتی تھی، اور بعض حالات میں مؤدّب محل کے ایک حصہ میں اپنے شاگرد کے ساتھ ہی رہا کرتا تھا تاکہ تربیت پر پوری توجہ دے سکے۔ جب احمد بن یحییٰ ثعلب کو طاہر ابن محمد عبد اللہ ابن طاہر کا اتالیق مقرر کیا گیا تو اس کے لیے محل ہی میں قیام کا انتظام کیا گیا اور وہ اپنے شاگرد ہی کے ساتھ کھانا کھایا کرتا تھا۔[4] کبھی اتالیق کا مکان محل سے باہر بھی ہوا کرتا تھا۔ اس صورت میں عموماً خلیفہ کا دستور یہ تھا کہ جس کمرہ میں استاد پہلے دن شاگرد کی تعلیم شروع کرتا تھا اس کا سارا ساز و سامان استاد کو نذر کر دیا جاتا تھا۔[5] جب امین کے استاد احمر کے لیے تمام ساز و سامان منتقل کرنے کے احکامات صادر ہوئے تو احمر نے کہا کہ میرے پاس تو اس ساز و سامان کے لائق مکان بھی نہیں ہے، لہٰذا ہارون رشید نے اس کے لیے فوراً ایک مکان خرید کر نذر کر دیا اور اسے تمام ساز و سامان سے آراستہ کر دیا گیا۔[6]

اگرچہ مضامین ہر حالت میں یکساں ہی تھے لیکن باپ کی ہدایت کے مطابق ان میں ترمیم و تنسیخ ہوتی رہتی تھی۔ مندرجہ مثالوں سے فرق بھی معلوم ہو جائے گا اور یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ ان طلباء کو کس مقصد کے تحت تعلیم دی جاتی تھی۔

۱- محلات میں دو قسم کی تعلیم ہوا کرتی تھی: ایک تو یہی اور دوسری وہ جس کا ذکر "ادبی نشستوں" کے تحت آئے گا۔

۲- "العقد الفرید" (ابن عبد ربہ)، جلد ۱، صفحہ ۲۶۳؛ "محاضر الادباء" (الاصفہانی)، جلد ۱، صفحہ ۲۱۔

۳- "رسالۃ المعلمین" (جاحظ)، غیر مطبوعہ ۱۱ ب۔

۴- "معجم الادباء" (یاقوت)، اڈیشن فرید رواعی، جلد ۵، صفحہ ۱۲۵ تا ۱۲۶۔

۵- ایضاً، اڈیشن مارگولیتھ، جلد ۵، صفحہ ۱۱۰۔

۶- ایضاً۔

Marfat.com

(۱) عمرو ابن عتبہ نے اپنے لڑکوں کے اتالیق کو یہ ہدایات دی تھیں : '' میرے بچوں کی تعلیم شروع کرنے سے پہلے آپ کو اپنے اخلاق و عادات درست کرنے چاہییں ۔ میرے لڑکے آپ سے اثر لیں گے اور وہی کام کریں گے جو آپ کریں گے اور اس کام سے نفرت کریں گے جسے آپ نہ کریں گے ۔ انھیں قرآن مجید پڑھائیے لیکن اس طرح نہیں کہ وہ اس سے اکتا جائیں ۔ احادیث میں سے موزوں مناسب احادیث پڑھائیے اور علاوہ اس کے شستہ و پاکیزہ اشعار ان کے سامنے خوش الحانی سے پڑھیے ۔ جب تک وہ ایک مضمون کو خوب ذہن نشین نہ کرلیں دوسرا شروع نہ کیجیے۔ عقلاء اور دانش مندوں کے اوصاف انھیں سکھائیے اور عورتوں کی بات چیت سے انھیں دور ہی رکھیے ۔''[1]

(۲) ہشام بن عبدالملک کے متعلق روایت ہے کہ اس نے اپنے لڑکے کے اتالیق سے کہا : '' پہلے اسے قرآن مجید پڑھائیے ، بعد ازاں نظم اور خطبات عالیہ ، نیکی بدی کا فرق ، مشہور لڑائیوں کے حالات اور آخر میں فن مکالمہ ۔''[2]

(۳) سب سے زیادہ دل نشین ہدایات ہارون رشید نے امین کے اتالیق احمر کو دی تھیں ۔ اس نے کہا : '' احمر ! میں نے اپنا بچہ جو میرا ہی خون اور میرا صلب ہے تیرے سپرد کر دیا ہے اور تجھے اس پر اختیار و اقتدار دے دیا ہے ۔ لہٰذا تجھے چاہیے کہ اپنے مرتبہ کے شایان شان اپنی قابلیت کا ثبوت دے ۔ امین کو قرآن مجید ، احادیث ، نظم پڑھاؤ اور خطابت و فصاحت کی قدر شناسی سکھاؤ ۔ اسے ہدایت کرو کہ موقع و بے موقع نہ ہنسا کرے ۔ ہاشمی خاندان کے شیوخ کی قدر و منزلت کرنے کی عادات پیدا کرو اور اگر سپہ سالاران افواج اس کی مجلس میں آئیں تو انھیں مناسب جگہ بٹھائے ۔ کوئی وقت ایسا نہ گذرے کہ اسے کوئی نہ کوئی مفید سبق نہ ملے ، لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ وہ آزردہ خاطر ہو جائے ۔ اس پر حد سے زیادہ شفقت بھی نہ کرنا ورنہ وہ کاہل ہو جائے گا ۔ اس کی اصلاح نرمی سے کی جائے لیکن اگر اس سے کام نہ چلے تو تمھیں سختی کرنے کا بھی اختیار حاصل ہے ۔''[3]

فاطمیوں نے اس معاملہ میں اس سے بھی آگے قدم بڑھایا اور محلات کے لیے ایک خاص نصاب تیار کرایا ۔ ان کے عہد میں محل شاہی میں ایک مدرسہ تھا جہاں امراء کے لڑکے اس مقصد کے لیے تعلیم پاتے تھے کہ خلفاء کی ملازمت کے قابل ہو جائیں ۔[4]

معلم کا عہدہ بہت جاذب و دلکش تھا اور اس سے بہت شہرت و ناموری حاصل ہوتی تھی ، لیکن تارک الدنیا قسم کے علماء کبھی اس کی آرزو نہ کرتے تھے ۔ جب سلیمان بن علی نے خلیل بن احمد کو اس غرض سے طلب کیا کہ وہ اس کے لڑکوں کے اتالیق بن جائیں تو خلیل اس قاصد سے ملنے کے بعد گھر میں گئے اور تھوڑی دیر میں کچھ

۱- '' العقد الفرید '' (ابن عبد ربہ) ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۶۳ ۔
۲- '' محاضرات الادباء '' (الاصفہانی) ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۹ ۔
۳- '' المقدمہ '' (ابن خلدون) ، صفحہ ۳۹۹ ؛ '' المحاسن و المساوہ '' (بیہقی) ، صفحہ ۶۱۷ ۔
۴- '' الخطط '' (المقریزی) ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۴۳ تا ۴۴۴ ۔

Marfat.com

باسی روٹی لے کر باہر آئے اور اس قاصد سے درخواست کی اس روٹی سے کوئی نوالہ نوش فرمائے اور یہ کہا کہ میرے پاس آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے سوائے اس روٹی کے اور کچھ نہیں ہے اور جب تک مجھے یہ روٹی ملتی ہے مجھے کسی کی ملازمت کی ضرورت نہیں ہے -[۱] مزید براں ہم نے ایسے علماء کے حالات بھی پڑھے ہیں جنھوں نے نہ صرف اس قسم کے عہدے قبول کرنے سے انکار کر دیا بلکہ شہزادوں کو مخصوص طور پر الگ سبق لینے کے لیے اپنے گھر آنے سے بھی منع کر دیا - ایسے علماء میں سے ایک عبداللہ بن ادریس تھے - جب ہارون رشید نے ان سے درخواست کی کہ مامون کو حدیث کا درس دیں تو انھوں نے فرمایا کہ اگر مامون حاضرین درس میں شریک ہوگا تو وہ بھی تقریر سنے گا -[۲]

مجھے یقین واثق ہے کہ یہ خدمت علم کی اور تعلیم عوام کی ان تھک اور مسلسل خواہش ہی تھی کہ جس نے ان بزرگوں کو اس امر سے باز رکھا کہ صرف ایک ہی شاگرد کی تعلیم پر اپنی قوت صرف کر دیں -

کتب فروشی کی دکانیں

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتب فروشی کی دکانوں نے عربوں کے پرانے میلوں عکاظ ، مجنّہ اور ذی المجاز کی جگہ لے لی تھی - زمانۂ جاہلیت میں عرب ان میلوں میں تجارتی مقاصد کے لیے جمع ہوا کرتے تھے اور اس اجتماع سے یہ فائدہ بھی اٹھاتے تھے کہ ادبی تقاریر و مباحثے بھی منعقد کیا کرتے تھے-[۳] ان دونوں اداروں میں معمولی تفاوت تھا لیکن جس طرح میلوں میں سالانہ اجتماع ہوتا تھا ان دکانوں پر روزانہ جلسے ہوا کرتے تھے-

ان کتاب خانوں کا وجود پہلے دور عباسیہ میں ہوا اور پھر تمام اسلامی دنیا میں کثرت سے کتابوں کی دکانیں پھیل گئیں - بغداد کا تذکرہ کرتے ہوئے یعقوبی نے صرف محلہ وضّاحسئہ میں سو سے زائد کتاب خانوں کا ذکر کیا ہے -[۴] مصر کے متعلق ہم ابن زولاق کی کتاب میں دیکھتے ہیں کہ تولونیوں اور اخشدیوں کے عہد میں الورّاقین کے لیے ایک الگ بازار تھا جہاں کتابیں برائے فروخت رکھی جاتی تھیں اور ان دکانوں میں اکثر مناظرے ہوا کرتے تھے -[۵] مقریزی نے بھی جگہ جگہ "الخطط" میں ان بازاروں کا ذکر کیا ہے -[۶]

۱- "طبقات الادباء" (ابن الانباری) ، صفحہ ۵۷ -
۲- "تذکرۃ السامع و المتکلم" (ابن جماعہ) ، صفحہ ۲۱۱ -
۳- ابو الفداء ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۵۰ -
۴- "البلدان" (یعقوبی) ، صفحہ ۱۷ -
۵- "اخبار سبویہ المصری" (ابن زولاق) ، صفحہ ۳۳ ، ۴۴ غیر مطبوعہ ؛ "تاریخ تیمور" (مصر) -
۶- جلد ۱ ، صفحہ ۳۶۱ ؛ جلد ۲ ، صفحہ ۹۶ تا ۱۰۲ -

Marfat.com

کتب فروش صرف تاجر ھی نہیں ہوتے تھے بلکہ عموماً وہ صاحب علم حضرات ہوا کرتے تھے ۔ اس قسم کے کثیر تعداد حضرات میں صرف معدودے چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ھے ۔ مثلاً ابن الندیم (متوفی ۳۸۵ھ) جو مشہور کتاب "الفہرست" کے مولف ھیں ۔[۱] یاقوت (متوفی ۶۲۶ھ) جو "معجم الادباء" اور "معجم البلدان" کے مصنف ھیں ۔[۲] ان کتابوں میں بہت کچھ عربی ادب محفوظ ھو گیا ھے ۔ اور علی بن عیسیٰ جو ابن کوجک کے نام سے مشہور تھے ۔ ان کی وفات الحاکم کے عہد میں ہوئی اور وہ متعدد کتابوں کے مصنف ھیں ۔[۳]

اس عہد میں کتب فروش محض دکاندار ھی نہ تھے بلکہ ان کا نہایت اھم کام ذہنی و دماغی خدمت تھا ۔ یہی وہ لوگ تھے جو بہترین کتابوں کی نقلیں تیار کرتے تھے اور عوام کے ھاتھہ اوسطاً ایک دینار میں فروخت کر دیا کرتے تھے ۔[۴] ان ھی دکانوں میں جاحظ جیسا انسان اس بات کا معاوضہ ادا کرتا تھا کہ اسے رات بھر کے لیے دکان میں بند کر دیا جائے تاکہ وہ جو چاھے پڑھے اور جو چاھے نقل کر لے ۔[۵] بہر حال جس بات سے ھمیں دلچسپی ھے وہ یہ ھے کہ ھم ذرا تفصیل سے یہ بتائیں کہ یہ کتاب خانے عام طور پر طلباء اور علماء کے لیے اجتماع کے مقامات تھے ۔ اس بات کے ثبوت میں بہت سی مثالیں ھیں جن میں سے ھم معدودے چند پیش کرتے ھیں :

(۱) یاقوت نے خارجیوں کے متعلق بہت مطالعہ کرنے کے بعد ان کے نظریہ سے اتفاق کر لیا تھا اور دمشق کے سوق الوراقین میں بیٹھا رہتا تھا اور شیعہ حضرات سے ان کے عقاید پر بحث کیا کرتا تھا ۔[۶]

(۲) روایت ھے کہ ابوالفرج الاصفہانی کتابوں کی ایک دکان پر بیٹھا ھوا تھا کہ اس نے ابوالفتح الجزّار کو الصولی کی ایک نظم پڑھتے ہوئے سنا ۔ جب ابوالفتح ایک خاص شعر پر پہنچا تو اس نے اسے روک دیا اور اسی شعر کو بار بار پڑھوایا اور اس کی تعریف کرتا رہا ۔ پھر ابوالفرج نے الجزّار کے ذوق سلیم کو جانچنے کے لیے کسی کے ذریعے اس سے دریافت کرایا کہ اس شعر میں خاص خوبی کیا ھے ' لیکن الجزّار کی رائے سے

۱۔ یاقوت ، جلد ۶ ، صفحہ ۳۰۸ ۔
۲۔ "وفیات الاعیان" (ابن خلکان) ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۱۱ تا ۳۱۲ ۔
۳۔ "معجم الادباء" (یاقوت) ، جلد ۵ ، صفحہ ۱۷۹ ۔ آج بھی اس قسم کے کتب فروش قاھرہ میں ملتے ھیں ۔ حسن السندوبی ایک کتب فروش شیخ عبدالغنی کے متعلق بتاتے ھیں کہ ان کا علم بہت وسیع تھا اور متعدد سائنٹفک اور ادبی مسائل پر مجھ سے بحث کیا کرتے تھے اور مجھے بہت سی مفید کتابیں مطالعہ کے لیے دیا کرتے تھے ، ان سے بہت فائدہ حاصل ھوا (دیباچہ "مقابسات" از ابوحیان ، صفحہ ۳) ۔
۴۔ *A Short History of the Saracens* ، صفحہ ۳۶۰ ۔
۵۔ "معجم الادباء" (یاقوت) ، جلد ۶ ، صفحہ ۵۶ ؛ "الفہرست" صفحہ ۱۶۹ ۔
۶۔ "وفیات الاعیان" (ابن خلکان) ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۱۱ تا ۳۱۲ ۔

Marfat.com

الاصفہانی نے اختلاف کیا اور اس بنیاد پر بحث چل پڑی ۔[۱]

(۳) ابن الجوزی بغداد کے سوق الوراقین کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ بہت بڑا بازار ہے اور وہاں شعراء اور علماء جمع ہوا کرتے تھے ۔[۲]

(۴) المقریزی قاہرہ کے سوق الوراقین کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ شائقین علم کی بڑی دل پسند جگہ تھی جہاں اکثر طلباء اور اہل علم جمع ہوا کرتے تھے ۔[۳]

یہ دکانیں نہ صرف کتب فروشوں کے عقل و دانش پر اثر انداز ہوتی تھیں بلکہ اکثر ان کے اہل خاندان پر بھی ان کا اثر پڑتا تھا ۔ غرناطہ کے نواح میں وادی الحما میں ایک کتب فروش زید رہا کرتا تھا ۔ اس کی لڑکیاں زینب اور حمدہ دونوں نہایت اعلیٰ درجہ کی شاعرہ تھیں اور علم و دانش کے تمام شعبوں میں مہارت تامہ رکھتی تھیں ۔[۴]

ان کتاب خانوں کے علاوہ دوسری قسم کی دکانوں پر بھی ادبی مطالعہ کا شغل رہا کرتا تھا ۔ ابوالعتاہیہ مٹی کے برتنوں کے ایک معمولی دکاندار تھے ۔ ان کی دکان پر ادب کے شیدائی نوجوان جمع ہوا کرتے تھے اور وہ انہیں اپنا کلام سنایا کرتے تھے ۔[۵] دینیات کے عالم ابوبکر الصبغی کے رنگ کے کارخانے میں علماء اور محدثین کا جمگھٹ رہا کرتا تھا ۔ کارخانے کے سامنے میدان میں ابو عبد اللہ بن یعقوب مجمع حاضرین کے سامنے تقریر کیا کرتے تھے ۔ ایک طالب علم کا واقعہ پڑھا ہے کہ اس نے حصول علم کے لیے بغداد کا سفر کیا اور ایک خاص معیار علمی پر پہنچ کر وطن لوٹنے کے ارادہ سے سواری کے لیے جانور کرایہ پر لیا ۔ سائیس اشیائے سفر کی خریداری کے لیے ایک دکان پر گیا اور یہ طالب علم اس کے انتظار میں کھڑا رہا ۔ اسی اثنا میں دو دکانداروں کے درمیان ایک بصیرت افروز ادبی مباحثہ چھڑ گیا ۔ طالب علم اس سے ایسا متاثر ہوا کہ اس نے وطن لوٹنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور کہا کہ " ایک ایسے شہر کو جو تہذیب و ثقافت کے اس اعلیٰ درجہ پر پہنچ گیا ہو چھوڑنا زیبا نہیں ہے ۔"[۶]

علماء کی قیام گاہیں

علماء کی تعلیم کے لیے گھر کی چار دیواری مناسب تصور نہیں کی جاتی تھی ، کیونکہ گھر کے اندر حلقۂ درس قائم کرنے سے نہ تو صاحب خانہ کو آرام ملتا تھا اور نہ طلباء کے لیے کوئی سہولت تھی ۔ اس بات کی تصدیق قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے :
" یا ایھاالذین آمنوا لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یوذن لکم الی طعام غیر ناظرین انه ولکن اذا دعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولامستانسین لحدیث ان ذالکم کان یؤذی

۱- " معجم الادباء " (یاقوت) ، جلد ۵ ، صفحہ ۱۵۷ تا ۱۵۸ -
۲- " مناقب بغداد " (ابن الجوزی) ، صفحہ ۲۶ -
۳- " الخطط " (المقریزی) ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۰۲ -
۴- *A Short History of the Saracens* ، صفحہ ۵۶۹ -
۵- " الاغانی " جلد ۳ ، صفحہ ۱۲۹ -
۶- " الالف باء الالباء " (ابوالحاج) ، غیر مطبوعہ ، صفحہ ۱۴۷ الف -

Marfat.com

النبی فیستحی منکم واللہ لا یستحی من الحق" (الاحزاب ۵۳) [اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں (بے بلائے) مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جائے، ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو - لیکن جب تم کو بلایا جائے (کہ کھانا تیار ہے) تب جایا کرو - پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو - اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے - سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف صاف بات کہنے سے کسی کا لحاظ نہیں کرتا] -

اسی خیال کو العبدری نے اس طرح دھرایا ہے: " عوام کی تعلیم کے لیے بہترین جگہ مسجد ہے - اس کا دروازہ ہر اس شخص کے لیے کھلا رہتا ہے جو درس میں شریک ہونا چاہے - لیکن ذاتی مکان کی یہ صورت نہیں - وہاں تعلیم اسی وقت ہو سکتی ہے جب اشد ضرورت ہو' اور وہ بھی صاحب خانہ کی اجازت سے ، اور پھر یہ کہ جو لوگ اس مکان میں داخل ہوں انہیں خاموش رہنا اور آداب خانہ کو ملحوظ رکھنا لازمی ہوتا ہے -[۲]

لیکن پھر بھی بعض حالات کے تحت ذاتی مکانوں میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا تھا - مساجد سے پہلے اسلامی تعلیم مکانوں ہی پر ہوتی تھی - اوائل اسلام میں حضرت ارقم رض کا مکان مذہبی تعلیم و تبلیغ کے لیے منتخب کیا گیا تھا اور وہیں سے رسول اکرم صلعم دین کی تبلیغ کیا کرتے تھے اور بہت سے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے تھے -[۳]

رسول اکرم صلعم کے مکانات میں بھی اس وقت تک تعلیم جاری رہی جب تک کہ وہ قیود نازل نہ ہوئیں جن کا مندرجہ بالا آیت میں ذکر ہے - یہ آیت مدینہ میں مساجد قائم ہو جانے کے بعد نازل ہوئی -

مساجد کے قائم ہو جانے کے بعد بھی بہت سے ذاتی مکان مسلم تعلیم کا مرکز بنے رہے - مشہور زمانہ عالم ابی سینا شمس الدولہ کے عہد میں دن بھر تو اپنے فرائض منصبی میں مصروف رہا کرتا تھا ، لیکن شام اور رات کے اوقات مطالعہ اور ترقی و ترویج علم میں صرف ہوا کرتے تھے - اس کے مکان پر کثیر تعداد میں لوگ جمع ہو جایا کرتے تھے اور وہ " الشفاء" یا " القانون" کا درس انہیں دیا کرتا تھا -[۴]

ابو سلیمان السجستانی محمد بن طاہر بن بہرام جن کی وفات چوتھی صدی کے اختتام سے کچھ ہی پہلے ہوئی تھی خود جذامی اور یک چشم تھے ، اس لیے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا ، لیکن ان کے مکان پر طلباء اور علماء کا مجمع رہا کرتا تھا اور علم کے پیاسے ان کا درس سننے آیا کرتے تھے -[۵] القفطی نے ابوالحسن المنجم کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ وہ ابو سلیمان

۱- " المدخل " (العبدری) ، جلد ۲ ، صفحہ ۹۷ -
۲- ایضاً ، جلد ۱ ، صفحہ ۸۵ -
۳- " تاریخ الامم و الملوک " (طبری) ، سلسلہ ۳ ، صفحہ ۲۳۳۵ -
۴- القفطی ، صفحہ ۴۰۲ ؛ ابن ابی اصیبعہ ، جلد ۲ ، صفحہ ۴ -
۵- " اخبار الحکماء " (القفطی) ، صفحہ ۲۸۲ ، ۲۸۳ -

Marfat.com

کے دوست تھے اور اکثر ان کے گھر جایا کرتے تھے جہاں مخصوص صاحب علم حضرات جمع ہوا کرتے تھے اور مختلف مسائل پر ابو سلیمان کی نگرانی میں بحث و مباحثہ ہوا کرتا تھا ۔[1] ابوالحسن کے علاوہ ان جلسوں میں عموماً ابو محمد المقدسی ، ابوالفتح نوشاجانی ، ابو زکریا الصیمری ، ابوبکر القومسی ، غلام زحل (متوفی ۳۷۶ھ) ، ابوحیان التوحیدی (متوفی ۴۰۰ھ) اور دوسرے درجہ کے دیگر اراکین بھی شریک ہوا کرتے تھے ۔[2] ابوحیان کا بیان ہے کہ ان میں کا ہر فرد اپنے مخصوص میدان علم میں بے مثل تھا ۔[3] خوش قسمتی سے ان مباحثوں و مناظروں کا بہت سا حصہ جو اس مکان میں ہوا کرتے تھے ''المقابسات'' میں[4] اور ابوحیان کی تصنیف '' الامتاع و الموانسہ '' میں محفوظ ہے ۔[5]

جب امام غزالی (متوفی ۵۰۴ھ) مکہ اور دمشق کی سیاحت سے واپس آئے تو کچھ عرصہ نظامیہ نیشاپور میں درس دیا اور پھر سبک دوش ہو کر اپنے وطن طوس چلے گئے جہاں انھوں نے اپنے مکان ھی میں دینیات کی تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا ۔ دن و رات میں وہ یا تو عبادت کرتے تھے یا درس دیا کرتے تھے ۔[6]

علی بن محمد الفسیحی (متوفی ۵۱۶ھ) نظامیہ کے بہت نامور استاد تھے ، لیکن ان کا رجحان شیعیت کی طرف تھا ۔ جب ان سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے اقرار کیا ، لہٰذا انھیں ملازمت سے بر طرف کر دیا گیا ۔ انھوں نے درس کا سلسلہ اپنے مکان میں جاری رکھا جہاں طلباء جمع ہو جاتے تھے ۔[7]

یعقوب بن کلس (متوفی ۳۸۰ھ) جو العزیز باللہ فاطمی کے وزیر تھے بہت اچھے اسماعیلی عالم تھے ۔ انھوں نے ایک ضخیم کتاب اسماعیلی فقہ پر لکھی تھی اور اس میں وہ سب کچھ بھی تھا جو انھوں نے المعز اور العزیز سے سنا تھا ۔ ان کا مکان جمعہ کے دن مرکز علم بن جایا کرتا تھا جہاں مختلف علوم کے فضلاء ان کا درس سننے کے لیے جمع ہوا کرتے تھے ۔[8]

السلفی احمد بن محمد ابو طاہر (متوفی ۵۷۶ھ) ایک مفلس عالم تھے ۔ وہ جا بجا گھومتے پھرتے تھے ۔ آخر کار وہ اسکندریہ پہنچے جہاں ایک دولت مند خاتون سے شادی کر لی ۔ وہاں ان کا مکان متلاشیان علم کا مرجع بنا ہوا تھا ۔ اپنی منتخب احادیث کی تیسری جلد کے آخر میں لکھتے ھیں : ''میں نے اس انتخاب کی سماعت اور مطالعہ

۱- '' اخبار الحکماء '' (القفطی) ، صفحہ ۲۲۴ ، ۲۲۵ ۔
۲- '' المقابسات '' (ابوحیان) ، صفحہ ۱۲۰ ۔
۳- ایضاً ۔
۴- ملاحظہ ہوں صفحہ ۱۲۰ تا ۱۳۸، ۲۹۲، ۲۹۳ تا ۳۰۱، ۳۱۹، ۳۲۷ تا ۳۵۵، ۳۵۸ ۔
۵- ملاحظہ ہوں جلد ۱ ، صفحہ ۳۰ ، ۳۱ ؛ جلد ۲ ، صفحہ ۱۸ ، ۲۳ ، ۲۴ ، ۴۳ ؛ جلد ۳ ، صفحہ ۹۹ ، ۱۲۴ ، ۱۲۵ ۔
۶- سوانح امام غزالی ، آغاز '' احیاءالعلوم '' صفحہ ۳ ۔
۷- '' معجم الادباء '' (یاقوت) ، جلد ۵ ، صفحہ ۳۱۵ ۔
۸- '' الخطط '' (مقریزی) ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۴۱ ۔

Marfat.com

اسحاق اور حمد ابنائے احمد بن موسیٰ المروزانی کی صحبت میں اپنے مکان واقع اسکندریہ پر ۵۱۳ھ میں ختم کیا۔[1]

اس میں شک نہیں کہ اسلامی ممالک میں بہت سے ذاتی مکانات بطور مدرسہ استعمال کیے جاتے تھے، لیکن چونکہ مکان کسی ایک شخص کی مخصوص ملکیت ہوتا ہے لہذا آنے والا شخص ذرا تکلف محسوس کرتا ہے، اس لیے صاحب خانہ کا یہ فرض ہے کہ اس سے اخلاق کے ساتھ ملے اور خوش آمدید کہے تاکہ تکلف برطرف ہو جائے اور وہ باقاعدہ درس میں شرکت کرے۔ اسی طرح یہ درس مفید ہو سکتے ہیں۔[2]

ادبی نشستیں

ممکن ہے یہ بات باعث دلچسپی ہو کہ ہم ان ادبی نشستوں کو جو اسلامی دنیا میں عہد عباسیہ سے ترقی پذیر ہوئیں اوائل اسلام کی ان مجالس کی ایک کڑی تصور کریں جو خلفائے راشدین کی صدارت میں برپا ہوا کرتی تھیں۔ اصولاً خلیفۂ وقت نہ صرف دنیاوی سردار تھا بلکہ وہ روحانی پیشوا بھی مانا جاتا تھا اور اس لیے ضروری تھا کہ اس کا علم بھی وسیع ہو۔[3] چنانچہ خلفائے راشدین سے جن کا انتخاب آئینی طور پر ہوتا تھا خلوت و جلوت میں مذہبی مسائل پر سوالات کیے جاتے تھے۔ اگرچہ حالت اشتباہ میں خلیفہ دوسرے صحابہ سے مشورہ کر لیا کرتے تھے۔ ان ادبی نشستوں میں اور قدیم زمانے کی ان مجالس میں قدر مشترک صرف ترقی و توسیع علم ہی تھی، باقی تمام باتیں بالکل بدل گئی تھیں۔ قدیم مجالس میں ہر شخص اپنی مرضی سے آ جا سکتا تھا اور خلیفہ کو یا تو اس کے نام سے خطاب کیا جاتا تھا یا لقب "امیر المؤمنین" سے، اور سب لوگ کسی معمولی فرش یا چٹائی یا محض زمین ہی پر بیٹھ جایا کرتے تھے۔[4]

ان ادبی نشستوں میں غیر ملکی طور طریقے اور آداب ملحوظ رکھے جاتے تھے۔ ان کی بہت شاندار تزئین ہوتی تھی[5] اور چند مخصوص طبقہ کے افراد کو ان میں شرکت کی اجازت دی جاتی تھی۔[6] اراکین کو وقت مقررہ پر آنا لازمی تھا اور خلیفہ کے بعض

۱۔ مخطوطہ ملکیت پروفیسر آربری؛ نیز ملاحظہ ہو "تذکرۃ الحفّاظ" جلد ۴، صفحہ ۹۳۔

۲۔ "المدخل" (العبدری)، جلد ۲، صفحہ ۹۷، ۹۸۔

۳۔ "الاحکام السلطانیہ" (الماوردی)، صفحہ ۵؛ "الاداب السلطانیہ" (الفخری)، صفحہ ۲۰، ۲۱۔

۴۔ "تاریخ التمدن الاسلامی" (زیدان)، جلد ۵، صفحہ ۱۳۱۔

۵۔ مشرق کے لیے ملاحظہ ہو "العقد الفرید" جلد ۴، صفحہ ۱۰۱، ۱۰۸؛ مغرب (اندلس) کے لیے ملاحظہ ہو "نفح الطیب" جلد ۲، صفحہ ۱۱۲۸؛ اور مصر کے لیے ملاحظہ ہو "الخطط" جلد ۱، صفحہ ۳۸۵، ۳۸۶۔

۶۔ "التاج فی اخلاق الملوک" (الجاحظ)، صفحہ ۲۱۔

Marfat.com

مخصوص اشارات پر رخصت ہو جانا بھی ضروری تھا ۔[1] بحث کی ابتداء خلیفہ کے سوائے کوئی نہیں کر سکتا تھا ۔[2] ان ادبی نشستوں میں قدیم مجالس کے مقابلے میں بہت وسیع مضامین زیر بحث لائے جاتے تھے ۔

الصابی اور کشاجم نے اِن دلچسپ آداب و قواعد کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جو خلیفۂ وقت کی ادبی نشستوں میں شرکت کرنے والوں کو ملحوظ رکھنے پڑتے تھے ۔ ان تفاصیل کا خلاصہ یہ ہے ۔

خلیفہ کی خدمت میں جو شخص حاضر ہو اسے نہایت صاف ستھرا ہونا چاہیے، لباس نہایت اچھا ہو اور چال ڈھال پُر وقار ہو ۔[3] جب اس کی نگاہ خلیفہ پر پڑے تو '' السّلام علیکم یا امیر المؤمنین '' کہ کر آداب بجا لائے ۔ بعد ازاں وزراء اور اعلیٰ عہدہ دار خلیفہ کے ہاتھ کو بوسہ دیں، لیکن افراد خاندان شاہی اور علماء دست بوسی سے مستثنیٰ ہیں ۔[4] ہر شخص اسی جگہ بیٹھے جو اس کے ہم رتبہ لوگوں کے لیے مقرر کی گئی ہے ۔ اس کی توجہ ہمہ وقت خلیفہ کی طرف رہنی چاہیے اور حتی الوسع بے حس و حرکت بیٹھا رہے ۔ اسے ہدایت کی جاتی ہے کہ اگر معاشرہ میں اسے پوری عزت و توقیر حاصل کرنی ہے تو اسے ایک ٹھوس مجسمہ کے مشابہ ہو جانا چاہیے جس کے اندر نہ کوئی چیز داخل ہو سکتی ہے نہ اس سے باہر کوئی چیز خارج ہو سکتی ہے ۔[5] گفتگو کی ابتداء خلیفہ کرتا ہے ۔ اس دوران میں ہر شخص کو اس طرف متوجہ رہنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ اس سے کسی بات کے دھرانے کو کہا جائے کیونکہ یہ حد درجہ کی بد اخلاقی ہے ۔[6] جو شخص بحث میں حصہ لے اسے دھیمی آواز میں بولنا چاہیے اور درشت الفاظ اور گنجلک اسلوب بیان سے پرہیز رکھنا چاہیے ۔[7] مزید براں اس سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ کسی کی تقریر میں دخل نہ دے، نہ اس بات کا اظہار کرے کہ مقرر جو کچھ کہ رہا ہے اسے پہلے سے معلوم ہے ۔[8]

خلفاء خود کو علم کا سر پرست تصور کرتے تھے اور ان کے محلات ترقی کے مراکز

۱- اشارات کے لیے ملاحظہ ہو '' التاج '' صفحہ ۱۱۹، ۱۲۰ ۔

۲- '' التاج '' (جاحظ)، صفحہ ۴۹، ۵۰ ۔ روایت ہے کہ احمد بن ابی دواد پہلا شخص تھا جس نے ایک خلیفہ سے پہلے گفتگو کی ابتداء کرنے کی جرأت کی (ابن خلکان) ۔

۳- '' رسوم دارالخلافہ '' (الصابی)، غیر مطبوعہ، صفحہ ۴۶ ۔

۴- ایضاً، صفحہ ۴۵ تا ۴۶ ۔

۵- '' ایضاً '' (الصابی)، صفحہ ۵۰ تا ۵۱ ۔

۶- '' ایضاً '' صفحہ ۵۳ ؛ '' ادب الندیم '' (کشاجم)، صفحہ ۲۳ ۔

۷- '' ادب الندیم '' (کشاجم)، صفحہ ۲۴ ۔

۸- '' ایضاً '' صفحہ ۲۳ ۔

سمجھے جاتے تھے ۔ معتضد باللہ نے بغداد میں نئے محل "الشمسیہ" کا نقشہ بنوایا تو اسی خیال کے مد نظر حکم دیا کہ محل میں ایک حصہ ایسا بھی رہے جہاں مختلف علوم کی تحصیل کا انتظام کیا جائے۔[1]

یہ ادبی نشستیں محلات کے ساتھ وجود میں آ گئی تھیں ۔ حضرت امیر معاویہؓ علماء کو دعوت دیا کرتے تھے کہ وہ اقوام عرب کی تاریخ ، ان کی مشہور لڑائیاں غیر ملکی بادشاہوں اور ان کی حکومتوں کا حال ، انتظامی اداروں کا کاروبار اور حکومتیں چلانے کے طور طریقے انھیں سنایا کریں اور ان معاملات پر ان کے سامنے بحث و مباحثہ ہو ۔[2] حضرت معاویہؓ کو اس قسم کی معلومات کی ضرورت تھی کیونکہ وہ ایک نئے حکمران خاندان اور ایک نئے نظام حکومت کے بانی تھے ۔ اس لیے یہی طریقہ ابو جعفر منصور نے بھی اختیار کیا کیونکہ اس کے حالات بھی ان ہی جیسے تھے ۔[3]

عبد الملک کے زیر اہتمام اور بھی ادبی مجالس کا منعقد ہونا پایا جاتا ہے ۔ ایک موقع پر اس نے سوید بن غفلہ کو ایک مباحثہ میں جیتنے پر انعام بھی دیا تھا ۔[4] ایک اور موقعہ پر عبد الملک ھی کے زیر نگرانی ایک جلسہ میں ایک بدو نے بہت نمایاں قابلیت دکھائی ۔ خلیفہ نے اس سے کہا کہ کسی عرب شاعر کے قصیدہ کا بہترین شعر پڑھو ۔ اس نے جواب میں یہ شعر پڑھا :

الستم خیر من رکب المطایا   و اندی العالمین بطون راح

[کیا تم شتر سواروں میں بہترین انسان نہیں ہو اور دنیا بھر میں سب سے زیادہ فراخ دست ؟]

پھر اس سے کہا گیا کہ کسی کی ھجو میں جو تلخ ترین شعر ہو وہ پڑھو ۔ اس نے یہ شعر پڑھا :

فغض الطوف انک من نمیر   فلا کعباً بلغت ولا کلابا

[یہ سمجھ کر کہ تو نمیر سے ھے اپنی نظر نیچی رکھ کہ اس کا ہم سر نہ کعب ھے نہ کلاب]

پھر خلیفہ نے اس سے کہا کوئی فخریہ شعر پڑھو ۔ اس نے یہ شعر سنایا :

اذا غضبت علیک بنو تمیم   حسبت الناس کلہم غضابا

[اگر ایک دفعہ تجھے بنی تمیم نے نفرت کی نگاہ سے دیکھ لیا تو تو دیکھے گا کہ ساری دنیا تجھ سے نفرت کرتی ھے]

یہ اور دیگر اشعار جو اس وقت بحث کے دوران پڑھے گئے جریر کے اشعار تھے جو اس وقت وہاں موجود تھا ۔ وہ اس قدر خوش ہوا کہ اس نے درخواست کی کہ میرا

۱۔ "الخطط" (مقریزی) ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۶۳ ۔
۲۔ المسعودی ، جلد ۵ ، صفحہ ۷۷ ، ۷۸ ۔
۳۔ "تاریخ التمدن الاسلامی" (زیدان) ، جلد ۵ ، صفحہ ۱۳۹ ۔
۴۔ "الکشکول" (العاملی) صفحہ ۱۵۵ ۔

Marfat.com

انعام اس بدو کو دے دیا جائے، لیکن خلیفہ نے جریر کو تو اس کا انعام جو دینا تھا دیا لیکن اس سے دگنا انعام اس بدو کو دیا گیا ۔[۱]

الولید اوّل کے عہد میں عدی بن الرقاع اور کثیّر کے درمیان بڑی سخت رقابت تھی لیکن دونوں الولید کے محل میں شریک مجلس ہوا کرتے تھے - جب عدی نے اپنی نظم شروع کی جو اسی موقع کے لیے لکھی گئی تھی تو کثیّر نے ایک ایک شعر پر بڑی سختی سے تنقید کی - چند شعر پڑھ کر عدی خاموش ہو گیا کیونکہ تمام حاضرین کثیّر کی تنقید سے متاثر ہو کر اظہار ناپسندیدگی کرنے لگے ۔[۲]

خاندان عباسیہ کے بر اقتدار آنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد یہ ادبی نشستیں بہت اعلیٰ معیار پر پہنچ گئی تھیں اور باقاعدہ مجالس نہ صرف خلیفہ کے محل میں منعقد ہوتی تھیں بلکہ خلیفہ کے وزراء کے محلات میں بھی ہوا کرتی تھیں - ان ادبی مجالس کا حال پڑھ کر ان کے تزک و احتشام اور آب و تاب کا پتہ چلتا ہے جس سے اس عہد کی خوشحالی اور ہمہ گیر و متنوع تہذیب و ثقافت کا اندازہ ہوتا ہے - تمام قسم کے جلسوں میں جو اس وقت رائج تھے ان ادبی نشستوں کا معیار سب سے بلند تھا ۔[۳]

ہارون رشید (متوفی ۱۹۳ھ) کے عہد میں یہ سرگرمیاں انتہائی اعلیٰ مدارج پر پہنچ گئی تھیں - اس کی تعلیم خود بہ طریق احسن ہوئی تھی اس کے دربار میں اکثر و بیشتر مشاعرے، مذہبی مناظرے اور ادبی مجالس ہوا کرتی تھیں ۔[۴] جن چیدہ چیدہ اہل کمال کو ہارون رشید نے اپنے گرد بغداد میں جمع کر لیا تھا ان میں سے معدودے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں : شعراء میں ابو نواس، ابو العتاهیہ، دعبل، مسلم بن ولید اور عباس بن الاحنف ؛ موسیقاروں میں ابراہیم موصلی اور اس کا بیٹا اسحاق ؛ ماہر لسانیات میں ابو عبیدہ، الاصمعی اور الکسائی، واعظ ابن السماک اور مؤرخ الواقدی ۔[۵]

ہارون رشید ہی کے عہد میں صرف و نحو کا مشہور مباحثہ سبویہ اور الکسائی کے درمیان واقع ہوا تھا - یہ مباحثہ عموماً "بھڑ کا سوال" کے نام سے موسوم ہے - الکسائی کے شاگرد امین نے اس مباحثہ میں اس کی مدد کی تھی - یہ مباحثہ ایک سیاسی فضا میں منعقد ہوا تھا اور الکسائی کو غیر منصفانہ طور پر فاتح قرار دے دیا گیا تھا ۔[۶]

۱- ملاحظہ ہو یہ تمام قصہ "الآغانی" جلد ۷، صفحہ ۵۴ - ۵۵ میں -

۲- ایضاً، جلد ۸، صفحہ ۱۸۳ -

۳- لکھا ہے کہ اسحاق موصلی نے جو ایک مشہور مغنی تھا خلیفہ المامون سے درخواست کی کہ اسے خلیفہ کے محل میں بجائے مغنیوں کی جماعت کے مجالس علماء میں شرکت کی اجازت دی جائے - چونکہ مامون جانتا تھا کہ اسحاق صاحب علم بھی ہے لہذا اس کی درخواست منظور کی گئی ("الآغانی" جلد ۵، صفحہ ۶۰) -

۴- حطی، *The History of the Arabs*، صفحہ ۴۱۳ -

۵- نکلسن، *A Literary History of the Arabs*، صفحہ ۲۶۱ -

۶- ابن خلکان، جلد ۱، صفحہ ۵۴۹ ؛ "مجالس ابی مسلم" غیر مطبوعہ، مصر -

سب سے زیادہ دلچسپ مباحثہ جو ھارون رشید کے دربار میں ہوا وہ الکسائی نحوی اور عالم دین ابو یوسف کے درمیان تھا - اس مباحثہ میں الکسائی نے صرف و نحو کے قواعد سے دینی مسائل حل کیے تھے اور بہت سے قانونی سوالات کے جواب دیے تھے -[۱]

اسی زمانے میں یحیٰی بن خالد نے علم کلام کے مسائل پر بحث کرنے کے لیے مستقل مجالس کا انتظام کیا تھا جہاں علمائے فلسفہ اور متکلمانہ دینیات کے ممتاز علماء آزادانہ بحث و مباحثہ کیا کرتے تھے -[۲]

مامون رشید کے دور کو عربی ادب کا اغسطسی (ٹکسالی اور مستند) عہد کہتے ہیں - خلیفہ خود عالم تھا اور اس نے اپنی صحبت کے لیے مشرق و مغرب سے نہایت نامور علماء منتخب کر لیے تھے - ماہرین فن ' اتالیق ' مترجم اور مفسرین اس کے اراکین دربار تھے -[۳] اس کے دربار میں علماء ' فضلاء ' شعراء ' اطباء اور فلاسفر کا ہجوم رہتا تھا جو متمدن دنیا کے ہر حصے سے آئے تھے اور مختلف مذاہب اور مختلف اقوام سے تعلق رکھتے تھے -[٤]

عموماً خلیفہ ہی بحث کی قیادت کرتا تھا - ایک مرتبہ المامون نے علمائے مجلس سے سوال کیا کہ کیا آپ میں سے کوئی شخص ایسا شعر سنا سکتا ہے جس سے یہ پتہ چلے کہ اس کا کہنے والا ضرور کوئی بادشاہ ہوگا - جب کوئی قابل اطمینان جواب نہ ملا تو خود المامون نے ولید بن یزید کا یہ شعر پڑھا :

لی المحض من ودھم و الیھم نائلی

(میری رعایا مجھ سے وفاداری کرتی ہے اور میں ان پر بے انتہاء فیاضیوں کی بارش کرتا ہوں)[٥]

اس عہد کی بیش بہا علمی ترقی سے ان ادبی نشستوں نے بہت فائدہ اٹھایا - چنانچہ مختلف النوع قسم کے مضامین پر مباحثے ہوا کرتے تھے - اس عہد میں سب سے نمایاں سوال یہ زیر بحث تھا کہ آیا قرآن مجید حادث ہے یا نہیں - یہ سوال معتزلہ نے اٹھایا تھا اور اسلامی دنیا کے قریب قریب سب ہی نامور اشخاص نے اس بحث میں موافقین یا مخالفین کی حیثیت سے حصہ لیا تھا -[٦]

الواثق کے زیر نگرانی ایک ادبی مباحثہ مخارق اور حسین بن الضحاک کے درمیان ہوا تھا جس میں مخارق کا یہ دعویٰ تھا کہ ابوالعتاہیہ بمقابلہ بشّار فضیلت میں بڑھ چڑھ

۱- " طبقات الادباء " (عبدالرحمان الانباری) ' صفحہ ۹۱ - ۹۲ -
۲- " تاریخ التمدن الاسلامی " (زیدان) ' جلد ۵ ' صفحہ ۱۴۲ - ۱۴۳ -
۳- Hughes ' *Dictionary of Islam* ، صفحہ ۲۹۵ - ۲۹٦ -
۴- Ameer Ali ' *A Short History of the Saracens* ، صفحہ ۲۷۸ -
۵- " الآغانی " جلد ٦ ' صفحہ ۱۱۹ - نیز ملاحظہ ہوں فرقہ وارانہ مباحثے مابین مامون و علی رضاء - " عیون الاخبار " جلد ۲ ' صفحہ ۱۴۰ - ۱۴۱ -
٦- ان مباحثوں کی مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو " طبقات الشافعیہ " جلد ۱ ' صفحہ ۲۰۵ - ۲۱۵ -

Marfat.com

کر تھا لیکن حسین اس کے بر خلاف تھا - دونوں نے اپنے اپنے دعوے کی موافقت میں دلائل پیش کیے اور پھر ابولمحلّم نے جسے الواثق نے جج مقرر کیا تھا اپنا فیصلہ صادر کیا -[1]

جب اسلامی دنیا میں کثرت سے آزاد اور نیم آزاد حکمران خاندان پیدا ہو گئے تو انھوں نے علمی سرپرستی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوششیں شروع کر دیں - چنانچہ یہ نئے دربار اور محلات ثقافت کے مراکز بن گئے -[2] ان سے وہی مقاصد حاصل ہوتے تھے جو آج کل یونیورسٹیوں سے حاصل ہوتے ہیں -[3] اس مختصر مضمون میں ان تمام ادبی نشستوں کا تفصیل کے ساتھ حال بیان نہیں کیا جا سکتا جو اس عہد میں ترقی پذیر تھے - اس لیے ہم ایک مختصر جائزہ لیں گے -

ایک مرتبہ ۳۲۶ھ میں وزیر ابوالفضل بن جعفر ابن الفرات کی ادبی نشست میں الخالدی ، ابن الاخشاد ، الکتبی ، ابن ابی بشر ، ابن رباح ، ابن کعب ، قدامہ بن جعفر ، الزہری ، علی بن عیسیٰ الجراح ابن فراس ، ابن رشید ، ابن عبد العزیز الھاشمی ، ابن یحییٰ العلوی ، ابو سعید السیرافی (ابن طغج کا سفیر) ، المرزبانی ساسانی اور متّیٰ نے شرکت کی - ابن الفرات نے مباحثہ کی ابتداء کی اور سوائے متّیٰ کے سب کو مخاطب کیا - انھوں نے یہ سوال کیا کہ آپ حضرات میں سے کوئی شخص منطق کی اہمیت پر متّیٰ سے بحث کر سکتا ہے - لیکن اس سوال کا کسی نے جواب نہیں دیا - پھر انھوں نے کہا مجھے یقین ہے کہ آپ میں سے اکثر کامیابی کے ساتھ اس مسئلہ پر بحث کر سکتے ہیں اور السیرافی کی طرف مخاطب ہو کر کہا " اے ابو سعید آپ آگے آئیے -" ابو سعید نے منظور کیا اور پھر ایک طویل و دلچسپ بحث چھڑ گئی - اس تمام مباحثہ کی تفصیلات معلوم کرنے کے لیے ہم قارئین کی توجہ ابو حیان کی تصنیف " الامتاع و الموانسہ " جلد اول ، صفحہ ۱۰۹-۱۲۲ کی طرف مبذول کراتے ہیں ، لیکن یہاں منجملہ ان سوالات کے جو وہاں زیر بحث آئے صرف ایک نقل کرتے ہیں :

ابو سعید : اس کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں : " بھائیوں میں زید سب سے اچھا ہے "؟

متّیٰ : یہ جملہ صحیح ہے -

ابو سعید : اس کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں : " اپنے بھائیوں میں زید سب سے اچھا ہے "؟

متّیٰ : یہ بھی صحیح ہے -

ابو سعید : آپ غلطی پر ہیں - پہلا صحیح ہے اور دوسرا غلط -

متّیٰ : کیوں ؟

۱- " الآغانی " جلد ۶ ، صفحہ ۱۸۶ -

۲- خدا بخش ، *Contribution to the History of Islamic Civilization* ، صفحہ ۱۸۳ -

۳- " ظہر الاسلام " (احمد امین) ، صفحہ ۲۸۷ -

Marfat.com

ابو سعید: یہ جگہ سیکھنے کی نہیں ہے ۔ اگر تم حلقہ میں شریک ہو تو اس سے فائدہ اٹھاؤ گے ۔[1]

"الامتاع والمؤانسہ" کا ذکر آ گیا تو صمصام الدولہ کے وزیر ابن سعدان (م ۳۷۵ھ) کی ادبی نشست کا تذکرہ بھی ضروری ہے ۔ ابن سعدان نے اپنے وقت کے فاضل اجل ابوحیان التوحیدی سے درخواست کی کہ وہ اپنے شام کے اوقات اس کے ساتھ گذارا کریں ۔ وہ دونوں ان صحبتوں میں اس قسم کے موضوعات پر بحث کیا کرتے تھے، مثلاً انسان کی حالت، روح کی ماہیت، نامور معاصرین کے کردار، دوسری اقوام کے مقابلہ میں عربوں کی نمایاں صفات، کسی حکمران کے لیے اسلوب بیان کا فن جاننا زیادہ مفید ہے یا حساب کتاب اور منطق پر صرف و نحو کی افضلیت ۔[2] بعد میں یہ تمام مباحثے ابو الوفاء المہندس (م ۳۸۷ھ) کی درخواست پر "الامتاع و المؤانسہ" میں جمع کر دیے گئے ۔[3] ابن سعدان نے بھی ایسی ہی ایک ادبی نشست قائم کی تھی جہاں اس دور کے نامور علماء جمع ہوا کرتے تھے ۔ ابن سعدان کو اپنی اس جماعت پر بڑا فخر تھا اور اس کا خیال تھا کہ اس کی جماعت دیگر ادبی جماعتوں پر سبقت لے گئی ہے ۔ وہ کہا کرتا تھا "یہ جماعت بے نظیر و بے مثل ہے ۔" یقیناً المہلّبی کا اجتماع قدر و قیمت میں ہمارے ایک دوست کے برابر بھی نہیں ہے اور ابن العمید کی جماعت کا ہر فرد اس بات کا خواہش مند ہے کہ اسے ہمارے سب سے کم عمر رکن ہی کی برابری حاصل ہو جائے اور ابن عبّاد کی جماعت تو سوائے جھوٹے دلائل کے کچھ جانتی ہی نہیں ۔"[4]

ایک ذیلی عنوان "حلقۂ سیف الدولہ" کے تحت پروفیسر گب کا بیان ہے کہ "چند سال تک عربی ادب کے بحر ذخار کا زور شمالی شام میں بمقام حلب رہا جو ایک چھوٹے سے عرب شیعہ حمدانی خاندان کا دارالحکومت تھا ۔ سیف الدولہ کے گرد ایک ایسی جماعت تھی کہ جس کی ہمہ گیر ذکاوت و آب و تاب کی کہیں مثال نہ تھی ۔ اس کے جود و کرم نے قریب قریب تمام مشہور علمائے عصر کو کھینچ لیا تھا اور اس طرح اس کے نام کو ابدی شہرت حاصل ہو گئی ۔"[5]

"محمود غزنوی نہایت سرگرمی سے اس بات کا خواہش مند تھا کہ اسے وہی شوکت و عظمت حاصل ہو جائے جو ایک ایسے حکمران کو حاصل ہوتی ہے جس کا دربار عصر حاضرہ کی بہترین ادبی و فنی تہذیب و ترقی کا مرکز ہو ۔"[6] "اس کے درباری اجتماع میں جو ادبی لحاظ سے روح عصر تھا عرب مورخ العتبی، مشہور زمانہ اصولی اور

۱۔ "الامتاع و المؤانسہ" (ابوحیان)، جلد ۱، صفحہ ۱۱۸ - ۱۲۰ ۔
۲۔ The Journal of General Education جلد ۴، نمبر ۱، اکتوبر ۱۹۴۹ ۔
۳۔ "تعارف الامتاع و المؤانسہ" (احمد امین) ۔
۴۔ "الصداقہ و الصادق" (ابو حیان)، صفحہ ۳۳ ۔
۵۔ گب، *Arabic Literature*، صفحہ ۶۱ ۔
۶۔ نکلسن، *A Literary History of the Arabs*، صفحہ ۲۶۹ ۔

تاریخ کا مصنف البیرونی اور ممتاز فارسی شاعر فردوسی موجود تھے'' ۔[1]

کچھ عرصہ بعد امام غزالی نے نظام الملک کی موجودگی میں ایک بحث میں حصہ لیا اور اس مباحثہ میں جیتنے کے بعد انھیں نظامیہ بغداد میں پروفیسر مقرر کیا گیا ۔[2]

نور الدین کے دربار میں علماء کے بڑے بڑے اجتماع ہوا کرتے تھے ۔ علاوہ مقامی نامور حضرات کے دور دراز مقامات سے طلباء کو دعوت دی جاتی تھی کہ آئیں اور اس کی سر پرستی میں علم حاصل کریں ۔[3]

اب ہم مصر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور وہاں کی ادبی نشستوں کا بھی کچھ ذکر کرتے ہیں ۔ عربوں کی آمد کے بعد سے خاندان طولون سب سے پہلا آزاد حکمران خاندان تھا ۔ اسی وقت سے ادبی نشستوں کا دور شروع ہو گیا تھا ۔ ابن زولاق کا بیان ہے کہ طولونیوں اور اخشیدیوں کے عہد میں مدارس کا وجود نہ تھا ' لہذا شہزادوں ' وزیروں اور علماء کے مکانات پر تعلیم دی جاتی تھی ۔[4]

اخشید کے دربار میں ہر شب ایک تاریخی دور ہوا کرتا تھا اور اسی دربار میں کافور نے تعلیم و تربیت حاصل کی[5] اور وہ تہذیب و ثقافت کے ایسے اعلیٰ معیار پر پہنچا کہ اخشید کے لڑکوں کی تعلیم اس کے سپرد ہوئی ۔[6] بعد ازاں جب کافور کو وہی رتبہ حاصل ہوگیا جس پر اس کا آقا فائز تھا تو وہ بھی علم و دانش کا سر پرست بن گیا اور اس کی ادبی نشستوں کی زینت دیگر اہل علم کے علاوہ المتنّبی جیسے شخص سے تھی ۔[7]

فاطمیوں کی علمی و ادبی نشستوں کے مقابلہ میں طولونیوں اور اخشیدیوں کی علمی مجالس کی روشنی گہنا گئی ۔ فاطمی خلفاء اکثر و بیشتر علمی مباحثے منعقد کیا کرتے تھے جہاں اکادمیوں کے پروفیسر جمع ہو کر اپنے اپنے شعبۂ علوم کے مطابق جاعت وار تقسیم ہو جاتے ' مثلاً منطقی ' فقہی ' ماہرین ریاضی ' ماہرین طبیعیات اور یہ سب اپنے خلعت یا مخصوص علمی لباس میں ملبوس ہوتے تھے ۔[8]

ابن کلس نے ادبی نشستوں کے لیے منگل کا دن مقرر کیا تھا جہاں فقیہ ' متکلمین اور منطقی جمع ہوا کرتے تھے اور ان اہل علم کے درمیان بحث مباحثہ ہوا کرتا تھا ۔[9]

اسی قسم کی ایک علمی مجلس مناظرہ الحاکم نے ۴۰۳ھ میں منعقد کی جہاں علمائے

۱- حطی ، *History of the Arabs* ، صفحہ ۳۶۵ ۔
۲- سوانح امام غزالی آغاز ''احیاء العلوم''۔
۳- ''مفرج الکروب فی اخبار بنی ایوب'' (جمال الدین بن واسط) ، غیر مطبوعہ ، صفحہ ۱۶۵ ۔
۴- ''اخبار سیبویہ المصری'' (ابن زولاق) ، صفحہ ۱۹ ۔
۵- ''تاریخ الاسلام السیاسی'' (ڈاکٹر حسن ابراہیم) ، جلد ۳ ' صفحہ ۲۳۹ ۔
۶- ابن خلکان ، جلد ۱ ' صفحہ ۶۱۴ ۔
۷- ''الحاکم بامر اللہ'' (محمد عنان) ، صفحہ ۲۳۰ ۔
۸- Ameer Ali ، *A Short History of the Saracens* ، صفحہ ۶۱۳ ۔
۹- ''الخطط'' (مقریزی) ، جلد ۲ ' صفحہ ۳۴۱ ۔

Marfat.com

علم الحساب ، منطق ، فقہ ، طب و دیگر علوم مدعو کیے گئے - وہاں انھوں نے بہت سے مسائل بحث و مباحثہ کے بعد طے کیے اور جلسہ کے اختتام پر خلیفہ نے ان کو خلعت اور انعامات سے نوازا -[1]

الملک الصالح طلائع بن زریک کے دربار میں اس عہد کے بیشتر علماء جمع ہو گئے تھے جن کے تذکرہ میں عمارہ الیمنی کا بیان ہے کہ " ان اہل علم میں سے ہر شخص نہایت اعلیٰ معیار کا عالم تھا اور بڑی با وقعت شخصیت کا مالک تھا - میں نے ان کے طور طریقے سیکھ لیے اور ان کی صحبت سے فائدہ اٹھایا ، حتیٰ کہ وہ مجھے اپنے جلسوں میں شریک کرنے لگے -[2] یہ جلسے اکثر منعقد ہوا کرتے تھے اور اکثر الملک الصالح بھی اپنے اشعار سنایا کرتا تھا -[3] ایک موقع پر حاضرین میں سے کسی نے ایک شعر پڑھا جس کا مضمون تو معقول تھا لیکن اسلوب بیان عامیانہ تھا - الملک الصالح نے تجویز پیش کی کہ ہر شخص اس شعر کے مضمون کو خوش اسلوبی سے ادا کرے - تھوڑی ہی دیر میں چند نہایت اعلیٰ درجہ کے اشعار جمع ہوگئے - ان میں ایک الملک الصالح کا بھی تھا -[4]

ایک ادبی جلسہ قاضی الفضل کے مکان پر ہوا جس میں شہزادہ عزالدین فرخ شاہ اور فاضل اجل تاج الدین الکندی نے بھی شرکت کی - الکندی نے ایسی ذہانت و قابلیت کا مظاہرہ کیا کہ عزالدین انھیں اپنے محل میں لے گیا - وہاں ان کے لیے ایک نہایت شاندار کمرہ تیار کرایا - اس وقت سے ایوبی ایوان ہائے ادب کے روشن ستاروں میں الکندی کا بھی شمار ہونے لگا -[5]

مملوک تاجداروں کے عہد میں بھی یہ علمی مناظرے جاری رہے - یہاں ہم ان مباحثوں کے اس دلچسپ مجموعہ کا ذکر ضرور کریں گے جو ڈاکٹر عبدالوہاب عزام نے " مجالس السلطان الغوری " کے نام سے شائع کیا ہے -[6]

بادیہ

دور جاہلیت میں عربوں کے لیے علم اور ثقافت کے اظہار کا ذریعہ عربی زبان ہی تھی - اسی زبان میں ان کی شاعری تھی ، اسی میں ان کے خطابات اور ضرب الامثال تھیں - چونکہ عرب ادبیات و شاعری کے بے حد دلدادہ تھے ، لہذا رزم و بزم میں شاعر اور خطیب ان کو جدھر چاہتے موڑ دیتے تھے - اپنی زبان کی یہ قدر و قیمت اہل عرب میں برابر جاری رہی ، بلکہ نزول اسلام کے بعد اس میں اور اضافہ ہوگیا ، کیونکہ رسول اکرم

۱- "الفاطمیون فی مصر" (ڈاکٹر حسن ابراہیم) ، صفحہ ۱۳۷ -

۲- "النکات العصریہ" (عمارہ) ، صفحہ ۲۵ -

۳- "النجوم الزاہرہ" (ابن تغری بردی) ، جلد ۵ ، صفحہ ۳۱۳ -

۴- "البدائع البدائع" (علی بن زافر) ، صفحہ ۱۳۳ -

۵- "المقصورۃ الناجیہ" (دھمن) ، صفحہ ۱۱ -

۶- قاہرہ ، ۱۹۴۱ -

Marfat.com

صلعم خود ایک نجیب الطرفین عرب خاندان کے رکن تھے اور قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا تھا ۔

جب مسلمانوں نے بازنطینہ اور ایران پر فوج کشی کی تو عربی زبان بھی ساتھ ساتھ پہنچی اور اسلام کی فتح گویا زبان کی فتح تھی ۔ لیکن اس وسعت کے ساتھ زبان کا پھیل جانا کچھ مفید ثابت نہ ہوا کیونکہ اس سے زبان میں خرابیاں پیدا ہو گئیں جن کو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں ۔

یہاں دو باتوں کو ضرور ذہن میں رکھنا چاہیے کیونکہ اس فصل کی بنیاد ان ہی پر ہے :

(۱) عربی زبان میں بگاڑ اسی وقت سے شروع ہو گیا تھا جب عربوں نے غیر ملکی فتوحات بھی نہ کی تھیں ۔ اس کا سبب وہ تجارتی تعلقات تھے جو عربوں اور غیر عربوں میں قائم ہو چکے تھے ۔

(۲) زبان کی یہ غلطیاں بڑی شرمناک تصور کی جاتی تھیں اور ناقابل معافی تھیں ۔ رسول اکرم صلعم کی حضوری میں کسی عرب نے محاورہ کے استعمال میں کوئی غلطی کی ۔ آں حضرت صلعم نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا "اپنے اس بھائی کی اصلاح کرو : وہ بھٹک گیا ہے"۔[۱]

حضرت عمر رض کے عہد سے عربوں اور غیر ملکیوں میں میل جول اور آمد و رفت بہت زیادہ بڑھنی شروع ہوئی ۔ مملکت اسلامیہ کے دارالحکومت مدینہ، دمشق، اور بعد ازاں بغداد وسیع المشرب مقامات تھے ۔ کوفہ اور بصرہ جیسے شہروں میں بھی بہت زیادہ غیر ملکی آبادی بڑھ گئی تھی، خصوصاً ایرانی بہت تھے جو بطور جنگی قیدی وہاں لائے گئے تھے اور بعد ازاں مسلمان ہو گئے تھے۔[۲] عربوں میں بہت سی بیویاں دوسری اقوام سے تعلق رکھتی تھیں اور دیگر اقوام میں شادی کرنے کا رواج بڑھ رہا تھا ۔ علاوہ اس مستقل میل جول کے جو گھروں میں اور شہروں میں پایا جاتا تھا ہر سال مختلف ممالک سے لوگ حج کرنے آتے تھے اور مقامات مقدسہ میں عرصہ تک مقیم رہتے تھے ۔ اگرچہ عوام کی زبان عربی ہی تھی لیکن چونکہ غیر ملکیوں کے لیے صرف و نحو کی پابندی مشکل تھی لہذا ایک نئی اور ٹوٹی پھوٹی عربی بولی پیدا ہو گئی ۔[۳] جاحظ اس زبان کو مولدین اور عوام کی زبان کہتا ہے ۔[۴]

آگے بڑھنے سے پہلے ہم چند ایسے واقعات بیان کرتے ہیں جن سے زبان کے اس بگاڑ کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے اور اس شرمندگی کا پتہ چلتا ہے جو ان غلطیوں کی وجہ سے ہوئی ۔

۱- "ضحی الاسلام" (احمد امین)، جلد ۲، صفحہ ۲۵۲ ۔

۲- Wellhausen، *The Arab Kingdom and Its Fall*، صفحہ ۷۱ ۔

۳- "طبقات الادباء" (ابن الانباری)، صفحہ ۴ - ۱۰ ۔

۴- "البیان و التبیین" جلد ۱، صفحہ ۶۸ ۔

ایک خط میں جو الحسین بن الحر نے حضرت عمر رض کو اپنے معتمد کے ہاتھ بھیجا تھا آں جناب نے ایک غلطی پکڑی اور الحسین کے پاس پیغام بھیجا کہ کاتب کی کمر پر ایک درہ لگایا جائے ۔[1]

ایک مرتبہ ایک بدو کسی بازار میں آیا ۔ اس نے دیکھا کہ زبان کی طرف سے دکاندار بے پروائی برت رہے ہیں ۔ کہنے لگا "خدا کی پناہ! یہ لوگ زبان کی اس قدر غلطیوں کے باوجود بھی اپنی روزی پیدا کر لیتے ہیں ۔"[2]

ایک مرتبہ جب کہ حضرت زید اپنے ماتحتوں کے آپس کے جھگڑے چکا رہے تھے ایک شخص نے آ کر اپنے بھائی کی شکایت کی کہ اس نے باپ کے سارے ترکہ پر قبضہ کر لیا ہے ۔ اس شخص نے اپنی وکالت کے دوران صرف و نحو اور محاورے کی متعدد غلطیاں کیں ۔ چنانچہ حضرت زید نے اس سے کہا "جو کچھ نقصان تم نے اپنی زبان کے سلسلے میں اٹھایا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو اس دولت کے ضائع ہو جانے سے ہوا ہے"۔[3]

بشیر بن عبید اللہ نے اپنی انگوٹھی پر یہ جملہ لکھ لیا تھا : "بشیر بن عبید اللہ اصنام پرست نہیں ہے"۔ لیکن یہ جملہ با محاورہ نہ تھا ۔ اسے دیکھ کر اس کے والد نے کہا اصنام پرستی سے زیادہ شرمناک تو یہ غلطی ہے ۔[4]

مسلمہ بن عبد الملک کے متعلق روایت ہے کہ وہ کہا کرتا تھا "بات چیت کے دوران غلطیاں کرنا چہرہ پر چیچک کے داغوں سے بھی زیادہ بدنما ہے"۔[5]

آخری واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت الحسن رض کو کسی سردار کے متعلق پتہ چلا کہ وہ زبان کی غلطیاں کرنے کا عادی ہے تو اسے برخاست کرنے کا حکم صادر فرما دیا ۔[6]

ابن خلدون عربوں کی غیرمعمولی ذہانت اور قوت اختراع کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عربی زبان پر غیر عرب اقوام کے میل جول سے بہت برا اثر پڑا ۔[7] قدیم عربوں اور اونچے طبقہ سے تعلق رکھنے والے عربوں کے ایسے واقعات ہمارے پاس ہیں جنھوں نے باوجود اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے اس قسم کی غلطیاں کی ہیں ۔ مثال کے طور

۱- "البیان" (الجاحظ) جلد ۲ ، صفحہ ۴ ۔

۲- "عیون الاخبار" (ابن قتیبہ) ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۵۹ ؛ "ادب المجالسہ" (ابن عبدالبر) ، غیر مطبوعہ ، مصر ۔

۳- "البیان" (الجاحظ) جلد ۲ ، صفحہ ۵ ۔

۴- ایضاً ، صفحہ ۱۱۲ ۔

۵- "عیون الاخبار" (ابن قتیبہ) ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۵۸ ؛ نیز ابن عبد البر ، صفحہ ۵۵ الف ۔

۶- "العقد الفرید" (ابن عبد ربہ) ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۸ ۔

۷- "المقدمہ" صفحہ ۳۰۴ ۔

Marfat.com

پر ہم اس زمرہ میں الولید اول ، الحجاج ، ابو حنیفہ ، بشرالمریسی اور شبیب بن شیباہ کے نام پیش کرتے ہیں ۔[1] بعض لوگ تلاوت قرآن مجید میں غلطیاں کرتے تھے اور اکثر ان غلطیوں سے معنی ہی بالکل بدل جاتے تھے ۔ اگر بالفرض کوئی ارادتاً اس طرح پڑھے تو کافر ہو جائے ۔[2]

اسی دوران میں بادیہ ہی صحیح زبان کا مرکز رہ گیا تھا جہاں غیر ملکی لوگوں کے لیے کوئی کشش نہ تھی ۔ چونکہ بدو ریگستان میں بالکل الگ تھلگ رہتے تھے لہذا ان کی نسل بھی خالص رہی اور انھوں نے زمانۂ جاھلیت والی خالص عربی زبان کو بھی قائم رکھا ۔ الکسائی اور سیبویہ کے درمیان جو نحوی مناظرہ ہوا تھا جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے ، حاضرین نے اس کے متعلق یہ اعلان کیا تھا کہ اس کا فیصلہ کسی بدو ہی کی رائے پر منحصر ہوگا ۔ ایک بدو کو بلایا گیا لیکن امین نے اس سے یہ کہا کہ وہ کسائی کی طرف داری کرے جو در حقیقت غلطی پر تھا ۔ بدو نے کسائی کی حمایت کرنے کے اصول کو مان لیا ، لیکن اس نے کہا مجھے ڈر ہے کہ میری زبان شاید میرا ساتھ نہ دے ۔[3]

چنانچہ بدو ہی ایسے لوگ رہ گئے تھے کہ جن سے صحیح زبان سیکھی جا سکتی تھی ۔ انھوں نے اپنی اس حالت سے فائدہ اٹھایا ۔ وہ شہروں میں آ جاتے اور ایک جگہ بیٹھ کر زبان کے متعلق سبق دیا کرتے تھے ۔ ابن الندیم سے ہم تک ایک مفصل بیان ایسے مشہور بدوؤں کا پہنچا ہے جنھوں نے یہ پیشہ اختیار کر لیا تھا ۔ ان میں سے ہم معدودے چند حضرات کا تذکرہ کرتے ہیں :

ابو البیداء الریاحی بصرہ آ گئے تھے اور عموماً کچھ فیس لے کر بچوں کو پڑھایا کرتے تھے ۔[4]

ابو جاسوس ثور بن یزید بھی بصرہ آ گئے تھے اور ان ہی سے ابن المقفع نے فصاحت و خطابت سیکھی تھی ۔[5]

ابوالعمیثل عبد اللہ بن خلید خراسان چلے گئے اور وہاں عبد اللہ بن طاھر کے لڑکوں کے اتالیق مقرر ہو گئے ۔[6]

عبداللہ بن عمرو بن ابی صبح بغداد آ گئے تھے اور بہت سے ناسور اھل علم ان کے شاگرد تھے ۔[7]

شہروں اور قصبوں میں کثرت سے لوگ حلقہ بنا کر کسی بدو کے گرد بیٹھ جایا

۱- ''العقد الفرید'' جلد ۲ ، صفحہ ۱۸ - ۲۰ ؛ ابن قتیبہ ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۵۹ ؛ ''البیان'' ، جلد ۲ ، صفحہ ۳ ، ۵ ۔

۲- ''طبقات الادباء'' (ابن الانباری) صفحہ ۔

۳- ابن خلکان ، جلد ۱ ، صفحہ ۵۴۹ ۔

۴- ''الفہرست'' صفحہ ۶۶ ۔

۵- ایضاً ، صفحہ ۶۷ ۔

۶- ایضاً ، صفحہ ۷۲ ۔

۷- ایضاً ، صفحہ ۷۳ ۔

Marfat.com

کرتے اور اس کی باتیں سنا کرتے تھے - لیکن دولت مند لوگ جیسے خاندان شاہی کے افراد اور الوالعزم علماء خود بادیہ ھی میں چلے جاتے تھے جو اس دور میں ایک مدرسہ کا کام دیتا تھا -[1] اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اس بگڑی ہوئی زبان سے جو ان کے گرد ہر طرف بولی جاتی تھی دور ہو جائیں اور چند سال تک عربی زبان کے گھر (بادیہ) رھیں - حطی لکھتا ھے کہ ابتدائی دور کے اموی شہزادوں کے لیے شامی بادیہ ایک مدرسہ کا کام دیتا تھا جہاں نوجوان لڑکے خالص عربی سیکھنے کے لیے بھیج دیے جاتے تھے اور وہاں سے وہ شاعری میں طاق ہو کر آتے تھے - یہی وہ جگہ تھی جہاں حضرت معاویہ رض نے اپنے بیٹے اور ولی عہد یزید کو بھیجا تھا -[2] الولید بن عبد الملک کو بادیہ نہیں بھیجا گیا تھا ؛ چنانچہ وہ اکثر غلطیاں کرتا تھا -[3] اس کے باپ کے متعلق روایت ھے کہ اس نے کہا کہ " ھمیں اس خیال سے بڑی تکلیف ہوتی ھے کہ ھم نے ماننا کے مارے الولید کو بادیہ جانے سے روک دیا تھا -"[4] نہ صرف اموی شہزادے بلکہ چند عباسی شہزادے بھی مثل المعتصم بادیہ میں اسی مقصد کے لیے بھیجے گئے تھے -[5]

ان اھل علم کی کثیر تعداد میں سے جو ان بدوؤں کی شاگردی کرنے کے لیے اس مدرسہ (بادیہ) میں جمع ہوئے ھم ان نامور حضرات کے اسمائے گرامی لکھتے ھیں :

الخلیل بن احمد (متوفی ۱۶۰ھ) سے ایک موقع پر سوال کیا گیا کہ اس نے یہ وسیع علم کہاں سے حاصل کیا - جواب میں انھوں نے کہا - " حجاز ، نجد اور تہامہ کے بوادی سے -"[6]

بشّار بن برد (متوفی ۱۶۷ھ) اپنے زمانے کا واحد شاعر تھا جس نے کبھی زبان کی کوئی غلطی نہیں کی - اپنے تمام معاصرین پر اپنی اس افضلیت کے اسباب بتاتے ہوئے اس نے کہا : " میری ولادت اور نشو و نما بنو عقیل کے اسّی (۸۰) فصحاء اور خطیبوں کے درمیان ہوئی ھے جہاں ان کی خواتین بھی تھیں جو فصاحت میں مردوں سے بھی بالاتر تھیں - اس قبیلہ میں کوئی شخص غلطی نہیں کرتا اور جب میں سمجھ دار ہوا تو مجھے بادیہ بھیج دیا گیا جہاں میں سن بلوغ تک رھا - پھر بھلا میں کیسے غلطیاں کر سکتا ہوں ؟"[7]

الکسائی (متوفی ۱۸۲ھ) بادیہ میں گئے اور وہاں بدوؤں سے جو سیکھا اسے لکھنے

۱- *Encyclopaedia of Education* ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۱۱۲ -
۲- *The History of the Arabs* ، صفحہ ۲۰۳ -
۳- "العقد الفرید" جلد ۲ ، صفحہ ۱۸ -
۴- ایضاً ، صفحہ ۱۹ -
۵- ایضاً ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۶۵ -
۶- " طبقات الادباء " (ابن الانباری) ، صفحہ ۸۳ ، ۸۴ -
۷- " الاغانی " جلد سوم ، صفحہ ۲۶ -

Marfat.com

میں سیاهی کی پندره بوتلیں صرف کیں اور جو کچھ حفظ کر لیا تھا وہ اس کے علاوہ رھا ۔[1]

امام شافعی رض (متوفی ۲۰۴ھ) مکه سے رخصت هو کر بادیه گئے اور قبیله هذیل میں رهنے لگے اور ان سے فصاحت و خطابت سیکھی اور ان کے طور طریقے اختیار کر لیے ۔ غرض ستره سال تک وهاں قیام کیا ۔[2]

الریاشی ابوالفضل العباس بن الفرج (متوفی ۲۵۷ھ) اس بات پر فخر کیا کرتا تھا که میں نے وحشی و غیرمہذب بدوؤں کی شاگردی کی هے اور دوسرے لوگوں نے مہذب لوگوں سے علم حاصل کیا هے ۔[3]

صحیح زبان یوں تو سارے هی بادیه نشین بولا کرتے تھے لیکن ان بدوؤں میں سے غیر معمولی نمایاں اشخاص مجمع میں بیٹھ کر عمده اشعار اور عربوں کی تاریخ سنایا کرتے تھے ۔ ان اساتذہ میں سے چند حضرات کے نام یه هیں : ابو ملک ، عمرو بن کرکرہ ، ابو ثروان العکلی اور ابو الهندام کلاب بن حمزہ ۔[4]

مسجد

اب هم مسلمانوں کی مخصوص تعلیم گاہ کا تذکرہ کرتے هیں ۔ اسلام کے بالکل ابتدائی دور سے مسجد میں حلقۂ درس هوا کرتا تھا اور صدیاں گزر گئیں یه سرگرمی بغیر کسی وقفه کے اب تک جاری هے ۔ چونکه ابتداء میں چند قرنوں تک مسلمانوں کی تعلیم اسلامی دهنیات تک محدود رهی لہذا مساجد جو عبادت گاهیں بھی تھیں اس کام کے لیے موزوں تصور کی گئیں ۔

ابتداء میں مسلمانوں کو ایک ایسے مقام کی اشد ضرورت تھی جهاں مذهبی عبادات هو سکیں ۔ ممکن هے وہ اس سے متاثر هوئے هوں که ان کے گرد و نواح میں مذهبی رسوم خانقاهوں اور کلیساؤں میں ادا کی جاتی تھیں ۔ گمان غالب یه هے که مسجد کی بناء اس طرح پڑی که قدیم زمانے سے عربوں میں ایک عبادت گاہ هوتی تھی اور اسے الله کا گھر تصور کیا جاتا تھا جهاں لوگ زیارت کے لیے آیا کرتے تھے اور مناسک عبادت ادا کیا کرتے تھے ۔[5] بیت الحرام تمام عربوں کے لیے مقدس مقام تھا خواہ وہ کافر هوں یا موحد ۔ نزول اسلام کے بعد مسلمانوں نے بیت الحرام کی اسی حیثیت کو قائم رکھا اور جب کبھی ممکن هوا انهوں نے وهاں عبادت بھی کی ۔[6] ابن هشام نے لکھا هے که رسول اکرم صلعم نے مکه سے هجرت کی تو بیت الحرام کی طرف دیکھ کر فرمایا :

۱- ” طبقات الادباء “ (ابن الانباری) ، صفحه ۸۳ ، ۸۴ ۔
۲- ” معجم الادباء “ (یاقوت) ، جلد ۶ ، صفحه ۳۶۹ ۔
۳- ابن الندیم ، صفحه ۸۶ ،
۴- ایضاً ، صفحه ۶۶ ، ۶۹ ، ۱۲۲ ۔
۵- ” الملل و النحل “ (الشهرستانی) ، صفحه ۴۴۲ - ۴۴۳ ۔
۶- ابن هشام ، جلد ۱ ، صفحه ۲۱۸ ۔

Marfat.com

"خدا کی قسم! دنیا میں میرے لیے تو سب سے زیادہ مرغوب جگہ ہے اور خدا کے نزدیک تو دنیا کا سب سے زیادہ محبوب مقام ہے - اگر مجھے مجبور نہ کیا جاتا تو میں ہرگز تجھے چھوڑ کر نہ جاتا -"[1] چنانچہ یہ فطری بات تھی کہ مسلمان اس کے مثل ہی کوئی جگہ عبادت کے لیے تعمیر کریں - لہذا رسول اکرم صلعم نے مدینہ منورہ جاتے ہوئے مدینہ سے باہر مسجد قبا کی بنیاد ڈالی جو اسلام میں سب سے پہلی مسجد ہے -[2] جب آں حضرت صلعم مدینہ پہنچے تو آپ نے المربد میں مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی [3] اور اسی مسجد میں آپ نے مسلمانوں میں دینی و دنیاوی تعلیم دینی شروع کی -[4]

اس زمانے میں مسجد کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لیے ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ مساجد اس زمانے میں سیاست کے مراکز تھیں ' انصاف کی عدالتیں تھیں ' تعلیمی درسگاہیں تھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عبادت گاہیں تھیں - لہذا جہاں کہیں اسلام پھیلتا جاتا تھا مسجد کی بناء لازمی تھی اور ہر مفتوحہ مقام پر اور ہر نئے شہر میں مسجد بھی جلد از جلد تعمیر کر دی جاتی تھی - روایت ہے کہ حضرت عمر رض نے بصرہ ' کوفہ ' شام اور مصر کے گورنروں کو ہدایات بھیج دی تھیں کہ ایک جامع مسجد ہر جگہ تعمیر کی جائے تا کہ سب لوگ جمعہ کی نماز وہاں پڑھا کریں - علاوہ جامع مسجد کے ہر قبیلہ کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنی مسجد بنائے - چنانچہ مساجد کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھ گئی [5] یہاں تک کہ یعقوبی کا دعویٰ ہے کہ اس نے تیسری صدی ہجری میں صرف بغداد میں تیس ہزار مساجد کا شمار کیا -[6]

مصر میں جامع مساجد کی تعمیر کی رفتار سست تھی - حضرت عمر بن العاص رض نے مصر کی فتح کے بعد ہی جامع مسجد کی تعمیر کرائی تھی جو جامع عمر کے نام سے مشہور ہے - ۱۳۳ھ تک فسطاط میں صرف مسجد عمر ہی تھی - اس سال عبد اللہ بن علی بن عبداللہ بن عباس نے جو افواج عباسیہ کے ایک حصہ کی کمان کر رہا تھا مصر پر چڑھائی کی جہاں مروان بن محمد بھاگ کر چلا گیا تھا - عبد اللہ نے فسطاط کے شمال میں چھاونی ڈالی - وہاں بہت سی عمارتیں تعمیر ہوئیں - ان ہی میں جامع العسکر بھی تھی -

---

۱- "الروض الانف" (السہیلی) ' جلد ۲ ' صفحہ ۳ -

۲- ابن ہشام ' جلد ۲ ' صفحہ ۱۱ ؛ الطبری جلد ۱ ' ۳ ' صفحہ ۱۲۴۵ - لیکن بلاذری کا بیان یہ ہے کہ یہ مسجد ان مہاجرین نے بنائی تھی جو رسول اکرم صلعم سے پہلے ہجرت کر کے آ گئے تھے : صفحہ ۱۷ -

۳- البلاذری ' صفحہ ۲۰ ؛ ابن ہشام ' جلد ۲ ' صفحہ ۱۳ ؛ الطبری ' جلد ۱ ' ۳ صفحہ ۱۲۵۹ -

۴- "باب الصلاح" (بخاری) -

۵- "الخطط" (مقریزی) ' جلد ۲ ' صفحہ ۲۱۶ ؛ "حسن المحاضرہ" (سیوطی) ' جلد ۲ ' صفحہ ۱۳۹ -

۶- "البلدان" (یعقوبی) ' صفحہ ۲۵۰ -

۲۶۵ھ میں احمد ابن طولون نے اپنی مسجد القطائع میں تعمیر کرائی۔[1] اس کے بعد سے جامع العسکر میں نماز جمعہ بند کر دی گئی۔ ۳۶۰ھ میں جوہر نے مشہور جامع ازہر کی بنا ڈالی اور ۳۷۸ھ میں اسے اہل علم کے سپرد کر دیا گیا اور اس وقت سے وہ اسلام کی ایک مخصوص یونیورسٹی ہے۔[2] اس کے کچھ عرصہ بعد ہی العزیز نے ایک دوسری مسجد کی بنا ڈالی جسے اس کے بیٹے اور جانشین الحاکم نے مکمل کیا اور اسی کے نام سے یہ مسجد موسوم ہوئی۔ الحاکم نے جامع المقس اور جامع راشدہ بھی تعمیر کرائیں۔ جب خاندان ایوبی نے اقتدار حاصل کیا تو قاہرہ میں صرف یہی چھ جامع مسجدیں تھیں۔[3]

علاوہ جامع مسجدوں کے جہاں نماز جمعہ ہوا کرتی تھی اور بھی بہت سی مساجد تھیں جہاں روزانہ پانچ وقت کی نمازیں ہوا کرتی تھیں۔ ابن جبیر (متوفی ۶۱۴ھ) کے زمانے میں حیرت انگیز تیزی کے ساتھ مصر میں مساجد کی تعداد بڑھ گئی۔ چنانچہ صرف اسکندریہ میں بارہ ہزار مساجد تھیں۔ ابن جبیر کا قول ہے کہ اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کیونکہ اس نے ایک ہی مقام پر چار یا پانچ مسجدیں دیکھیں۔[4]

جہاں تک مساجد میں تعلیم کا تعلق ہے ہم ان کثیر تعداد مساجد میں سے صرف معدودے چند کی تفصیلات پیش کرتے ہیں۔[5]

جامع المنصور

بنائے بغداد کے بعد ۱۴۵ھ میں قصرالذہب اور جامع المنصور کی تعمیر شروع ہوئی۔[6] اس منصوبہ پر اٹھارہ کروڑ دینار صرف ہوئے۔[7] ہارون رشید کے عہد میں مسجد دوبارہ تعمیر ہوئی اور المعتضد کے دور میں نمازیوں کی کثرت کے باعث اس میں توسیع کی گئی۔[8]

یہ مسجد ایک نہایت ہی اعلیٰ مدرسہ تھا اور تمام اہل علم کا مرکز۔ یہ اتنا ناسور مدرسہ تھا کہ خطیب بغدادی نے حرم شریف میں جن تین باتوں کے لیے دعا مانگی تھی ان میں پہلی بات یہ تھی کہ انہیں اس مدرسہ میں پڑھانے کا موقع نصیب ہو۔[9] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پانچویں صدی میں حنبلی طلباء نے اس مدرسہ کو اپنی سرگرمیوں

۱- ''تاریخ الجامع الطولونی'' از محمود، عخش، صفحہ ۳۴، (قاہرہ ۱۹۲۷)۔
۲- ''قاہرہ'' (لین پول)، صفحہ ۱۲۳ - ۱۲۴۔
۳- ''الخطط'' (مقریزی)، جلد ۲، صفحہ ۲۴۴ - ۲۴۵؛ ''حسن المحاضرہ'' (سیوطی)، جلد ۲، صفحہ ۱۴۸۔
۴- ''الرحلہ'' (ابن جبیر)، صفحہ ۴۳۔
۵- ہم تاریخ وار بیان نہیں دیں گے بلکہ بغداد، شام اور مصر کی مساجد کا حال بیان کریں گے۔
۶- ''معجم البلدان'' (یاقوت)، جلد ۲، صفحہ ۲۳۲۔
۷- ایضاً، (یاقوت) جلد ۲، صفحہ ۲۳۵۔
۸- الخطیب البغدادی، جلد ۱، صفحہ ۱۰۸۔
۹- ''معجم الادباء'' (یاقوت)، جلد ۱، صفحہ ۲۴۶۔

Marfat.com

اور تعلیم کا مرکز بنا لیا تھا کیونکہ ۴۵۱ھ میں الخطیب البغدادی موصوف پر ان لوگوں نے حملہ کیا اور انھیں زخمی کر دیا۔[1] الکسائی بھی اس مسجد میں درس دیا کرتے تھے اور عموماً ان کے درس میں الفراء، الاحمر، ابن السعدان، اور الاخفش شریک ہوا کرتے تھے۔[2] ایک کوفی سیاح اس مسجد میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ طلباء ایک شیخ سے نہایت دردناک نظم سن رہے ہیں اور شیخ کے آنسو جاری ہیں۔ وہ کوفی بھی حلقہ میں شریک ہو گیا اور اس نظم کو لکھ لیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ استاد ابو العتاھیہ تھے۔[3]

اسی مسجد میں ابو عمرو الزاھد (متوفی ۳۴۵ھ) کی زبان سے متعلق تصنیف موسومہ ''الیاقوت'' کا املا ہوا اور اس پر نظر ثانی کی گئی اور مصنف نے اس مضمون پر محرم ۳۲۶ھ میں لیکچر شروع کیے۔[4]

جامع دمشق

جامع دمشق کا شمار قرون وسطیٰ کے چار عجائبات میں کیا جاتا ہے۔[5] اس خیال کی تائید میں ہم اس مسجد کے متعلق چند باتیں بیان کرتے ہیں۔

اس مسجد کی تعمیر میں الولید بن عبد الملک نے اپنی سلطنت کے سالانہ محاصل کی سات گنا رقم خرچ کی۔ مسجد کی تعمیر میں آٹھ سال صرف ہوئے۔ اس کی بنیاد و تعمیر سے متعلق کاغذات اٹھارہ اونٹوں پر لاد کر بھیجے گئے۔ مسجد کی تعمیر کرنے والے مزدوروں کے لیے چھ ہزار دینار کی تو صرف دالیں خریدی گئیں اور مسجد میں جھاڑ فانوس لٹکانے کے لیے سونے کی چھ زنجیریں بنوائی گئیں۔

کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص وہاں سو سال بھی قیام کرتا تو روز ایک نہ ایک نئی چیز اس کے مشاہدہ میں آتی۔[6] اس کی عمارت اور خصوصاً قدیم حصۂ عمارت اب بھی دیکھنے والے پر اس کی شان و شوکت کا اثر ڈالتا ہے۔

یہ مسجد ایک تعلیمی مرکز تھی۔ ابن جبیر کا بیان ہے کہ اس مسجد میں درس کے متعدد حلقے قائم تھے اور اساتذہ کے لیے معقول مشاہرہ کے علاوہ خور و نوش کا بھی انتظام تھا۔ مالکی طلباء جن میں اکثر مغربی تھے مغربی گوشہ میں مالکی علماء سے سبق لیتے تھے۔ ایک حلقہ کے لیے جس کے استاد ستون سے سہارا لگا کر

۱- ''معجم الادباء''۔
۲- ایضاً، جلد ۴، صفحہ ۲۷۳۔
۳- ''الاغانی'' جلد ۳، صفحہ ۱۴۸۔
۴- ''الفہرست'' (ابن الندیم)، صفحہ ۱۱۳۔
۵- ''البلدان'' (ابن الفقیہ)، صفحہ ۱۰۶۔
۶- ایضاً، صفحہ ۱۰۷—۱۰۸؛ ''معجم البلدان'' (یاقوت)، جلد ۴، صفحہ ۷۶۔

Marfat.com

سبق دیا کرتے تھے بہت بڑا وقف تھا[۱] - داخلی دروازہ باب البرید کے بائیں جانب ایک شافعی مدرسہ تھا جس کے وسط میں ایک حوض تھا[۲] - طلباء شور و شغب سے بچ کر پرسکون گوشوں میں چلے جاتے اور وہاں مطالعہ میں مصروف رہتے تھے[۳] - الخطیب بغدادی کا حلقۂ درس بہت وسیع ہوتا تھا جہاں بے شمار سامعین ہوتے تھے[۴] -

جامع عمر

اس مسجد کی تعمیر ۲۱ھ میں ہوئی اور بعد ازاں متعدد بار مرمت و توسیع کی گئی[۵] - ۳۸ھ ہی سے یہاں سلیمان بن عتر لوگوں کے قضیے چکایا کرتے تھے اور القصیص کی مدد سے پند و نصائح کا وعظ کہا کرتے تھے[۶] - اس وقت یہ مسجد ایک تعلیمی مرکز اور عدالت کا کام دیتی تھی - المقریزی لکھتے ہیں کہ شہر میں ایک وبا پھوٹ پڑی تھی - اس حادثہ سے قبل اس مسجد میں کوئی چالیس حلقہ ہائے درس قائم تھے جو کبھی بند نہ ہوتے تھے[۷] - ہمارے پاس اس مسجد کے تقریباً آٹھ زاویوں کی تفصیلات موجود ہیں لیکن ہم یہاں صرف تین زاویوں کا حال بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں :

(۱) زاویہ امام شافعی جہاں امام صاحب خود درس دیا کرتے تھے - المقریزی کے عہد تک اس زاویہ میں صرف بہترین قسم کے علمائے دینیات اور فضلاء ہی درس دیا کرتے تھے -

(۲) زاویہ مجدیہ میں قاضی القضاۃ وجیہ‌الدین عبدالوہاب البہنبی کا تقرر ہوا تھا - مقریزی کے زمانے تک یہ عہدہ ایک نشان امتیاز تصور کیا جاتا تھا -

(۳) زاویہ صاحبیہ میں شافعی اور مالکی اساتذہ کا تقرر ہوا کرتا تھا[۸] -

اس مسجد میں ادبی مجالس بھی منعقد ہوا کرتی تھیں - لکھا ہے کہ الطبری نے ۲۵۳ھ میں ایک حلقہ قائم کیا تھا جہاں انہوں نے الطرماح کا کلام ابوالحسن بن السراج کی درخواست پر سنانے کا اہتمام کیا تھا[۹] -

---

۱ - ''الرحلہ'' (ابن جبیر) ، صفحہ ۲۷۲ -
۲ - ایضاً صفحہ ۲۷۱ -
۳ - ایضاً ، صفحہ ۲۶۶ -
۴ - ''معجم الادباء'' (یاقوت) ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۰۰ -
۵ - ''الخطط'' (مقریزی) ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۴۶-۲۵۶ -
۶ - ایضاً ، صفحہ ۲۵۳ -
۷ - ایضاً ، صفحہ ۲۱۶ -
۸ - ایضاً ، صفحہ ۲۵۵-۲۵۶ -
۹ - ''ارشاد'' (یاقوت) ، جلد ۶ ، صفحہ ۴۳۲ -

Marfat.com

اس عہد میں مساجد ہی عربوں کے مختلف قسم کے علوم کے مراکز تھیں - علاوہ مندرجہ بالا مثالوں کے ہم محض اختصار کے خیال سے چند اور حلقوں کے نام گناتے ہیں مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس کا حلقہ جو وہ ہر جمعرات کو کعبہ میں منعقد کیا کرتے تھے اور وہاں تفسیر کا درس ہوتا تھا[1] - حلقہ ربیعۃالرائے جو مدینہ کی مسجد میں منعقد ہوا کرتا تھا اور جہاں مالک اور حسن اور مدینہ کے اعلیٰ طبقہ کے حضرات فلسفۂ آئین کا درس لیا کرتے تھے[2] - اور حلقہ الحسن البصری بصرہ میں دینیات کے لیے قائم ہوا تھا[3] - حضرت حسن بصری کے حلقے میں دو فریق ہو گئے اور واصل بن عطاء نئے فریق کے سر براہ نے ایک حلقہ قائم کیا جہاں خصوصی طور پر متکلمانہ دینیات کو ترقی ہوئی[4] -

مسجد میں عربی علم‌اللسان کا درس بھی ہوتا تھا - ابو عمرو الزاهد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ مسجد منصور میں نحو کا درس دیا کرتے تھے[5] اور نفطویہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اسی مضمون پر مسجد الانباریہ میں درس دیا کرتے تھے[6] - سنا ہے غرناطہ میں ایک نحوی استاد مسجد میں اپنے گرد بہت سے شاگردوں کو جمع کر لیا کرتا تھا[7] -

مساجد میں ادبی تحقیق کا کام بھی ہوا کرتا تھا - کوفہ کی مسجد میں کمیت بن زید اور حماد الراویہ عموماً ایک ادبی حلقہ منعقد کیا کرتے تھے جہاں یہ دونوں شاعر ادبی مسائل پر بحث کیا کرتے تھے[8] - سعید بن المسیب مدینہ کی مسجد میں عربی شاعری پر بحث کیا کرتے تھے[9] - اور مسلم بن الولید اکثر مسجد بصرہ میں حلقہ قائم کرکے اپنا کلام سنایا کرتے تھے[10] -

مسجد میں طب کا درس بھی ہوا کرتا تھا -

ابن طولون کی مسجد میں تفسیر ، حدیث ، فقہ ، اور علم ہیئت پر تحقیقی کام ہوا کرتا تھا -

عبداللطیف بغدادی سے روایت ہے کہ میں جامع ازہر میں صبح و شام درس دیا کرتا تھا اور دوپہر کو ایک عالم طب آتے جو طب پر درس دیا کرتے تھے[11] -

---

۱ - ''باب العلم'' (بخاری) ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۹ ؛ ''الاتقان فی علوم القرآن'' (سیوطی) ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۲۴-۲۲۵ -
۲ - ابن خلکان جلد ۱ ، صفحہ ۲۵۷-۲۵۸ -
۳ - ایضاً ' جلد ۲ ، صفحہ ۲۵۲ -
۴ - ایضاً -
۵ - ''الفہرست'' (ابن الندیم) ، صفحہ ۱۱۳ -
۶ - ایضاً ' صفحہ ۱۲۱ -
۷ - المقریزی ' جلد ۲ ، صفحہ ۲۵۴ -
۸ - الاغانی ' جلد ۱۵ ، صفحہ ۱۱۳-۱۱۴ -
۹ - الطبری' جلد ۲ ، صفحہ ۱۲۶۶ -
۱۰ - ''الموشح'' (المرزبانی) ، صفحہ ۲۸۹-۲۹۰ -
۱۱ - ابن ابی اصیبعہ ' جلد ۲ ، صفحہ ۲۰۷ -

Marfat.com

فصل دوم

(۲) مدارس

تمہید

قبل اس کے کہ مدارس کے متعلق کچھ لکھا جائے چند اہم نکات پر غور کر لینا ضروری ہے۔

(۱) تعلیم مساجد سے مدارس کی طرف کیوں منتقل ہوئی؟

عروج اسلام کے ساتھ ساتھ طلباء کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی تھی لہذا تعلیمی حلقوں کی تعداد بھی بڑھتی رہی۔ حلقوں کی تعداد بڑھ جانے سے اور تعلیم کے شور و شغب سے مساجد میں نماز کے اوقات میں گڑ بڑ واقع ہوتی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ سوائے نماز جمعہ کے جامع ازہر کو بالکل تعلیم کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ لیکن اس مسئلہ کا یہ قابل اطمینان حل نہ تھا۔ مساجد کی تعمیر تو محض عبادت کے لیے ہوتی تھی اور عبادت میں کمی کسی صورت بھی گوارا نہیں کی جا سکتی تھی۔ مزید براں تعلیم کو ترقی ہوئی اور نئے نئے مضامین کا اضافہ ہوا مثلاً مباحثے اور مناظرے ہونے لگے۔ مسجد میں تو خاموشی اور تقدس کا لحاظ ضروری تھا لہذا اس قسم کے کام خاطر خواہ طور پر انجام نہیں دیے جا سکتے تھے۔ ان حالات میں تعلیم کا مسجد سے مدرسہ کی طرف منتقل ہونا قدرتی بات تھی۔ ہم یہاں اس مسئلہ کے متعلق وان کریمر کا نظریہ پیش کرتے ہیں جو قابل غور ہے۔ ان کا قول ہے کہ[۱]:

''علم کی ترقی و توسیع کے باعث ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی تھی جس کے لیے مجرد علمی فضیلت کی خاطر معقول زندگی بسر کرنا دشوار ہو گیا تھا۔ علم کی مزید توسیع کی غرض سے اور ایسے حضرات کے لیے وظائف کا انتظام کرنے کی غرض سے مدرسے قائم کیے گئے تھے۔''[۱]

(۲) مساجد و مدارس میں کیا فرق تھا؟

ان دونوں مقامات میں ایک حد تک تو فرق غیر واضح تھا کیونکہ ہم نے مسجد میں مدرس[۲] کا اور مدرسہ میں موذن کا تقرر ہوتے بھی سنا ہے[۳] لیکن پھر بھی چند خصوصیات ایسی ہیں جن سے مدرسہ متمیز کیا جا سکتا ہے۔ مدارس میں ایک نمایاں خصوصیت یہ ہوتی تھی کہ ہر مدرسہ میں زمانۂ حاضرہ کے پکچر روم کی طرح ایک

۱- ''اسلامک سولزیشن (خدا بخش)، صفحہ ۲۵۸ -
۲- ''الروضتین'' (ابوشامہ) جلد ۱، صفحہ ۱۸۹ -
۳- ''الخطط'' (مقریزی)، جلد ۲، صفحہ ۳۷۴—۴۰۰ -

ایوان ہوتا تھا اور اکثر و بیشتر مدارس سے ملحق سکونتی مکانات بھی ہوا کرتے تھے۔ ابن العجمی کا بیان ہے کہ جب نورالدین نے حلب پر قبضہ کر لیا تو مسجدالسراجین کو مدرسہ بنا دیا اور پھر ایک ایوان اور سکونتی مکانات بھی اسی میں نکالے گئے[۱] علاوہ ازیں مدرسہ کے مستقل طلباء کی تعداد اکثر محدود رہتی تھی۔ مدرسہ کے اوقاف میں طلباء کے وظائف کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔

(۳) مدرسے زیادہ تر مذہبی تعلیم ہی کے لیے کیوں وقف تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ بیشتر مدارس میں مسلمانوں کی سرگرمیاں دینی تعلیم ہی پر مرکوز تھیں اور دنیاوی علوم کی مختلف شاخوں کی ترقی پر ان کی توجہ کم تھی۔ چنانچہ ان میں سے بیشتر مدارس شافعی، حنفی، مالکی یا حنبلی فقہ سے متعلق تھے اور ان ناموں ہی سے مشہور تھے۔

ضرورت زمانہ اس کا باعث تھی۔ عراق، شام اور مصر میں بویہ اور فاطمی خاندانوں کو اقتدار حاصل تھا اور چونکہ یہ دونوں خاندان عقاید کے لحاظ سے شیعہ تھے لہٰذا شیعہ مذہب کی تبلیغ کرتے تھے اور بعض حالات میں اپنے عقاید اپنی رعایا پر زبردستی ٹھونستے تھے۔[۲] ان دونوں خاندانوں کے زوال کے بعد سلجوقی اور ایوبی خاندان برسر اقتدار آئے۔ یہ دونوں عقاید اہل سنت و الجماعت پر عامل تھے۔ انھوں نے رد عمل میں ایسے مدرسے جاری کیے جہاں دین حق کی صحیح تعلیم دی جاتی تھی۔ پس یہ قدرتی بات ہے۔ بیشتر مدارس میں دینی تعلیم پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔

سنی عقاید کی بالا دستی کے بعد دنیاوی تعلیم نے بھی پہلی سی اہمیت حاصل کرلی تھی مثلاً المستنصر (متوفی ۶۴۰ھ) نے اپنے مدرسہ المستنصریہ میں دس طلباء کی طبی تعلیم کے لیے ایک طبیب کے تقرر کا حکم نافذ کیا تھا۔ اس نے یہ بھی حکم نافذ کیا تھا کہ جو وظائف دینی علماء اور طلباء کو دیے جاتے ہیں وہی طبیب اور اس کے شاگردوں کو دیے جائیں[۳]۔

اسلامی دنیا میں مدارس کا قیام

سلجوقیوں کے ہاتھوں بغداد کی فتح (۲۵ محرم ۴۴۷ھ) شیعیت کے خلاف جد و جہد کا نقطۂ انقلاب تھا۔ شیعی عقاید جن کو بویہ نے ترقی دی تھی اب بغداد میں کہیں موجود نہ تھے۔ رفض کی جگہ سنی عقاید قائم کرنے کے لیے سلجوقیوں نے اس کے برخلاف تبلیغ کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ لوگوں کو صحیح مذہب سے واقفیت ہونی لازمی ہے۔ لہٰذا ہر جگہ کالج قائم کرنے ضروری ہیں۔ جیسے ہی سلجوقیوں کو اقتدار حاصل ہوا، اس خیال کو نظام الملک (متوفی ۴۸۵ھ) وزیر الپ ارسلان اور ملک شاہ نے

۱- ''کنوزالذہب فی تاریخ حلب'' (غیر مطبوعہ روما)۔
۲- ''دول الاسلام'' (الذہبی)، جلد ۱، صفحہ ۱۷۱۔
۳- ''المدرسۃ المستنصریہ'' (معروف)، صفحہ ۴۶۔

Marfat.com

عملی جامہ پہنایا ۔ نظام الملک نے بغداد و نیشا پور اور دیگر شہروں میں شاندار کالج قائم کیے جو اسی کے نام سے موسوم ہوئے ۔

اس کے بعد سے اسی مقصد کے تحت مدارس کا قائم کیا جانا برابر جاری رہا لیکن نظام الملک کی پیروی کرنے والوں میں سب سے زیادہ نمایاں ہستی نورالدین کی ہے جس نے سب سے پہلے دمشق میں مدارس قائم کیے۔[۱] نورالدین ۵۴۱ھ میں تخت نشین ہوا اور فوراً ہی اس نے اپنی سلطنت کے بڑے بڑے شہروں میں کالج قائم کرنے شروع کیے اور یہ سلسلہ اس کی وفات تک جو ۵۶۹ھ میں واقع ہوئی جاری رہا ۔

خاندان ایوبی کے تحت مصر میں مدارس کا ایک سلسلہ جاری ہوا اور ساری مملکت میں جو ایک زمانے میں نورالدین کے زیرنگین تھی کثیر تعداد میں اسکول قائم ہوگئے ۔ بادشاہ ، شہزادے ، شہزادیاں ، تاجر اور ملازمین سرکار تک عام کی سرپرستی میں دلچسپی لینے لگے اور اسکول قائم کرنے لگے[۲] ۔

بڑے بڑے مدارس کی فہرست جو ہم آگے درج کریں گے اس تعلیمی منصوبہ پر روشنی ڈالے گی جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے ۔

مدارس نظام الملک

ابو شامہ لکھتے ہیں کہ نظام الملک کے قائم کردہ مدارس تمام دنیا میں مشہور ہیں ۔ کوئی گاؤں ایسا نہ تھا جہاں ایک مدرسہ نہ ہو یہاں تک کہ جزیرہ ابن عمر میں بھی جو دنیا کے ایک دور گوشہ میں آباد تھا اور جہاں آبادی بھی معمولی تھی ایک بڑا مدرسہ موجود تھا جو ایک شخص رضی الدین کے نام سے منسوب تھا[۳] ۔

عمادالدین الاصفہانی لکھتے ہیں ''نظام الملک کو جہاں کہیں کسی شہر میں کوئی عالم مل جاتا ہے وہ وہیں فوراً ایک مدرسہ قائم کر دیتے ہیں تاکہ وہ اس مدرسہ میں درس جاری کردے ۔ پھر اس مدرسہ کے لیے جائداد وقف کردی جاتی ہے اور کتابیں مہیا کر دی جاتی ہیں[۴] ۔

اسی قسم کے متعدد بیانات مختلف ماخذوں میں ملتے ہیں لیکن السبکی مندرجہ ذیل شہروں کے نام گناتے ہیں جہاں نظام الملک نے نہایت منظم ایک ایک کالج قائم کر دیا

۱- مضمون ''شیخ الطباخ'' ۔ ''رسالہ الجامعۃ الاسلامیہ'' نمبر ۳۲۲ صفحہ ۳۰ ۔

۲- مدارس قائم کرنے کی جو تحریک ایوبیوں نے جاری کی تھی وہ اس خاندان کے زوال کے بعد بھی جاری رہی ، مملوک حکمرانوں نے جو اپنے آقاؤں کے بعد خود مالک ہوئے نہایت جوش و خروش سے یہ کام مصر و شام میں جاری رکھا ۔ لہٰذا مملوک مدارس کی معلومات کے لیے یہی کافی ہوگا کہ مقریزی ، سیوطی ، ابن دوقمی ، نعیمی اور مجیرالدین کے حوالہ سے ایوبی کا حال بیان کر دیا جائے ۔

۳- ''الروضتین'' جلد ۱ ، صفحہ ۲۵ ۔

۴- ''تاریخ السلجوق'' صفحہ ۵۷ ۔

Marfat.com

تھا اور ان کے لیے معقول جائداد وقف کردی تھی : بغداد ، بلخ ، نیشا پور ، ہرات ، اصفہان ، بصرہ ، مرو ، امل اور موصل -

السبکی اپنے بیان کو ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں :

''کہا جاتا ہے کہ نظام الملک نے عراق اور خراسان کے ہر شہر میں ایک مدرسہ قائم کر دیا تھا -''[1]

مدارس نورالدین

شام کے مختلف شہروں میں جو مدارس نورالدین نے قائم کیے تھے ان کے متعلق اکثر ماخذوں میں یوں ہی چلتے ہوئے بیانات پائے جاتے ہیں[2] - تاہم ہمارے پاس بالکل صحیح حالات موجود ہیں جن کی بنا پر ہم نورالدین کے مدارس کی ایک صاف تصویر پیش کر سکتے ہیں جو درج ذیل ہے :

دمشق کے مدارس

نام مدرسہ	ماخذ
دارالحدیث النوریہ	النعیمی ۱ : ۹۹
الصلاحیہ	'' ۱ : ۳۳۱
العمادیہ	'' ۱ : ۴۰۷
الکلاسہ	'' ۱ : ۶۰۶
النوریة الکبریٰ	'' ۱ : ۴۴۷
النوریة الصغریٰ	'' ۱ : ۶۴۸

فہرست مدارس کے اختتام پر اس مدرسہ کا حال تفصیل سے بیان کیا جائے گا -

حلب کے مدارس

نام مدرسہ	ماخذ
الحلویہ	''اعلام النبلاء'' جلد ۲ ، صفحہ ۷۱ - ''الدرالمنتخب'' صفحہ ۱۱۵
العصرونیہ	''اعلام'' ۲ - ۷۵ ؛ ''الدر'' صفحہ ۱۱۰
النوریہ	''اعلام'' ۲ - ۷۶ ؛ ''الدر'' صفحہ ۱۱۱
الشعیبیہ	''اعلام'' ۲ - ۷۶

دیگر شہروں میں

ایک ایک مدرسہ حماہ اور حمص میں	''مفرج الکرب'' صفحہ ۱۶۵ غیر مطبوعہ
ایک مدرسہ بعلبک میں	النعیمی جلد ۱ : ص ۳۰۱

۱- ''طبقات الشافعیة الکبریٰ'' جلد ۳ ، صفحہ ۱۳۷ -

۲- مثال کے طور پر ملاحظہ ہو ''الروضتین'' جلد ۱ ، صفحہ ۱۴ -

Marfat.com

عہد ایوبی کے مدارس

قائم کردہ سلاطین

مدارس مصر

نام مدرسه	نام مؤسس	ماخذ
الناصریه ملحق جامع عتیق	صلاح الدین	"الخطط" جلد ۲ : ۳٦۳ ابن و قماق ۴ - ۹۳
القمحیه	"	"الخطط" ۲ : ۳٦۴ - ابن قماق ۴ : ۹۵
السیوفیه	"	"الخطط" ۲ : ۳٦۵ -
الناصریه (القرافه میں)	"	ایضاً ، ۴۰۰ ؛ حسن المحاضره ۲ ؛ ۱۵۷
العادل	العادل	"الخطط" ۲ ؛ ۳٦۵
الکاملیه	الکامل	ایضاً ۲ - ۳۷۵ - حسن المحاضره ! ۲ ۱۵۹
الصالحیه	نجم الدین ایوب	"الخطط" ۲ ؛ ۳۷۴ حسن المحاضره

مدارس یروشلم

نام مدرسه	نام مؤسس	ماخذ
الصلاحیه	صلاح الدین	الانس "الجلیل" ۲ : ۳۹۳
الافضلیه	الافضل بن صلاح الدین	ایضاً ۲ : ۳۹۷
النخویه	المعظم عیسیٰ	ایضاً ۲ : ۳۸٦

مدارس دمشق

نام مدرسه	نام مؤسس	ماخذ
الصلاحیه	صلاح الدین	النعیمی ۲ : ۱۰
العزیزیه	العزیز بن صلاح الدین	ایضاً ۱ : ۳۸۲
الزاهریة البرانیه	الزاهر بن صلاح الدین	ایضاً ۱ : ۳۴۰
العادلیة الکبری	الملک العادل	ایضاً ۱ : ۳۰۹
المعظمیه	المعظم عیسیٰ	ایضاً ۱ : ۵۷۹ - ابن طولون ۱۴۳
دارالحدیث الاشرفیه البرانیه	موسیٰ بن العادل	ایضاً ۱ : ۴۷
العزیزیه	العزیز بن العادل	ایضاً ۱ : ۵۴۹

مدارس قائم کردہ امراء و وزراء و اراکین خاندان شاہی

مدارس مصر

نام مدرسه	نام بانی	عہدہ	ماخذ
القطبیه	قطب الدین خسرو	امیر	"الخطط" ۲ - ۳۶۵
منازل العز	تقی الدین عمر	شہزادہ	"الخطط" ۲ - ۳۶۴
الفیوم میں تقی الدین نے دو مزید مدرسے قائم کیے تھے			ابن دقماق ۳ - ۹۳
الفاضلیه	القاضی الفاضل	وزیر	الخطط ۲ - ۳۶۶
الازکشیه	سیف الدین ایاز کوچ	امیر	,, ۲ - ۳۶۷
السیفیه	سیف الدین بن ایوب	شہزادہ	,, ۲ - ۳۶۸
العاشوریه	العاشورہ بنت ساروح	زوجه امیر	,, ۲ - ۳۶۸
القطبیه	عصمت الدین بنت العادل	شہزادی	,, ۲ - ۳۹۱
الشریفیه	الشریف فخر الدین	امیر	,, ۲ - ۳۷۳
الصاحبیه	عبداللہ بن علی	وزیر	,, ۲ - ۳۷۱
الفخریه	فخر الدین البارومی	استادار الکامل	,, ۲ - ۳۶۷
الصیرمیه	جمال الدین بن صیرم	امیر	,, ۲ - ۳۷۸
الفائزیه	شرف الدین ہبت اللہ	وزیر	,, ۲ - ۳۶۵
			ابن دقماق ۳ - ۹۲

مدارس یروشلم

المیمونیه	میمون بن عبداللہ	امیر	"الانس الجلیل" ۲ - ۳۹۹
البدریه	بدر الدین بن ابی القاسم	امیر	,, ۲ - ۳۹۸

مدارس دمشق

الصاحبیه	رابعه بنت نجم الدین	شہزادی	النعیمی ۲ - ۷۹
الفرخ شاهیه	فرخ شاہ بن شاہنشاہ	شہزادہ	,, ۱ - ۵۶۱
العذراویه	عذرا بنت نورالدوله	شہزادی	,, ۱ - ۳۷۳
التقویه	تقی الدین بن شاہنشاہ	شہزادہ	,, ۱ - ۲۱۶
الشامیة البرانیه	صلت الشام بن نجم الدین	شہزادی	,, ۱ - ۲۷۷
الشامیة الجوانیه	,,	,,	,, ۱ - ۳۰۱
الهاردانیه	خاتون عزیزہ	زوجه المعظم	,, ۱ - ۵۹۲
البهنیه	مجد الدین البهنی	وزیر	,, ۱ - ۲۱۵

۱- امیر اس شخص کا لقب ہوتا تھا جو اعلیٰ قابلیت کا مالک ہو اور سلطان کا انتظامی فوجی معاملات میں مشیر ہو۔

Marfat.com

الاتابکیه	خاتون بنت عزالدین	زوجه الاشرف	النعیمی	۱ - ۱۲۹
العزیة البرانیه	عزالدین اعظمی	نائب شاه صرخد	,,	۱ - ۵۵۰
العزیة الجوانیه	,,	,,	,,	۱ - ۵۵۵
العزیة الحنفیه	,,	,,	,,	۱ - ۵۵۷

مدارس قائم کرده عوام الناس

مدارس مصر

ابن الارسوفی	عبدالله بن الارسوفی	تاجر	"الخطط"	۲ - ۳۶۳
المسروریه	مسرور الصفدی	ملازم	,,	۲ - ۳۷۸
الغزنویه	حسام الدین قائیماز	مرد آزاد	,,	۲ - ۳۹۰
ابن بشیق	زائرین تکرور	,,	,,	۲ - ۳۶۵

مدارس دمشق

العصرونیه	شرف‌الدین بن عصرون	قاضی القضاة	النعیمی	۱ - ۳۹۸
الفلکیه	فلک الدین سلیمان	برادر عادل	,,	۳ - ۳۳۱
الاقبالیه	جمال الدین اقبال	مرد آزاد	,,	۱ - ۱۵۸
المسروریه	شبل الدین کافور	ملازم	,,	۱ - ۳۵۵
العمریه	ابو عمر المقدسی	قاضی القضاة	,,	۲ - ۱۰۰
دارالحدیث العرویه	شرف الدین بن عروه	عالم دینیات	,,	۱ - ۸۲
الرواحیه	زکی الدین بن رواحه	تاجر	,,	۱ - ۲۶۵
الصارمیه	صارم الدین بن ازبک	مرد آزاد	,,	۱ - ۳۲۶
الشبلیة البرانیه	شبل الدین کافور	ملازم	,,	۱ - ۵۳۰

شبل الدین کی وفات ۶۲۳ھ میں ہوئی اور اس کی وصیت کے مطابق مدرسہ اس کی وفات کے بعد ۶۲۶ھ میں تعمیر ہوا ـ

الرکنیه	رکن الدین منکرس	مرد آزاد	النعیمی	۱ - ۲۵۳
الدولعیه	جمال الدین الدولعی	عالم دینیات	,,	۱ - ۲۳۲
الدماغیه	زوجه شجاع الدین الدماغ	,,	,,	۱ - ۲۳۶

مدارس طب

الدخواریه	المهذب الدین دخوار	طبیب	النعیمی	۲ - ۱۲۷
الدنیسریه	عماد الدین دنیسری	,,	,,	۲ - ۱۳۳

نوٹ (۱) طبی مدارس کی اس قلیل تعداد پر حیرت ہوسکتی ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ طبی تعلیم زیادہ تر ہسپتالوں میں ہوا کرتی تھی ـ مثال کے طور پر ابن ابی صیبعہ کا

Marfat.com

بیان ہے کہ طبیب ابوالمجد بن عبدالحکم (چھٹی صدی) ہسپتال نور الدین کے ایوان میں طلبائے طب کو تعلیم دیا کرتا تھا (''عیون الانباء'' جلد ۲ ، صفحہ ۱۵۵)۔ مصر میں المنصوری کے ہسپتال میں بھی طبیب اعلی ایک جگہ طب کی تعلیم دیا کرتا تھا (''الخطط'' جلد ۲ - صفحہ ۴۰۶) (اسلامی دنیا کے بے شمار ہسپتالوں کے لئے ملاحظہ ہو ابن العبری ، ابن جبیر ، اور ''الخطط'') -

نوٹ (۲) قرون وسطیٰ کے اسلامی مدارس کے نمونے کے طور پر میں دمشق کے مدرسہ النوریۃ الکبریٰ کا تفصیلی جائزہ پیش کروں گا جسے میں نے خود ستمبر ۱۹۵۰ میں دیکھا تھا - اس مدرسہ کا نقشہ درج ذیل ہے :

(۱) ایوان
(۲) مسجد
(۳) اساتذہ کی آرام گاہ
(۴) طلباء کے کمرے
(۵) منتظم کا مکان
(۶) بیت الخلاء
(۷) مطبخ
(۸) گودام اجناس
(۹) گودام متفرقات

النوریۃ الکبریٰ

ابن جبیر نے چھٹی صدی میں اس درس گاہ کو ان الفاظ میں یاد کیا ہے کہ ''یہ دنیا کے بہترین کالجوں میں سے ہے''[1]۔ اس درس گاہ کو اس وقت بھی دیکھ کر یہی خیال ہوتا ہے کہ اپنے عروج کے زمانے میں ایسی ہوگی جیسا بیان کیا جاتا ہے - وہ بہت ہی شاندار معلوم ہوتی ہے اور ایک اقامتی ہائی اسکول میں جتنی ضروریات ہونی چاہئیں وہ سب وہاں موجود ہیں - ابوشامہ[2] (۶۶۵ھ) اور ابن شداد[3] (۶۸۴ھ) کے بیانات کے مطابق نور الدین نے یہ مدرسہ ۵۶۳ھ میں قائم کیا تھا لیکن النعیمی (۹۲۷ھ) جنھوں نے بہت سا مواد ابن شداد ہی سے حاصل کیا ہے اس سے اختلاف کرتے ہیں اور اس مدرسہ کا بانی اسماعیل بن نورالدین کو بتاتے ہیں[4] لیکن النعیمی اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کوئی دلیل نہیں بتاتے۔ وہ صرف اس واقعہ کا حوالہ دیتے ہیں کہ نور الدین کی نعش

---

۱ - ''الرحلہ'' صفحہ ۲۸۴ -
۲ - ''الروضتین'' جلد ، صفحہ ۲۲۹ -
۳ - ''الاعلاق الخطیرہ'' صفحہ ۴۴ غیر مطبوعہ .
''المدارس'' جلد ۱ ، صفحہ ۶۰۷ -

Marfat.com

پہلے سے اس مدرسہ کے احاطہ میں دفن نہیں کی گئی بلکہ اسماعیل کے عہد میں یہاں منتقل کی گئی تھی - لیکن مدارس میں مقبرے بعد میں ہی تعمیر کیے جاتے تھے اور اس لیے النوریہ میں بھی اس کے بانی کی قبر اس کی وفات کے وقت تیار نہ تھی - علاوہ ازیں داخلی دروازہ پر جو کتبہ لگا ہے اس پر نور الدین کا نام بہ حیثیت بانی مدرسہ لکھا ہوا ہے اور اس پر ۵۶۷ھ درج ہے یعنی نور الدین کے وفات سے دو سال قبل -

یہ مدرسہ خط الخواصین میں واقع ہے جو اب الخیاطین کے نام سے مشہور ہے اور مسجد اموی سے کوئی نصف میل کے فاصلہ پر جنوب و مغرب میں واقع ہے -

اس اراضی کا رقبہ جس پر مدرسہ کی تعمیر ہوئی تقریباً پندرہ سو مربع میٹر تھا جس میں سے ڈیرھ سو مربع میٹر اراضی پر مغربی سمت کے ہمسایوں نے قبضہ کر لیا ہے - باقی رقبہ میں وسطی صحن کی وسعت ۳۴.۰ × ۳۰ میٹر ہے اور اس کے بیچوں بیچ حوض (۸.۷ × ۶.۵ میٹر) ہے - ایک چھوٹی نالی بنائی گئی تھی جو حوض کو دریائے قنوات سے ملا دیتی تھی جو مدرسہ کے مغرب کی جانب بہتا تھا - نالی اب بھی موجود ہے جس میں پانی نل کے ذریعہ آتا ہے جس کا تعلق ایک چشمہ سے ہے جو پشت کی دیوار سے ملحق ہے - صحن میں درخت لگے ہوئے ہیں -

مدرسہ کا داخلی دروازہ نہایت شاندار ہے - وہ ایک محراب ہے اور یہ باہر کا دروازہ ہے - ایک چوڑا راستہ صحن تک جاتا ہے آدھے راستے پر ایک دروازہ اور ہے - باہر کے دروازہ پر وقف کا کتبہ نصب ہے -

داخلی دروازہ کے داھنی جانب شیخ محمد دقیق العید (۷۰۲ - ۱۳۰۳) کا مقبرہ ہے جس کا دروازہ سڑک پر کھلتا ہے - دروازہ کے بائیں جانب مدرسہ کے بانی نور الدین کا مقبرہ ہے اس مقبرہ پر ایک شاندار گنبد ہے جو نوری ہسپتال کے گنبد کی مانند ہے - دمشق میں اور کہیں ایسا گنبد نہیں ہے -

داخلی ہال کے دائیں جانب ایک زینہ ہے جو مدرس کے مکان کو جاتا ہے - جب میں نے ستمبر ۱۹۵۰ میں اس مدرسہ کو دیکھا تو اس مکان میں استاذ شیخ صالح العقاد رہتے تھے - اسی زینہ میں سے سیڑھیاں مینار کے باہر کی جانب جاتی ہیں جس کی اونچائی اب چھ میٹر ہے اور جس کے متعلق ہمیں کوئی معلومات حاصل نہیں ہیں - یہی زینہ مدرسہ کی چھت تک چلا گیا ہے -

اس کے علاوہ اب نقشہ میں دیے ہوئے نمبروں کے مطابق تفصیل درج کی جاتی ہے:

(۱) ایوان

قرون وسطیٰ کے ایک مسلم مدرسہ ایوان کو بڑی اہمیت حاصل تھی - عہد عتیق میں اسے وہی درجہ حاصل تھا جو عہد حاضر میں لکچر روم کو حاصل ہے ، اور اسی میں حلقۂ درس ہوا کرتا تھا[۱] - النوریہ کے ایوان کا طول ۸.۲۵ میٹر ، عرض ۸.۷ میٹر اور

---

۱ - دور مابعد میں اکثر مدارس میں فقہی فرقوں کے مطابق ایوانوں کی تعداد ہوا کرتی تھی -

Marfat.com

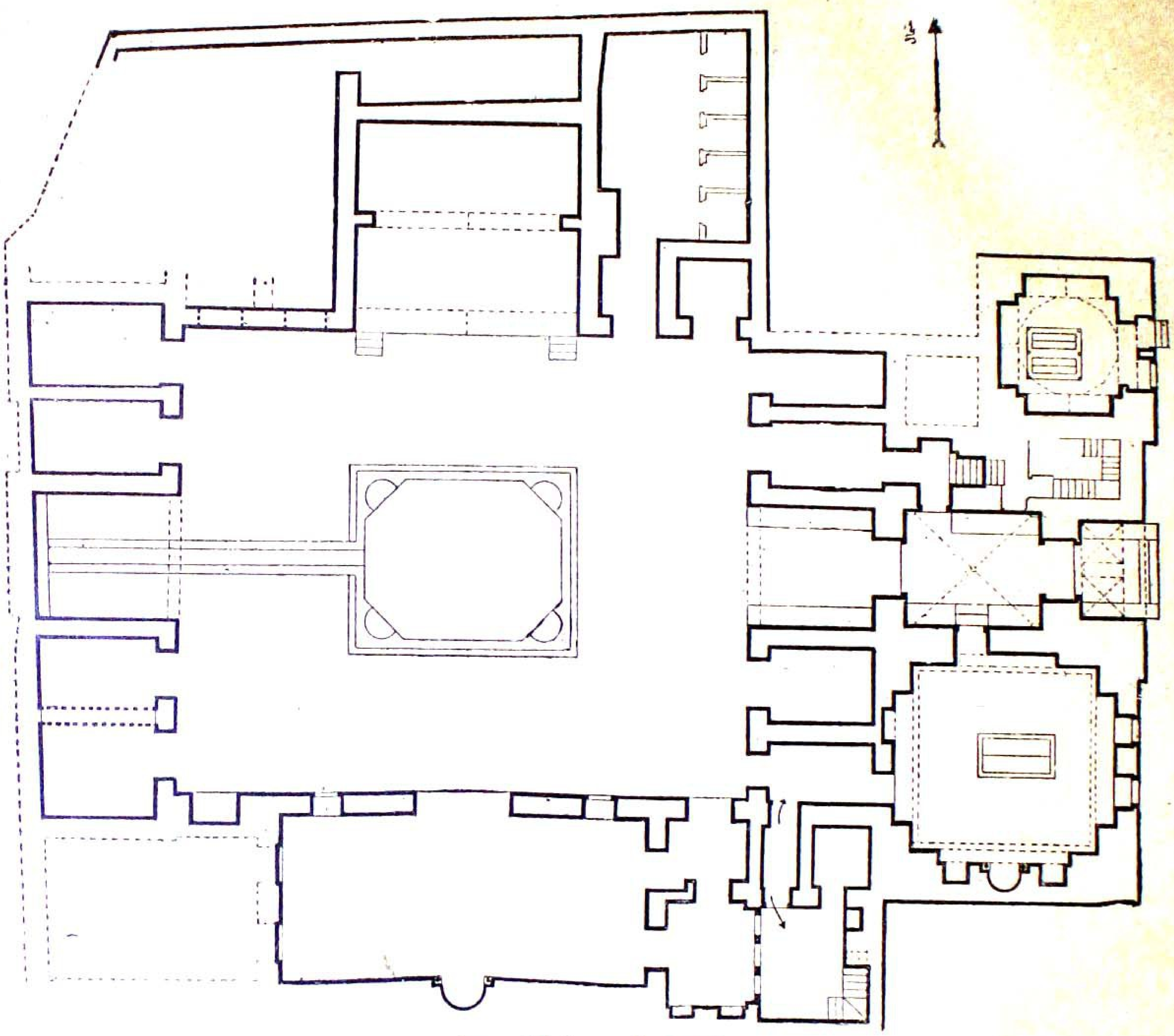

نقشه النورية الكبرى

Marfat.com

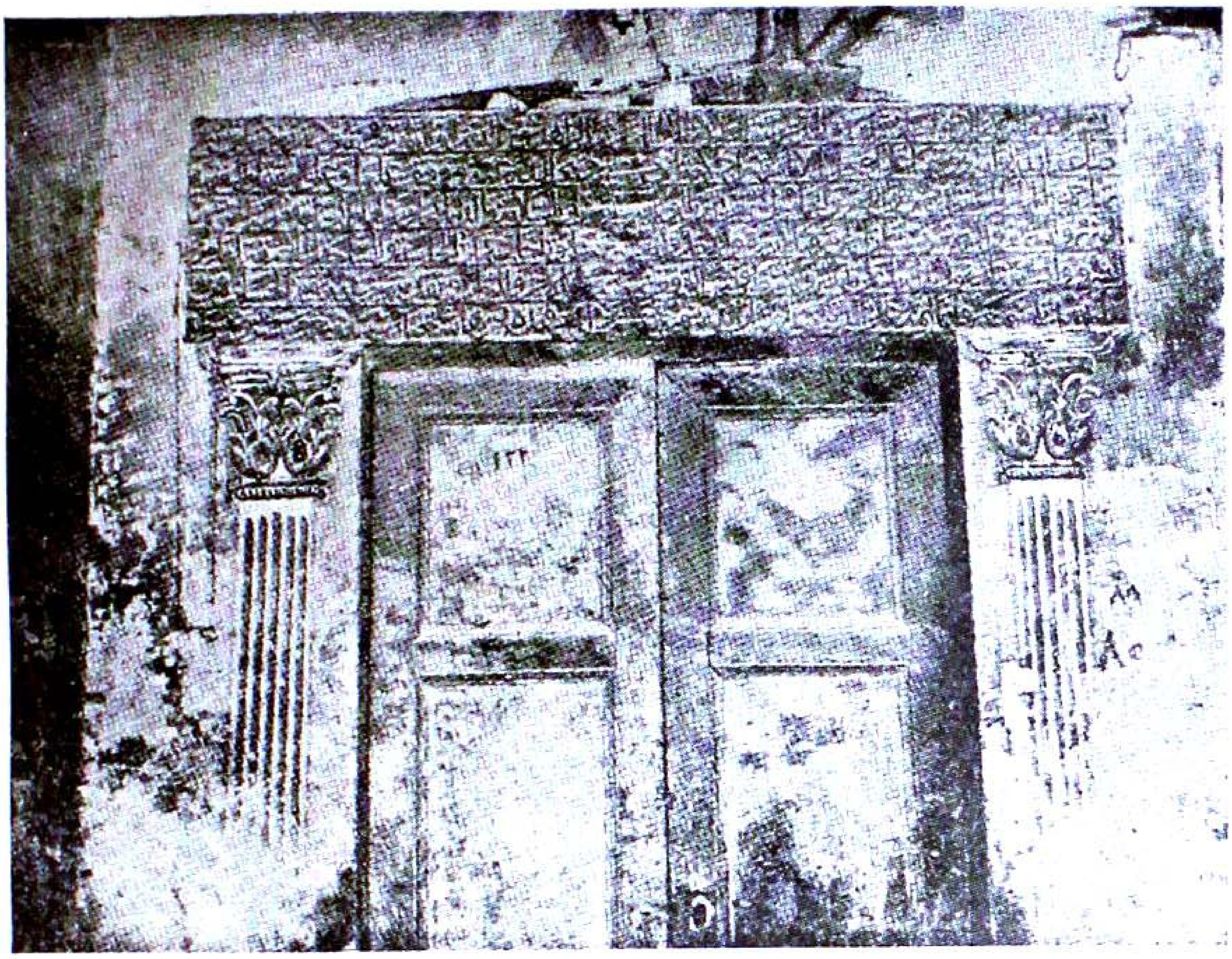

مدرسۃ النوریۃ کا دروازہ

النوریۃ کا صحن

Marfat.com

بلندی ۷،۹۰ میٹر ہے - حوض کے بیچوں بیچ ایک محراب ہے جس کا اضافہ حال ہی میں کیا گیا ہے - ایوان کی کرسی ایک میٹر بلند ہے اور اس پر جانے کے لیے دو سیڑھیاں ہیں جو دونوں سروں پر ہیں -

(۲) مسجد

قرون وسطیٰ کے اسلامی مدرسہ میں ایوان کے بعد مسجد بہت نمایاں نظر آتی ہے - مدرسہ کی مسجد صرف طلباء ہی کے لیے مخصوص نہ تھی بلکہ عوام کے لیے بھی کھلی رہتی تھی - اس لیے یہ قدرتی بات ہے کہ مسجد ایوان سے اتنی دور ہوتی تھی کہ ایوان میں درس ہوتا ہو تو اس سے نماز میں خلل نہ پڑے - مسجد میں ایک پرانی محراب ہے جس کا منہ صحن کی طرف ہے - اس میں بغیر کواڑوں کے تین محراب دار در ہیں - ان میں درمیانی در سب سے بڑا ہے -

(۳) اساتذہ کی آرام گاہ

مسجد سے جانب شرق دو چھوٹے کمرے ہیں جن میں دو دروازے ہیں - یہ دونوں کمرے اساتذہ کے آرام کے لیے بنائے گئے تھے اور اب بھی اسی لیے استعمال ہوتے ہیں -

(۴) طلباء کی آٹھ اقامت گاہیں

ہر اقامت گاہ میں اوپر تلے دو کمرے ہیں اور اندر ہی زینہ ہے - ان اقامت گاہوں میں اب بھی طلباء ہی رہتے ہیں جو دمشق کی مختلف درس گاہوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں -

(۵) نگران کی قیام گاہ

جیسا کہ نقشہ سے ظاہر ہوتا ہے نگران کے مکان میں رہنے کے کمرے اور دفاتر کے کمرے ہیں - میں نے جب دیکھا ہے اس وقت نگران حاجی محمود جوہر تھے -

(٦) بیت الخلاء

اب بھی وہی ہیں اور اسی طرح استعمال میں ہیں -

(۷) مطبخ

خیال ہے کہ اس جگہ مطبخ اور کھانے کا کمرہ تھا جیسا کہ بوڑھے حاجی محمود جوہر نے بیان کیا - کوئی پچاس برس ہوئے ہمسایوں نے اس زمین پر قبضہ کر لیا -

(۸) گودام اجناس

جنس کے گودام پر اب دوسروں کا قبضہ ہے -

(۹) مدرسہ کا گودام

حاجی محمود جوہر کے بیان کے مطابق کوئی ایک قرن قبل صدر مدرس اور پڑوسیوں میں اس اراضی کے متعلق جھگڑا ہوا تھا۔ صدر مدرس کو ناکامی ہوئی تو انھوں نے مسجد

کے غربی دروازے باقی رہنے دیے تاکہ آنے والی نسلیں اس اراضی کو دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکیں -

مدرسہ کے چند اساتذہ

اس مدرسہ میں فقہ حنفی کی تعلیم ہوتی تھی ، اس لیے منتخب حنفی علماء مدرس تھے جن میں سے چند نام یہ ہیں -

بہاء الدین بن العقادہ	(متوفی ۵۹۶ھ)
برہان الدین مسعود	(متوفی ۵۹۹ھ)
الشرف داؤد ۶۲۳ع تک	(متوفی ۶۳۹ھ)
جمال الدین الحصری	(متوفی ۶۳۶ھ)

صدر الدین ابراہیم نے الحصری کے بیٹوں کی بجائے اس وقت تک درس دیا جب تک سب سے بڑا اس قابل نہ ہوگیا اور پھر وہ اس مسند درس پر بیٹھا اور تمام عمر درس دیا - (متوفی ۶۵۵ھ)

نظام الدین الحصری ابن جمال الدین	
صدر الدین بصروی	(متوفی ۷۲۷ھ)
عماد الدین طرسوسی	(متوفی ۷۴۸ھ)[1]

مدرسہ کے اوقاف

مدرسہ کے اوقاف کی تفصیل بہ آسانی پڑھی جاتی ہے جو اس کتبہ میں درج ہے جو دروازہ کے اوپر نصب کیا گیا ہے - کتبہ کا ترجمہ حسب ذیل ہے :

بسم اللہ الرحمن الرحیم - یہ بابرکت مدرسہ زاھد و عابد اور منصف مزاج بادشاہ نورالدین ابوالقاسم محمود بن زنگی بن اقسنقار کے حکم سے جاری کیا گیا - خدا اسے دوگنی جزائے خیر دے ! اس نے یہ مدرسہ سراج القوم حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلدین کے لیے مخصوص کر دیا ہے - بانی مدرسہ اس مدرسہ کے لیے اس کے اساتذہ و طلباء کے لیے یہ جائداد وقف کرتا ہے - گندم منڈی کا نیا حمام ، سلامہ دروازہ کے باہر دو نئے حمام واقع الوراقہ ، ان دونوں حماموں سے ملحق مکان ، الوراقہ واقع عونیت الحماء ، باغ الوزیر ، الجورہ کے باغ واقع الازرہ کا تین چوتھائی حصہ ، جابیہ دروازہ کے باہر گیارہ دوکانیں ، ان دوکانوں سے ملحق اراضی مشرق کی جانب سے ، اور نو کھیت واقع داریا - یہ وقف ان شرایط کے مطابق ہے جو وقف نامہ میں درج کی گئی ہیں - بانی نے یہ سب کچھ اس لیے کیا ہے کہ اس کی جزاء اور ثواب اسے بروز قیامت ملے - فمن بدلہ بعد ما سمعہ فانما اثمہ علی الذین یبدلونہ ان اللہ سمیع علیم (بقرہ ۱۸۱) - (پھر جو شخص اس وصیت (کے) سن لینے کے بعد اس کو تبدیل کرے گا تو اس کا گناہ ان ہی لوگوں کو ہوگا جو اس کو تبدیل کریں گے - اللہ تعالیٰ تو یقیناً سنتے اور جانتے ہیں - اس پر عمل درآمد شعبان ۵۶۷ھ تک ہو جانا چاہیے -

---

۱- "الاعلاق الخطیرہ" (ابن شداد)' صفحہ ۴۴ - ۴۵ (غیر مطبوعہ)

باب دوم

کتب خانے

قرون وسطیٰ میں بیشتر اسلامی کتب خانے نہ صرف زمانۂ حال کے کتب خانوں کے مقاصد پورے کرتے تھے بلکہ وہ تعلیمی ادارے بھی تھے - چنانچہ سب سے پہلی اکادمی "بیت الحکمۃ" کی بنیاد بھی کتابوں کے مجموعے ھی سے پڑی تھی - اسی لیے مورخین میں یہ اختلاف رہا کہ آیا اسے کتب خانہ کہیں یا مدرسہ تصور کریں - یہ ادارہ بعد کے اداروں کے لیے جو حکومت نے یا افراد نے قائم کیے ایک نمونہ بن گیا تھا -

علی بن یحییٰ المنجم (۲۷۵ھ) کے عالی شان محل میں ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جسے خزانۃ الحکمۃ کہتے تھے اور وہاں مختلف مقامات سے بے شمار لوگ تحصیل علم کے لیے سفر کرکے آیا کرتے تھے - کتب خانے کے ایک حصہ میں طلباء کے قیام کا بھی انتظام تھا اور انھیں طعام کی پیش کش بھی کی جاتی تھی - اس کتب خانے کا ایک مشہور طالب علم ابو معشر المنجم گذرا ھے جو خراسان سے مقامات مقدسہ جاتے ہوئے یہاں ٹھہرا تھا - جب وہ کتب خانے میں داخل ھوا تو وہ اس کی عظمت و شان دیکھ کر حیران رہ گیا اور اپنا سفر حج ملتوی کرکے وھیں مقیم ھوگیا اور اس دوران میں اس نے علم نجوم میں مہارت تامہ حاصل کر لی -[۱]

جعفر بن محمد بن حمدان موصلی (متوفی ۳۲۳ھ) نے اپنے شہر میں ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا جس کے ساتھ ایک نہایت عمدہ کتب خانہ بھی ملحق تھا - اس میں ہر شخص کا داخلہ ھوسکتا تھا اور غریب طلباء کی مالی امداد بھی کی جاتی تھی - جعفر خود بھی ایک استاد تھا اور اپنی تصانیف بھی پڑھ کر سنایا کرتا تھا -[۲]

المقدسی نے جہاں رامِ ھرمز کا تذکرہ کیا ھے تو ساتھ یہ بھی لکھا ھے کہ وھاں ایک کتب خانہ بالکل ایسا ھی تھا جیسا کہ بصرہ میں تھا - یہ دونوں کتب خانے ابوعلی بن سوار نے قائم کیے تھے اور وھاں طلباء کے کھانے کا انتظام بھی تھا - بصرہ کا کتب خانہ مقابلتاً بڑا تھا اور اس کی عمارت بھی بہتر تھی - چنانچہ طلباء اس طرف کھنچے چلے آتے تھے تاکہ اس حیرت انگیز مجموعۂ کتب سے فائدہ اٹھائیں اور وھاں کے شیخ سے علم کلام کا درس لیں - ان شیخ کا تعلق فرقۂ معتزلہ سے تھا -[۳]

ابوالعلاء المعری اکثر "خزانۃ سابور" میں درس و تدریس کے لیے بیٹھا کرتے تھے

۱- "معجم الادباء" (یاقوت) جلد ۵ ، صفحہ ۴۶۷ -
۲- ایضاً جلد ۲ ، صفحہ ۴۲۰ -
۳- احسن التقاسیم "معرفۃ الاقالیم" (المقدسی) صفحہ ۴۱۳ -

اور وہاں کے بحث مباحثوں میں ابوالعلاء ہی نمایاں طور پر حصہ لیا کرتے تھے۔[۱]

کتابوں کی قدر شناسی

عرب ہمیشہ کتابوں کا ذکر عزت و محبت کے ساتھ کرتے ہیں۔ وہ انہیں وفادار ساتھی اور قابل اطمینان رہنما تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر آپ کسی عرب کو کتابوں کے متعلق باتیں کرتا ہوا دیکھیں تو آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ وہ یقیناً کسی شفیق بھائی یا دوست کا تذکرہ کر رہا ہے۔ کسی خلیفہ نے ایک عالم کو شام کے وقت بات چیت کرنے کے لیے بلا بھیجا۔ عالم موصوف چند حوالہ جات کے لیے کتابوں کا مطالعہ کرنے میں مصروف تھے۔ انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا "میرے پاس اس وقت چند معاون و مددگار ندیموں کا مجمع ہے اور میں ان سے باتیں کر رہا ہوں۔ ذرا دیر میں حاضر ہوں گا۔" یہ جواب سن کر خلیفہ ایسا برہم ہوا کہ انہیں فوراً حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب خلیفہ نے ان سے سوال کیا کہ وہ کون ندیم تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ ایک جماعت تھی کہ جس سے علم حاصل ہوتا ہے، رہبری ملتی ہے اور ناموری حاصل ہوتی ہے۔ آپ چاہیں تو انہیں مردہ تصور کریں اور چاہیں تو زندہ اور سرگرم عمل سمجھیں۔[۲]

حقیقت میں کتابوں کی ایسی قدر و منزلت اور ان کے ساتھ اس قدر دلی محبت کا باعث الجاحظ کی تصانیف اور ان کے حکیمانہ اقوال ہیں۔ الجاحظ سے پہلے لوگ عموماً نثر کے مقابلہ میں نظم سے دلچسپی لیتے تھے، اور نثر کے مقابلے میں نظم کی کتابوں پر زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔ ان کی تصانیف اور اقوال ہی وہ چیزیں ہیں جنھوں نے لوگوں کی توجہ اس قسم کے ادب کی طرف پھیر دی۔ کتاب کے متعلق الجاحظ کی رائے یہ ہے:

"کتاب کا حاصل کرنا جیسا آسان اور ارزاں ہے اس کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اس میں تاریخ اور سائنس کے عجائبات درج ہوتے ہیں۔ اس میں ہمیں

۱- دیباچہ "رسائل ابوالعلاء" (مار گولتیھ)

۲- الفخری (ابن الطقطقی) صفحہ ۱۔ ان عالم نے یہ اشعار پڑھے تھے:

لنا جلساء لاغل حدیثهم
امینون مامولون غیبا و مشهدا
اذا ما خلونا کان خیر حدیثهم
معیناً علی نفی الهموم مویدا
یفید وننا من عندهم علم من مضلی
رایاً و وتادیباً مجدا سؤدوا
فلار یباً تخشی ولا سوء عشره
ولا تتقی منهم لساناً ولایدا
فان قلت اموات تا فلست بکذب تعد امرهم
وان قلت احیاء فلست مفتدا

صحیح الدماغ لوگوں کے اخذکردہ نتائج اور دانشوروں کے تجربات مل جاتے ہیں ۔ اس سے ہماری پیش رو نسلوں اور دور دراز ممالک کے حالات کا پتہ چلتا ہے ۔ ایسا مہمان کہاں مل سکتا ہے جو یا تو آپ کے ساتھ تھوڑا عرصہ قیام کرتے یا آپ کے ساتھ مثل سایہ رہے یا آپ کے جسم کا جزو بن جائے ۔ جب تک آپ چاہیں کتاب خاموش رہتی ہے ۔ جب آپ بات چیت کرنا چاہیں تو فصاحت کے ساتھ بولنے لگتی ہے ۔ اگر آپ کسی کام میں مصروف ہیں تو وہ خلل انداز نہیں ہوتی اور اگر آپ تنہائی محسوس کریں تو وہ آپ کی ایک شفیق ساتھی بن جاتی ہے ۔ وہ ایک ایسا دوست ہے جو آپ کو کبھی دھوکا نہیں دیتا ، نہ آپ کی چاپلوسی کرتا ہے اور ایسا ساتھی ہے جو کبھی آپ سے نہیں اکتاتا'' ۔[۲]

محمد بن عبدالملک الزیات نے بیماری کی وجہ سے پبلک میں آنا چھوڑ دیا تھا ۔ ہمارے نامور عالم الجاحظ نے سوچا کہ ابن الزیات کو ملاقات کے وقت کیا تحفہ پیش کیا جائے ۔ سب سے زیادہ بہتر اور مناسب چیز جو ان کی سمجھ میں آئی وہ الکسائی کی لکھی ہوئی اور الفراء کی نظرثانی کی ہوئی کتاب ''سیبویہ'' تھی ۔ جب وہ کتاب ابن الزیات کو نذر کی گئی تو انھوں نے کہا کہ آپ کا انتخاب بے نظیر ہے اور میرے نزدیک اس تحفہ کے مقابلہ میں کسی چیز کی قدر و قیمت نہیں ہے ۔[۳] عبدالسلام ہارون کہتے ہیں کہ جیسا الجاحظ کتابوں پر مہربان تھا کتابیں اس پر مہربان نہ تھیں[۴] ۔ اس نے کتابوں کی قدر و قیمت بڑھانے میں انتہائی جدو جہد کی ۔ ان کے جمع کرنے میں کثیر دولت صرف کی لیکن وہی اس کی موت کا باعث ہوئیں ۔ اس کا دستور تھا کہ مطالعہ کے وقت اپنے گرد کتابوں کے تودے لگا لیا کرتا تھا ۔ سوء اتفاق سے ایک روز کتابوں کا ایک تودہ اس پر گر پڑا اور بڑھاپے اور کمزور صحت کے باعث کتابوں ھی میں دب کر جان دے دی''۔[۵]

کسی عالم کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا :

''میری نظر میں کتاب ھی ایک ایسا پھلوں کا باغ ہے جسے آستین میں رکھا جاسکتا ہے اور وھی ایسی سر سبز سیرگاہ ہے جو انسان کے ساتھ جہاں وہ چاہے جاسکتی ہے ۔ کتاب مُردوں کی زبان ہے اور زندوں کی آواز ہے ۔ وہ شام کے وقت آپ سے ملنے والا ایک ایسا دوست ہے جو اس وقت تک نہیں سوتا جب تک آپ خود نہ سو جائیں اور ھمیشہ وھی بات کرتا ہے جس سے آپ کو خوشی ہوتی ہے ۔ کبھی آپ کا راز فاش نہیں کرتا ۔ وہ انتہا درجہ کا وفادار ھمسایہ ہے ۔

۱- ''محاضرات الابرار'' (محی الدین ابن العربی)' غیر مطبوعہ ۔

۲- ''الحیوان'' (الجاحظ)' جلد ۱' صفحہ ۵۰ - ۵۱ ۔

۳- ''معجم الادباء'' (یاقوت) ، جلد ۶' صفحہ ۸۵ ' ۸۶ ۔

۴- دیباچہ ''کتاب الحیوان'' جلد ۱' صفحہ ۵ ۔

۵- ابوالفداء' جلد ۱۲ ، صفحہ ۴۷ ۔

Marfat.com

معقول دوست ہے ، فرمانبردار ساتھی ہے - منکسر المزاج پروفیسر ہے - ایک ماہر و مفید انیس ہے جو نہ کبھی کسی معاملہ میں بحث کرتا ہے اور نہ اپنے مالک سے اکتاتا ہے''۔[1]

کم ہمت اور بے اثر خلیفہ المکتفی (متوفی ۲۹۵ھ) نے اپنے وزیر سے کچھ کتابوں کی فرمائش کی تاکہ اسی طرح وقت گزرے - وزیر نے بعض گورنروں کو ہدایات جاری کیں کہ کتابیں مہیا کی جائیں ، لیکن خلیفہ کے پاس بھیجنے سے پہلے اسے دکھائی جائیں - جمع شدہ کتابوں میں تاریخی اور دیگر سنجیدہ مضامین پر کتابیں تھیں - انھیں دیکھ کر وزیر نے ان کے جمع کرنے والوں کو برا بھلا کہا اور کہا یہ کتابیں ایسے پروفیسر ہیں جو خلیفہ کو جگا دیں گے اور اسے حقوق و فرائض سے آگاہ کر دیں گے لیکن میں تو ایسے مفید علم سے اسے بے خبر رکھنا چاہتا ہوں -[2]

اس ضمن میں عرب کے مشہور شاعر المتنبی کا قول ہے کہ ''دنیا میں سب سے اچھی نشست گاہ گھوڑے کی زین پر ہے اور سب سے اچھی رفیق کتاب ہے اور ہمیشہ رہے گی -[3]''

کتب خانوں کی اخلاقی افادیت

ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ یہ کتابوں کی قدر شناسی ہی کا نتیجہ تھا کہ اوائل اسلام ہی سے لوگوں میں کتابوں کے جمع کرنے کا شوق پیدا ہوگیا - ہم آگے چل کر کتابوں کے مجموعوں کا تذکرہ کریں گے ، یہاں ہم مختصر طور پر یہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو کتب خانوں سے کیسا حیرت انگیز شغف تھا -

وزیر ابن العمید کے مکان کو ۳۵۵ھ میں خراسان کی افواج نے اس بری طرح لوٹا کہ ایک پیالہ یا گلاس تک باقی نہ چھوڑا - ابن العمید کو اس کا کچھ بھی فکر نہ تھا - ہاں اگر فکر تھا تو اپنے بیش قیمت کتب خانے کا جس کی اسے کوئی خبر نہ ملی تھی - تھوڑی دیر بعد ہی مہتمم کتب خانہ سے ملاقات ہوئی اور اس نے اطلاع دی کہ تمام کتب خانہ محفوظ ہے اور کوئی کتاب ضائع نہیں ہوئی - ابوالعمید کو بڑی مسرت ہوئی اور مہتمم مذکور سے کہا ''تم بڑے مبارک فال انسان ہو . ہر چیز جو ضائع ہوگئی ہے مل سکتی ہے لیکن کتابیں نہیں مل سکتیں''۔[4]

جب نوح بن منصور نے الصاحب بن عباد کو وزارت عظمیٰ پیش کی تو اس نے قبول کرنے سے انکار کردیا - انکار کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ میری

۱- ''المسایرات'' (محی الدین ابن العربی) غیر مطبوعہ' کیمبرج -
۲- ''الفخری'' (ابن الطقطقی)، صفحہ ۱۱ -
۳- ''دیوان المتنبی شرح العکبری'' جلد ۱ ' صفحہ ۱۲۳ -
۴- ابن مسکویہ ، جلد ٦' صفحہ ۲۲۴ - ۲۲۵ -

Marfat.com

کتابوں کا منتقل کیا جانا مشکل ہوگا - جو چار سو اونٹوں پر لاد کر لے جائی جاسکتی ہیں؛ چنانچہ اس نے اس اعلیٰ عہدہ کے مقابلہ میں اپنے کتب خانہ میں رہنا پسند کیا[۱]۔

طرابلس کے بنو عمار نے ماہر ملازم رکھے تھے اور تاجر بھی جن کا یہ کام تھا کہ غیر ممالک سے کتابیں جمع کرکے ان کے کتب خانوں کے لیے لایا کریں[۲]۔

القاضی الفاضل کے چھوٹے بیٹے کو پڑھنے کے لیے "الحماسہ" کے ایک نسخہ کی ضرورت تھی۔ اس نے ابن صورۃ الکتبی سے کہا کہ کہیں سے مہیا کرو۔ الکتبی القاضی الفاضل کے پاس گیا تاکہ ان کے کتب خانے سے اس نسخہ کے نکالنے کی اجازت حاصل کرے۔ قاضی نے حکم دیا کہ کتب خانے سے اس کتاب کے تمام نسخے لائے جائیں تاکہ سب سے گھٹیا نسخہ چھانٹ کر اسے بڑھئے کو دیا جائے۔ چنانچہ پینتیس نسخے ان کے سامنے رکھے گئے لیکن جب ان کو دیکھا تو پتہ چلا کہ ہر نسخہ میں کوئی نہ کوئی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے وہ انھیں عزیز ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ سارا مجموعہ اتنے بلند معیار کا ہے کہ ایک نوجوان طالب علم کے لیے کسی طرح مناسب نہیں ہے، اور ابن صورۃ کو حکم دیا کہ بازار سے ایک نسخہ خرید لیا جائے[۳]۔

اگر ہم مصر کو چھوڑ کر اندلس کی طرف توجہ دیں تو ہمیں وہاں بھی لوگوں میں کتابیں جمع کرنے کا حیرت انگیز جوش و خروش ملے گا۔

قرطبہ کے حکمران الحکم نے مشرقی دنیا کے تمام اطراف میں اس مقصد کے لیے قاصد روانہ کیے تھے کہ کتابیں جمع کرکے لائیں[۴]۔ جب ابوالفرج الاصفہانی نے اپنی تصنیف "الاغانی" ختم کر لی تو الحکم نے ایک قاصد ان کے پاس روانہ کیا کہ قبل اس کے کہ وہ کتاب کسی اور کے ہاتھ لگے ایک نسخہ اس کے پاس پہنچ جائے اور پھر اس بادشاہ نے دس ہزار طلائی دینار بطور انعام مصنف کو دیے[۵]۔

عوام بھی اپنے گھروں میں کتب خانے رکھنے کے شائق تھے اگرچہ وہ انھیں استعمال کرنے کے اہل نہ تھے کیونکہ کسی کے پاس کتب خانہ ہونے سے اس کی عزت و توقیر میں اضافہ ہوتا تھا۔ اس ضمن میں بروایت المقری مندرجہ ذیل واقعہ لکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کتابوں کے ایک عاشق دلدادہ الحضرمی کا یہ دستور تھا کہ جہاں کہیں کتابوں کا نیلام ہوتا تو ضرور پہنچتا۔ اسے اپنی دل پسند ایک خاص کتاب کی جستجو تھی۔ ایک دن اس کتاب کا ایک نفیس نسخہ مع تفسیر دستیاب ہوگیا۔

۱۔ "معجم الادباء" (یاقوت) جلد ۲، صفحہ ۳۱۵؛ ابن خلکان، جلد ۱، صفحہ ۱۰۶۔
۲۔ "اسلامک کلچر" جلد ۳، ۱۹۲۹، صفحہ ۲۳۱؛ "خطط الشام" (کرد علی) جلد ۶ صفحہ ۱۹۱۔
۳۔ "الخطط" (مقریزی)، جلد ۲، صفحہ ۳۶۷۔
۴۔ "نفح الطیب" (المقری)، جلد ۱، صفحہ ۱۸۲۔
۵۔ ایضاً۔

Marfat.com

اس نے اس پر بولی لگائی لیکن ایک دوسرے خریدار نے اس سے بڑھ کر بولی لگا دی ۔ وہ برابر بولی بڑھاتا رہا اور دوسرا اس کے خلاف بولتا رہا ، یہاں تک کہ کتاب کی قیمت سے کہیں زیادہ بولی بڑھ گئی ۔ الحضرمی نے فیصلہ کیا کہ اس کا خیال چھوڑ دے ۔ لیکن اپنے مخالف کو دیکھنے کا شوق ہوا ۔ یہ معلوم ہو کر اسے بے حد طیش آیا کہ خریدار کوئی عالم نہیں ہے اور کتاب کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا ۔ اسے بس کتاب کی خوبصورت جلد اور ضخامت پسند آ گئی تھی جس سے وہ اپنے کتب خانے کی الماری میں خالی جگہ کو پر کرنا چاہتا تھا ۔[1]

عمارت اور ترتیب

اولگا پنٹو کا بیان ہے کہ کتب خانہ ہائے عوام کی عمارات کے بنانے میں بہت ہوشیاری سے کام لیا جاتا تھا ۔ بعض کتب خانوں میں جو شیراز ، قرطبہ اور قاہرہ میں واقع تھے مختلف کاموں کے لیے جدا جدا کمرے تھے ۔ گیلریاں الگ تھیں جہاں کتابوں کی الماریاں رکھی جاتی تھیں ۔ مطالعہ کرنے والوں کے لیے کمرے الگ تھے ۔ مسودات کی نقلیں کرنے والوں کے کمرے علیحدہ تھے ۔ ادبی اجتماعات کے لیے کمرے جدا تھے اور بعض جگہ جشن موسیقی کے لیے بھی کمرے الگ تھے ۔ تمام کمرے فرش فروش سے مزین رہتے تھے ۔ فرش پر چٹائیاں اور قالین بچھائے جاتے تھے ، جہاں مطالعہ کرنے والے مشرقی طرز پر آلتی پالتی مار کر بیٹھتے تھے ۔ اور لکھتے پڑھتے تھے کھڑکیوں اور دروازوں پر پردے لٹکائے جاتے تھے ۔ داخلی دروازہ میں خاص طور پر بھاری پردہ لٹکایا جاتا تھا تاکہ سرد ہوا کی روک تھام ہو سکے[2] ۔

عظیم الشان فاطمی کتب خانے کی عمارت اس قدر وسیع تھی کہ اس میں چالیس کمرے تھے اور ہر کمرہ میں اٹھارہ ہزار کتابوں کے رکھنے کی گنجائش تھی[3]

المقدسی نے عضدالدولہ کے کتب خانے واقع شیراز کے متعلق ایک مکمل بیان دیا ہے ۔ اس میں سے ہم صرف وہ حصہ نقل کرتے ہیں جو عمارت اور اس کے اہتمام کے متعلق ہے :

''کتب خانہ میں ایک طویل گیلری تھی جس سے ذرا ہٹ کر قریب ہی گودام

۱- ''نفح الطیب'' جلد ۱ ، صفحہ ۳۱۸ - اس قصہ کو پڑھ کر ایک دور حاضرہ کا قصہ بھی پڑھنے کے لائق ہے ۔ ایک امریکن کروڑ پتی نے نیا مکان بنا کر اسے سجایا اور لندن کے ایک مشہور کتب فروش کو کتابوں کی فرمائش بھیجی ۔ اس فرمائش میں کتابوں کی جلد ، ان کی ضخامت اور طول و عرض کے متعلق پوری تفصیل تھی ، لیکن مضامین اور ناموں کا کہیں ذکر نہ تھا ۔ یہ سب کام کتب فروش پر چھوڑ دیا گیا تھا (''اسلامک کلچر'' جلد ۱۲ ، ۱۹۳۸ ، صفحہ ۱۶۵) -

۲- ''اسلامک کلچر'' جلد ۳ ، ۱۹۲۹ ، صفحہ ۲۲۷ -

۳- ''الخطط'' (مقریزی) جلد ۱ ، صفحہ ۴۰۷ -

Marfat.com

تھے - گیلری اور گوداموں کی دیواروں سے لگی ہوئی کتابوں کی الماریاں رکھی تھیں جن میں متعدد خانے تھے اور علم کے ہر شعبہ کے لیے الگ الگ حصے تھے[1] - مضمون وار کتابوں کو تقسیم کرنے کا ہر کتب خانے میں دستور تھا - ابن سینا جس نے نوح بن منصور (متوفی ۳۸۷ھ) کے عہد میں سامانی کتب خانے سے استفادہ کیا تھا اس کے متعلق لکھا ہے ''میں ایک مکان میں داخل ہوا جس میں متعدد کمرے تھے - ہر کمرہ میں کتابوں کے صندوق تھے - ایک کمرہ میں عربی کی کتابیں اور نظم کی کتابیں تھیں ، دوسرے میں کتب قانون تھیں اور اسی طرح ہر کمرہ میں مختلف شعبہ علم کی کتابیں تھیں'' -[2]

قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کو دور جدید کی طرح الماریوں میں کتابیں کھڑی کر کے رکھنے کا خیال نہیں آیا تھا[3] - بلکہ کتابیں اوپر تلے رکھی جاتی تھیں اور چھوٹی کتابوں کے اوپر بڑی کتابیں نہیں رکھتے تھے کیونکہ اس میں گرنے کا احتمال تھا[4] -

علاوہ ازیں کتابیں رکھنے کا یہ طریقہ تھا کہ بجائے اس کے کہ کتابوں کا پشتہ باہر کی طرف ہو جیسا کہ آج کل ہوتا ہے اوراق باہر کی طرف ہوتے تھے - کتابوں اور مصنفین کے نام اوراق کے سب سے نیچے والے سرے پر لکھے جاتے تھے یا اس بکس پر لکھے جاتے تھے جس میں بیش قیمت کتابیں رکھی جاتی تھیں - چنانچہ جب کسی شخص کو کسی کتاب کی ضرورت ہوتی تو اسے آسانی سے پتہ چل جاتا تھا[5] - مصر کے دارالکتب میں ایسی کتابیں اب تک موجود ہیں جو اس عہد کہن سے اسی طرح رکھی چلی آ رہی ہیں اور ان کے نام اور مصنفین کے نام اسی طرح لکھے ہوئے ہیں جیسے کہ پہلے زمانہ میں لکھے جاتے تھے -

کتابوں کی الماریاں کھلی ہوئی تھیں اور ہر شخص اپنی ضرورت کی کتاب لے سکتا تھا - بعض الماریاں مقفل رہتی تھیں کیونکہ ان میں بیش قیمت کتابیں یا مسودات رکھے جاتے تھے - ان میں سے کسی کتاب سے استفادہ کرنے کے لیے مجلس منتظمہ سے اجازت لینی پڑتی تھی[6] -

---

۱- ''احسن التقاسیم فی معرفۃ الا قالیم'' صفحہ ۴۴۹ ۔

۲- بار تھولڈ' *Turkestan Down to the Mongol Invasion* صفحہ ۹ -

۳ - قرون وسطیٰ کے یورپ میں بھی کتابیں لٹا کر رکھی جاتی تھیں - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتابیں رکھنے کا یہ طریقہ قدیم زمانے سے چلا آ رہا تھا اور اس کی نقل تھا کہ جب مصر میں پاپی رس کے مخطوطے لپیٹ کر رکھے جاتے تھے - لپٹا ہوا کاغذ تو ظاہر ہے اسی طرح رکھا جا سکتا ہے -

۴ - ''تذکرۃ السامع و المتکلم'' (ابن جماعۃ) ' صفحہ ۱۷۲ -

۵ - ایضاً، صفحہ ۱۷۱ - ۱۷۲ -

۶ - ''اسلامک کلچر'' جلد ۳' ۱۹۲۹' صفحہ ۲۲۹ -

Marfat.com

فہرستیں

ہر بڑے کتب خانے کے ساتھ پبلک ، کتب خانہ ہو خواہ ذاتی ایک ، فہرست بھی ہوتی تھی جس کی مدد سے پڑھنے والے کتب خانہ سے استفادہ کرتے تھے ۔ علاوہ ازیں الماری کے ہر خانے کے باہر اس کے اندر والی کتابوں کے نام لکھے ہوئے لٹکے رہتے تھے ۔ اس کاغذ پر یہ تفصیل بھی درج ہوتی تھی کہ کون سی کتاب نامکمل ہے یا اس کا کوئی حصہ غائب ہے[1] ۔

اب ہم تمام اسلامی دنیا میں ماوراء النہر سے لے کر اندلس تک اسی قسم کی تمام فہرستوں کا سرسری جائزہ لیتے ہیں ۔ عضدالدولہ (متوفی ۳۷۲ھ) کے شیرازی کتب خانے کا حال بیان کرتے ہوئے المقدسی کا بیان ہے کہ کتب خانے کے ہر شعبہ کی فہرستیں ہیں جن میں کتابوں کے نام درج ہیں[2] ۔

ابوالحسن البیہقی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے الصاحب بن عباد (متوفی ۳۸۵ھ) کی فہرست دیکھی تھی اور فہرست کی دس جلدیں تھیں[3] ۔

بو علی سینا کی فہرست کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے بخارا میں سامانی کتب خانے کی فہرست کو دیکھا تھا ۔ پھر انھوں نے چند کتابیں منتخب کر کے طلب کیں جو فوراً ان کے سامنے پیش کی گئیں ۔ وہ لکھتے ہیں "میں نے ایسی کتابیں دیکھیں جن کے نام بھی بہت سے لوگوں کو معلوم نہیں ہیں ۔ اس سے قبل یا بعد میں نے کتابوں کا ایسا ذخیرہ نہیں دیکھا[4] ۔

عراق عرب میں مشہور خزانۃ الحکمۃ کے قیام کے بعد سے فہرستیں ملتی ہیں ۔ ایک کتاب کے تجسس میں مامون رشید نے خزانۃ الحکمۃ کی فہرست طلب کی لیکن جب اس میں اس کتاب کا نام درج نہ پایا تو خلیفہ کو حیرت ہوئی کہ ایک ایسی کتاب فہرست میں درج ہونے سے کیسے رہ گئی[5] ۔

مدرسہ نظامیہ کے کتب خانے کی ایک نہایت عمدہ فہرست مرتب کی گئی تھی جسے ابن الجوزی نے دیکھا تھا ۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس فہرست میں چھ ہزار کتابیں درج تھیں[6] ۔

جب المستنصر کا کتب خانہ قائم کیا گیا تو خلیفہ کے ذاتی کتب خانے کے مہتمم

۱- "اسلامک کلچر" جلد ۳، ۱۹۲۹، صفحہ ۲۲۹ ۔

۲- "احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم" صفحہ ۴۴۹ ۔

۳- "معجم الادباء" (یاقوت) ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۱۵ ۔

۴- بار تھولڈ *Turkestan Down to the Mongol Invasion*، صفحہ ۹ - ۱۰ ۔

۵- "رسائل البلغاء" مرتبہ کردعلی، صفحہ ۴۷۹ - ۴۸۰ ۔

۶- "اسیر لخاطر" صفحہ ۳۶۶ - ۳۶۷ ۔

Marfat.com

ضیاء الدین احمد اور شیخ عبدالعزیز بن دلف کو یہ کام سپرد ہوا کہ کتابیں جمع کریں، ترتیب سے انھیں الماریوں میں رکھیں اور مضمون وار انھیں ایک فہرست میں درج کریں تاکہ ان سے استفادہ کرنے میں سہولت ہو[1]۔

مصر میں فاطمی کتب خانے کے متعدد کمرے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں اس کتب خانے کی کوئی مکمل فہرست نہ تھی۔ بجائے اس کے ہر کمرہ کے دروازہ پر اس کمرہ کی کتابوں کی فہرست لٹکی رہتی تھی[2]۔ لیکن ابوالقاسم الجرجانی وزیر نے ۴۳۵ھ میں حکم نافذ کیا کہ کتب خانہ کی ایک پوری فہرست تیار کی جائے۔ اس کام پر القاضی ابو عبداللہ القضاعی اور ابوخلف الوراق کا تقرر ہوا[3]۔ ھسپانیہ میں الحکم کے کتب خانے کے شعبہ نظم کی فہرست چوالیس جلدوں میں تھی[4]۔

استعارہ کتب

ابن جماعۃ فرماتے ہیں کہ کتابوں کا لینا دینا نہایت قابل تعریف فعل ہے بشرطیکہ لینے والے اور دینے والے کو کوئی نقصان نہ پہنچے[5]۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ دوسروں تک احادیث پہنچانے والے پر سب سے پہلی رحمت یہ نازل ہوتی ہے کہ اسے دوسروں کو کتابیں مستعار دینے کا موقع ملتا ہے[6]۔

ابوالعتاھیہ نے ایک مرتبہ کسی شخص کو کتاب مستعار دینے سے انکار کر دیا وہ اس طرح کتابیں دینا پسند نہیں کرتے تھے لیکن جب اس شخص نے انھیں یاد دلایا کہ خدا کا انعام اسی شخص پر ہوتا ہے جو کسی کام کو نا پسند کرے لیکن کر ڈالے۔ لہٰذا انھوں نے فوراً اسے کتاب دے دی[7]۔

ابوحیان غرناطی نے کبھی کوئی کتاب جس کی انھیں ضرورت ہوئی، نہیں خریدی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "جس کتاب کی مجھے ضرورت ہوتی ہے میں کسی کتب خانے سے مستعار لے لیتا ہوں"[8]۔

بہر حال کتابوں کے استعارہ پر چند قیود اس غرض سے عاید کر دی گئی تھیں کہ کام بہ آسانی چلتا رہے۔

۱۔ "الحوادث الجامعة" (ابن الفوطی)، صفحہ ۵۳۔
۲۔ "انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" جلد ۲، صفحہ ۱۰۴۶۔
۳۔ "اخبار الحکماء" (القفطی)، صفحہ ۴۰۴۔
۴۔ "نفح الطیب" (المقری)، جلد ۱، صفحہ ۱۸۶۔
۵۔ "تذکرۃ السامع و المتکلم" صفحہ ۱۶۷۔
۶۔ "الدرا لندیض" (الغزالی)۔
۷۔ "تذکرۃ السامع و المتکلم" صفحہ ۱۶۷-۱۶۸۔
۸۔ "الدرر الکامنہ" (ابن حجر)، جلد ۴، صفحہ ۳۰۹۔

Marfat.com

کتب خانہ قاہرہ کے ضوابط کے مطابق قاہرہ ھی کے باشندے کتابیں مستعار لے سکتے تھے [۱] -

کتب خانے سے باہر کتابیں لے جانے کے لیے کچھ رقم بطور ضمانت جمع کرانی پڑتی تھی [۲] ، لیکن ممتاز و سر برآوردہ علماء کو اس قاعدہ سے مستثنٰی کر دیا جاتا تھا - یاقوت مرو کے کتب خانوں کی فراخدلی کی تعریف کرتے ھیں جہاں انھیں بغیر کسی زر ضمانت کے دو سو یا اس سے زیادہ کتابیں مستعار لینے کی اجازت مل گئی تھی [۳] -

بعض حالات میں وقت کا تعین کر دیا جاتا تھا - اس دستاویز کے بموجب ابن خلدون نے اپنی تصنیف ''کتاب العبر'' کا نسخہ فاس کی جامعۃ القیروان کے کتب خانے کو عطا کر دیا تھا - یہ ضابطہ بتا دیا تھا کہ وہ کتاب صرف قابل اعتماد اور بھروسے کے آدمیوں کو زیادہ سے زیادہ دو ماہ کے لیے معقول زر ضمانت جمع کرنے پر دی جائے گی [۴] -

کتاب لینے والے سے پر زور درخواست کی جاتی تھی کہ کتاب کو حفاظت سے رکھے - اگر کہیں اصلاح بھی کرنا ھو تو بغیر مالک کی اجازت کے نہ کی جائے - حاشیہ پر کچھ نہ لکھا جائے اور کتاب کے اول و آخر میں سارے اوراق سادہ ھی رھیں - اگر مالک کی اجازت کا یقین ھو تو کتاب لینے والا خلاصہ تیار کر سکتا تھا - مستعار لی ھوئی کتابیں کسی اور شخص کو مستعار نہیں دی جا سکتی تھیں اور نہ کہیں بطور ضمانت رکھی جا سکتی تھیں - مالک کے تقاضے پر فوراً واپس کرنا ضروری تھا اور اس کے بعد اپنے پاس رکھنا خلاف قانون تھا - اگر تقاضا نہ بھی ھو پھر بھی کتاب واپس کرنے میں سستی روا نہ تھی - کتاب لینے والے پر واجب تھا کہ کتاب دینے والے کا شکر گزار ھو اور اظہار تشکر کرے [۵] -

اس حصۂ مضمون کو ختم کرنے سے پہلے ھمیں یہ بھی بتلانا ھے کہ دنیائے اسلام میں صرف مطالعہ کے لیے بھی کتب خانے قائم تھے - القاضی ابن حبان نیشاپوری نے جب اپنی کتابیں وقف کیں تو یہ شرط لگا دی کہ کسی صورت میں بھی کتابیں کتب خانے سے باہر لے جانے کو نہ دی جائیں [۶] - یہی شرط المدرسۃ المحمودیہ کے کتب خانے کے متعلق تھی جسے جمال الدین محمود بن علی نے قائم کیا تھا - ان کی وصیت یہ تھی کہ ''کوئی کتاب کتب خانے کی عمارت سے باہر نہ جائے گی'' [۷] -

---

۱- (محمد فرید وجدی) *The Encyclopaedia of XX Century* -
اکثر انگریزی کتب خانوں میں یہ قاعدہ ھے کہ کوئی کتاب ملک سے باہر نہیں جا سکتی -
۲- ''الجامع المختصر'' (ابن الساعی) جلد ۱ ، صفحہ ۲۳۲ -
۳- ''معجم البلدان (یاقوت) ، جلد ۸ ، صفحہ ۳۶ -
۴- ''انسائیکلوپیڈیا آف اسلام'' جلد ۲ ، صفحہ ۱۰۴۷ -
۵- ''تذکرۃ السامع و المتکلم'' (ابن جماعۃ) صفحہ ۱۶۸ - ۱۶۹ -
۶- ''اسلامک کلچر'' جلد ۳ ، ۱۹۲۹ ، صفحہ ۲۳۴ -
۷- ''الخطط'' (مقریزی) ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۹۵ -

Marfat.com

کتب خانہ کا عملہ

عملہ کا انحصار اس پر تھا کہ کتب خانہ بڑا ہے یا چھوٹا ، پبلک ہے یا ذاتی ، لیکن بہرحال اس کی چند خصوصیات تھیں جو ہر ایک قابل ذکر کتب خانے میں پائی جاتی تھیں ۔ اب ہم کتب خانے کے عملہ کا ایک سرسری جائزہ لیں گے ۔ عموماً عملہ میں ایک مہتمم ، چند مترجمین ، چند کاتب ، کچھ جلد ساز اور کچھ خدام ہوا کرتے تھے ۔

مہتمم کتب خانہ کے فرائض

مہتمم اپنے کتب خانے کے انتظامی اور ذہنی معاملات کا ذمہ دار ہوتا تھا ۔ وہ نئی نئی کتابیں مہیا کرتا تھا ، فہرستوں کی تیاری اس کی نگرانی میں ہوتی تھی اور مطالعہ کرنے والوں کو ہر قسم کی سہولت اور مشورہ دیتا تھا ۔ اگر ضرورت ہو تو کتاب کی جلد بندی اور مرمت کے احکامات نافذ کرتا تھا ۔ کتابیں مستعار دیتے وقت اس کی منظوری کی ضرورت ہوتی تھی اور ایسے ہی لوگوں کو کتاب دی جاتی تھی جو اس سے مستفید ہو سکیں اور اگر ایک کتاب کے کئی مطالبے ہوں تو غریب آدمی کو ترجیح دی جاتی تھی ، کیونکہ پیسے والا آدمی تو کتاب خرید بھی سکتا تھا [1] ۔

ان تمام فرائض کے لیے ایک مہتمم کافی ہوتا تھا ۔ لیکن بڑے پبلک کتب خانوں میں مددگار مہتمم بھی مقرر کیے جاتے تھے [2] ۔

مہتمم کتب خانہ کی علمی قابلیت

جب سے مسلمانوں نے کتب خانے قائم کیے مہتمم کتب خانہ کے فرائض میں اس کے ذہنی اور علمی کام کو زیادہ اہمیت دی گئی ۔ چنانچہ اس عہدہ کے لیے علماء و فضلاء کا تقرر ہوا کرتا تھا ۔ چند نام اور ان کے متعلق چند سطریں درج ذیل کی جاتی ہیں سہل بن ہارون ، سعید بن ہارون اور سلام بغداد میں بیت الحکمۃ کے مہتمم تھے ۔ مستند عالم ابن الندیم کے بیان کے مطابق یہ حضرات نہایت فصیح و خوش بیان عالم اور نہایت اعلیٰ پایہ کے مصنف تھے ۔ الجاحظ جو خود ایک ممتاز عالم ہے اکثر سہل اور سعید کے حوالے اپنی کتابوں میں دیتا ہے [3] ۔

الفتح بن خاقان کا شاندار کتب خانہ علی بن یحییٰ المنجم (متوفی ۲۷۵ھ) نے ترتیب دیا تھا ۔ علی کی سوانحعمری مؤلفہ یاقوت کے مطالعہ سے ناظرین کو پتہ چلے گا کہ وہ کیسا عالم و فاضل لائبریرین تھا [4] ۔

۱- ''مفید النعم'' (السبکی) ، صفحہ ۱۵۹ -

۲- ''ارشاد'' (یاقوت) جلد ۶ ، صفحہ ۳۵۹ ؛ ''الخطط'' (مقریزی) ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۵۸ -

۳- ''الفہرست'' صفحہ ۱۲۰ -

۴- ''ارشاد'' (یاقوت) جلد ۵ ، صفحہ ۴۵۹-۴۷۳ -

Marfat.com

مشہور و معروف فاطمی کتب خانہ کا مہتمم علی بن محمد الشبشتی (متوفی ۳۹۰ھ) تھا - وہ العزیز باللہ کے امرائے دربار میں سے تھا اور متعدد کتابوں کا مصنف [1] -

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ابن العمید کے کتب خانے کا مہتمم مشہور مورخ ابن مسکویہ تھا [2] -

کتب خانہ موسومہ خزانۃ سابور جسے ابو نصر سابور بن اردشیر (متوفی ۴۱۶ھ) کے وزیر بواھدین نے قائم کیا تھا متعدد علمائے متبحر کے زیر اہتمام رہا جن میں چند نام یہ ہیں:

ابو الحسین محمد بن ابی شیبۃ [3] -

القاضی ابو عبد اللہ الحسین بن ھارون الضبی [4] -

ابو احمد عبد السلام بن الحسین البصری (متوفی ۴۰۵ھ) جو ابوالعلاء المعری کا ہمعصر اور محب قلبی تھا [5] -

ابو منصور محمد بن علی (متوفی ۴۱۸ھ) [6] -

مدرسہ نظامیہ کے کتب خانے کا اہتمام ایسے حضرات کے سپرد رہا جو اپنے عہد کے بہترین علماء تھے ، مثلاً :

القاضی ابو یوسف یعقوب الاسفرائینی (متوفی ۴۹۸ھ) [7] -

محمد بن احمد الا بیوردی نامور شاعر جس کا تقرر اسفرائینی کی وفات کے بعد ہوا (متوفی ۵۰۸ھ) [8] -

یحییٰ بن علی پسر الخطیب التبریزی جو مدرسہ میں ادب کا پروفیسر تھا (متوفی ۵۰۲ھ) [9] -

علی بن احمد بن بکری (متوفی ۵۷۵ھ) مشہور مصنف اور خوش نویس [10] -

مدرسہ المستنصریہ کے کتب خانے کا اہتمام بھی اپنے زمانے میں نہایت مشہور و معروف حضرات کے ہاتھ رہا جن میں سے صرف چند نام یہ ہیں :

الشمسی بن علی الکتبی جس کو کتب خانہ کے افتتاح کے دن خلعت عطا ہوا تھا - [11]

ابن الساعی ایک ممتاز مورخ (متوفی ۶۷۴ھ) - [12]

۱- ابن خلکان ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۸۱ -
۲- تاریخ ابن مسکویہ ''خلافت عباسیہ کا زوال'' جلد ۲ ، صفحہ ۲۲۳ -
۳- ۴ -''شذرات الذھب'' (ابن العماد) ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۰۱ -
۵- ''تاریخ بغداد'' جلد ۱۱ ، صفحہ ۵۸ -
۶- ''رسالۃ الغفران'' (ابوالعلاء المعری) ، صفحہ ۳۷؛ ''تاریخ بغداد'' جلد ۳ ، صفحہ ۹۳-
۷- ''ارشاد'' (یاقوت) جلد ۶ ، صفحہ ۳۴۳ -
۸- ایضاً ، صفحہ ۳۴۱ - ۳۵۸ -
۹- ایضاً ، جلد ۷ ، صفحہ ۲۸۷ -
۱۰- ایضاً ، جلد ۸ ، صفحہ ۱۰۴ - ۱۰۵ -
۱۱- ''الحوادث الجامعۃ'' (ابن الفوطی) ، صفحہ ۵۶ -
۱۲- دیباچہ ''جامع المختصر'' (ابن الساعی) ، صفحہ ۱ -

Marfat.com

ابن الفوطی (متوفی ۷۲۳ھ) مصنف 'الحوادث الجامعة' اور دیگر متعدد تصانیف ۔[1] اس جگہ پر تقرر سے قبل وہ نصیرالدین الطوسی کے ذاتی کتب خانے کا مہتمم تھا ۔[2]

مترجمین

یہ امر مسلمہ ہے کہ الٰہیات اور زبان کو چھوڑ کر اوائل اسلام کے مسلمانوں نے جس علمی تحریک کی پرورش کی اس کی بنیاد غیر ممالک کے ادبی مطالعہ پر تھی ۔ چنانچہ اس خلیج پر مترجمین نے پل کا کام کیا ۔ ان ھی کی مدد سے غیر ملکی علوم یونانی ، شامی ، قدیم فارسی اور ھندوستانی زبانوں سے عربی میں منتقل ھوئے ۔ مترجمین کی تعداد معلوم کرنے کے لیے ناظرین کو ابن الندیم کی ''تالیف الفہرست'' کا مطالعہ کرنا چاھیے ۔[3] یہاں ھم ان مترجمین کا تذکرہ کریں گے جنھوں نے کتب خانوں میں کام کیا تھا ۔

بالکل ابتدائی دور میں سب سے پہلے جس شخص نے کتابیں جمع کیں وہ خالد بن یزید (متوفی ۸۵ھ) ھے ۔ خالد نے اپنی زندگی یونانی علوم خصوصاً کیمیا اور علم طب حاصل کرنے میں وقف کر دی تھی اور ابن الندیم راوی ھے کہ اس نے ایک شخص کو اس لیے ملازم رکھا تھا کہ وہ ان مضامین کی کتابیں اس کے لیے ترجمہ کیا کرتا تھا[4] اور پھر وہ کتابیں کتب خانے میں رکھی جاتی تھیں ۔

بہرحال بیت الحکمة میں ترجمہ کا کام اوج کمال پر پہنچ گیا تھا ۔ ابن الندیم راوی ھے کہ ھارون الرشید کے عہد میں فارسی زبان کا عالم ابوسہل الفضل بن نوبخت بیت الحکمة میں مترجم تھا ۔ اس کی مدد سے بہت سی فارسی کتابیں عربی میں منتقل ھوگئیں[5] ۔ انقرہ اور عموریہ کی لڑائیوں میں فتح کے بعد ھارون الرشید کو لا تعداد یونانی کتابیں ملیں جن کے ترجمہ کے لیے یوحنا بن ماسویہ مقرر کیا گیا ۔[6]

مامون الرشید کے عہد میں علمی ترقیاں بہت عروج پر تھیں ۔ خلیفہ خود کوئی معمولی عالم نہ تھا اور اس نے اس طرف پوری پوری توجہ دی ۔ مامون الرشید نے بے شمار کتابیں غیر ممالک سے منگوائیں اور انھیں خزانة الحکمة کی زینت بنایا اور اس عہد کے بہترین علماء کو ان کا ترجمہ کرنے اور ان پر حواشی لکھنے کے لیے مقرر کیا ۔ ان میں سے چند علماء کے اسمائے گرامی یہ ھیں : سلام الحجاج بن مطر ، ابن البطریق ، حنین بن اسحاق ، عمرو بن الفرخان اور اسحاق بن حنین ۔[7]

۱۔ سوانح عمری مشمولہ ''حوادث الجامعہ'' ۔
۲۔ ایضاً ۔
۳۔ ایضاً ، صفحہ ۲۴۰—۲۴۲ ، ۳۰۹—۳۱۶ ۔
۴۔ ''الفہرست'' صفحہ ۳۴۰ ۔
۵۔ ایضاً ، صفحہ ۳۸۲ ۔
۶۔ ''ابن ابی اصیبعہ'' جلد ۱ ، صفحہ ۱۷۵ ۔
۷۔ ''الفہرست'' صفحہ ۱۷۴ ، ۳۳۹ ، ۳۱۵ ؛ القفطی صفحہ ۲۴۲ ۔

Marfat.com

بنو موسیٰ بن شاکر کے کتب خانے میں غیر زبانوں کی بے شمار کتابیں جن کے ترجمہ کے لیے حنین بن اسحاق - حبیش بن الحسن اور ثابت بن قرۃ کو ملازم رکھا گیا[1] -

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے بعد مترجمین کتب خانوں سے غائب ہوگئے - غالباً اس کا سبب یہ تھا کہ تمام مفید کتابوں کے ترجمے ہوچکے تھے اور اس علمی سرگرمی کے باعث اب مسلم علماء اپنے فلسفہ اور علوم کی نشو و نما کرنے کے قابل ہوگئے تھے اور عہد مابعد میں ان ہی پر ان کو پورا پورا وثوق حاصل تھا -

وراقون[2] (کاتب)

قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کو اس ضرورت کا بہت زیادہ احساس تھا کہ کتب خانوں میں کتابیں تیار کرنے کا کام بھی جاری رہنا چاہیے - چنانچہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہر بڑے کتب خانے میں نقل نویس ملازم رکھے جاتے تھے - یہ نقل نویس ، جو قرون وسطیٰ میں وہی کام کرتے تھے جو آج کل مطبع سے لیا جاتا ہے ، بڑی کامیابی سے اپنے کاروبار چلاتے رہتے تھے اور کتب خانوں میں نئی نئی کتابیں پہنچاتے رہتے تھے -

السبکی کے خیال میں نقل نویس کو اپنے کام میں بہت محتاط اور ایماندار ہونا چاہیے تا کہ کوئی بات ارادۃً یا عجلت میں لکھنے سے نہ رہ جائے - اسے لازم ہے کہ کتاب کی ترتیب اور ہر صفحہ پر تعداد سطور کے متعلق اس کے آجر نے جو ہدایات دی ہیں ان پر سختی سے عمل کرے - اسے مخرب اخلاق یا تفریحی کتابوں کے نقل کرنے میں اپنی قوت کو ضائع نہیں کرنا چاہیے[3] -

تقریباً تمام بڑے پبلک اور ذاتی کتب خانوں میں نقل نویس ملازم رکھے جاتے تھے - ان کی کثیر تعداد میں سے ہم صرف چند مثالیں درج کرتے ہیں -

---

۱- القفطی ، صفحہ ۳۰-۳۱ : ابن ابی اصیبعۃ ، صفحہ ۱-۱۸۷ : ابن الندیم ، صفحہ ۳۴۰ -

۲- لفظ ''وراقۃ'' کے کئی معنی لیے گئے ہیں - اپنے وسیع معنوں میں اس کے تحت کاغذ ، قلم ، دوات ، نقل نویس جلد بندی ، کتب فروشی سب کچھ آ جاتے ہیں جیسا کہ ابن الندیم نے ''الفہرست'' کے صفحہ ۱٦۹ پر ، یعقوبی نے ''البلدان'' کے صفحہ ۲۴۵ پر اور ابن خلدون نے ''مقدمہ'' کے صفحہ ۲۹٦ پر لکھا ہے - لیکن ہم السمعانی سے متعلق ہیں جس نے '' الانساب '' کے صفحہ ۵۷۹ پر اس کے معنی صرف نقل نویسی لکھے ہیں - ہم نے بھی اسی معنی میں استعمال کیا ہے - کتابیں حاصل کرنے کا نہایت اہم طریقہ یہ تھا کہ ان کی نقلیں کر لی جاتی تھیں - دوسرا طریقہ یہ تھا کہ کتاب خریدی جائے یا کسی کو میراث میں یا وصیت کے تحت حاصل ہو - اس طرح وصیت کے تحت مساجد و مدارس کے کتب خانوں کو خاص طور پر اعلیٰ درجہ کے ذخیرے دستیاب ہو جاتے تھے -

۳- ''مفید النعم'' صفحہ ۱۸٦-۱۸۷ -

بیت الحکمۃ میں ایک کثیر تعداد کاتبوں کی ملازم تھی ۔ ان میں سے ایک علّان الشعوبی تھا جو ہارون اور مامون دونوں کے عہد میں رہا[۱] ۔

واقدی (متوفی ۲۰۸ھ) کے ذاتی کتب خانے میں محمد بن سعد اس کام پر مامور تھا اور اس وجہ سے اس کا نام ہی کاتب الواقدی پڑ گیا تھا ۔

حنین بن اسحاق مشہور عیسائی طبیب کے ساتھ کئی کاتب رہتے تھے ۔ ابن ابی اصیبعۃ[۲] اور یاقوت[۳] کی روایت کے بموجب الارزق اور محمد بن الحسن بن دینار اس کے کاتب تھے ۔

ہمارے ممتاز صاحب علم الجاحظ کے ساتھ ایک وراق رہتا تھا جس کا نام عبدالوہاب بن عیسیٰ تھا اور یہ ان کے ذاتی کتب خانہ میں ملازم تھا[۴] ۔ احمد بن احمد جو امام شافعی کے بھائی تھے الجہشیاری کے کاتب تھے[۵] ۔

نامور خوشنویس علی بن ہلال جو ابن البواب کے نام سے مشہور تھا شہزاز میں عضدالدولہ کے کتب خانے میں کاتب تھا ۔ ایک مرتبہ اس نے مشہور خوشنویس ابن مقلہ کے طرز تحریر کی اس خوبی سے نقل اتاری کہ بہاءالدولہ دونوں میں تمیز نہ کر سکا[۶] ۔

جب خلیفہ الراضی باللہ کو پتہ چلا کہ اس کے کتب خانے سے ایک کتاب غائب ہو گئی تھی ، تو الصولی نے تجویز پیش کی کہ کتب خانے کے وہ کاتب جو مستقل ملازم ہیں فوراً نقل کرنا شروع کر دیں اورکتاب کی جلد بندھوا کر رکھی جائے[۷] ۔ شیخ ذکی الدین اور صفی الدین عبدالمومن کو المستعصم باللہ کے کتب خانے میں نقل نویس مقرر کیا گیا تھا[۸] ۔

جب ہم مشرق کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو شام میں بھی اس سلسلے میں بڑی سرگرمی نظر آتی ہے ۔ امین الدولہ بن غزال کے کتب خانے میں کثرت سے کاتب کام کرتے تھے ۔ ''تاریخ ابن عساکر کی اسی (۸۰) جلدیں تھیں اور وہ خواہش مند تھا کہ اس کی ایک نقل کی جائے ۔ چنانچہ اپنے کاتبوں میں سے اس نے دس کا انتخاب کیا اور ان میں اس ضخیم کتاب کو تقسیم کر دیا اور تقریباً دو سال میں یہ کام ختم ہوا[۹] ۔ حاکم حماۃ نامور مورخ ابوالفداء

۱- ''الفہرست'' (ابن الندیم) صفحہ ۱۵۳—۱۵۴ ۔
۲- ''عیون الانبار'' جلد ۱ ، صفحہ ۱۸۷ ۔
۳- ''ارشاد'' (یاقوت) ، جلد ۶ ، صفحہ ۴۸۲ ۔
۴- '' تاریخ بغداد '' ، جلد ۱۱ ، صفحہ ۲۸—۲۹ : '' الانساب '' (السمعانی) ، صفحہ ۵۸۰ ۔
۵- ''ارشاد'' (یاقوت) جلد ۱ ، صفحہ ۸۱ ۔
۶- ایضاً ، جلد ۵ ، صفحہ ۴۴۶—۴۴۷ ۔
۷- ''اخبارالراضی باللہ و المتقی باللہ'' (الصولی) ، صفحہ ۴۰ ۔
۸- ''فوات الوفیات'' (الکتبی) ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۸ ۔
۹- ''ابن ابی اصیبعۃ'' جلد ۲ ، صفحہ ۲۳۶ ۔

Marfat.com

کے کتب خانے میں بھی کئی کاتب ملازم تھے[۱]۔

مصر میں بھی اس ضمن میں بڑی سرگرمیاں تھیں۔ مشہور دارالعلم میں دو کاتب ملازم تھے جن کا حوالہ جابجا المقریزی نے دیا ہے[۲]۔ یعقوب بن کلس کے گھر پر کئی کاتب کام کرتے رہتے تھے اور اس کے کتب خانے کے لیے مختلف مضامین کی کتابیں نقل کیا کرتے تھے۔ قرآن مجید، حدیث شریف، فقہ ادب اور طب سب ہی اس میں شامل تھے[۳]۔

ابن ابی اصیبعۃ سے روایت ہے کہ افرئیم بن زفان کے کتب خانے میں متعدد کاتب ہمہ وقت نقل نویسی میں مصروف رہا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک شخص محمد بن سعید بن ہشام تھا جسے عرف عام میں ابن ملساقہ کہا کرتے تھے[۴]۔ عبداللطیف البغدادی راوی ہے کہ القاضی الفاضل نے چند کاتب ملازم رکھے تھے جن کا کام کبھی ختم ہی نہ ہوتا تھا[۵]۔

موفق الدین بن المطران طبیب خاص سلطان صلاح الدین نے اپنے کتب خانے میں تین کاتب ملازم رکھے تھے جو برابر کام کرتے رہتے تھے۔ ان میں سے ایک خوشنویس جمال الدین عرف ابن الجمالۃ بھی تھا[۶]۔

بحر روم کے اس پار اندلس میں خلیفہ الحکم کے کتب خانے میں بہت سے کاتب ملازم تھے اور کتب خانے کی ضروریات پوری کرتے رہتے تھے[۷]۔

قرطبہ کے قاضی ابومطرف کو کتابوں سے عشق تھا۔ لکھا ہے کہ اس کے کتب خانے میں چھ نقل نویس تھے اور ہر ایک کی مستقل تنخواہ تھی۔ وہ ہر نئی کتاب خریدنے کی کوشش کیا کرتے تھے، لیکن اگر کتاب قیمتاً نہ مل سکے تو اس کی نقل کرا لی جاتی تھی[۸]۔

اس مضمون کو ہم ایک حیرت انگیز بیان پر ختم کرتے ہیں۔ ''طرابلس میں بنو عمار کے شاندار کتب خانے میں ایک سو اسی کاتب مسودات کی نقل کرنے کے لیے ملازم تھے۔ ان میں سے تیس آدمی تو ہر وقت کتب خانے میں کام کرتے رہتے تھے''[۹]۔

۱- ''اسلامک کلچر'' جلد ۹، ۱۹۳۵، صفحہ ۱۳۵۔
۲- ''الخطط'' جلد ۱، صفحہ ۴۰۹—۴۵۰۔
۳- ابن خلکان، جلد ۲، صفحہ ۴۹۷۔
۴- ابن ابی اصیبعۃ، جلد ۲، صفحہ ۱۰۵۔
۵- ''تذکرۃ السامع و المتکلم'' صفحہ ۱۶۶ حاشیہ۔
۶- ابن ابی اصیبعۃ، جلد ۲، صفحہ ۱۷۸۔
۷- ''العبر'' (ابن خلدون)، جلد ۴، صفحہ ۱۴۶۔
۸- ''الصلۃ'' (ابن بشکوال)، جلد ۱، صفحہ ۳۰۴—۳۰۵۔
۹- ''اسلامک کلچر'' جلد ۹، ۱۹۳۵، صفحہ ۱۳۵ نیز جلد ۳، ۱۹۲۹، صفحہ ۲۳۱۔ دونوں کا حوالہ ''تاریخ ابن الفرات'' (غیر مطبوعہ وی آنا) سے لیا گیا ہے۔

Marfat.com

جلد ساز

کاتبوں کے متعلق اوپر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے ۔ اب صرف یہ لکھ دینا کافی ہوگا کہ جہاں کہیں پبلک یا ذاتی کتب خانوں کے سلسلے میں ان کا تذکرہ ملتا ہے وہاں لفظ مجلد (جلد ساز) کے ساتھ ساتھ لفظ ناسخ (کاتب) بھی موجود ہے[۱] ۔

سرٹامس آرنلڈ مرحوم اور پروفیسر اڈولف گروھمن (Professor Adolf Grohmann) کی تصنیف ''اسلامی کتاب'' (*The Islamic Book*) اس سلسلے میں نہایت عمدہ تصنیف ہے جس سے ہم ذیل میں کچھ اقتباس دیتے ہیں :

''عراق میں اور خصوصاً اندلس میں کتابوں کی جلد بندی پر خاص طور پر زور دیا جاتا تھا ۔ ھسپانیہ میں بمقام سلگا چمڑے کا نہایت نفیس کام ہوتا تھا ۔ قرون وسطی میں ذاتی طور پر کتابیں جمع کرنے والوں نے اور بڑے طمطراق اور شوکت و شان والے مسلمان حکمرانوں نے جلد سازی کے فن کو ترقی دینے میں بھی بے مثال کارھائے نمایاں انجام دیے ہیں ۔ یہ حکمران بڑے بڑے کتب خانے قائم کرتے تھے اور کتب خانوں کے قیام میں دوسروں کی مدد کرتے تھے''[۲] ۔

جلد بندی نہایت معمولی طریقہ پر شروع ہوئی تھی لیکن بہت جلد ترقی کرکے اس نے ایک فن کی صورت اختیار کرلی ۔ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ جلدیں بہت سخت ہوا کرتی تھیں ۔ چنانچہ کوفہ میں دباغت کا ایک بہتر طریقہ ایجاد ہوا اور اس طرح چمڑا نرم اور لچکدار بنایا جانے لگا[۳] ۔ بعد ازاں اس فن میں اور ترقی ہوئی اور چمڑے کی جلدیں نہایت خوش نما اور منقش بنائی جانے لگیں[۴] ۔

عنایت‌اللہ کا بیان ہے کہ جلدیں نہایت نفاست سے چمڑے کی بنائی جاتی تھیں ۔ سب سے پرانی اسلامی جلدیں مصریوں کی بنائی ہوئی ہیں اور وہ غالباً آٹھویں یا نویں صدی عیسوی کی ہیں ۔ جب اس فن کو اور ترقی ہوئی تو مسلمان جلد سازوں کے لیے سنہری اور سادہ ٹھپہ لگانا اور کناروں پر نقش و نگار بنانا معمولی کام ہوگیا[۵] ۔

خدمت گار (مناولون)

کتب خانہ کے عملہ میں ''مناولون'' کا اکثر ذکر آتا ہے ۔ اس سلسلے میں ہم

۱- ''الفہرست'' صفحہ ۱۴ : ''احسن‌التقاسیم'' (المقدسی) ، صفحہ ۴۴۹-۴۴۳ ، ۱۰۰ : ''اخبار'' (الصولی) ، صفحہ ۴۰ : ابن خلدون ، جلد ۴ ، صفحہ ۱۴۶ : ''الخطط'' (المقریزی) جلد ۱ ، صفحہ ۴۵۹ : المقری جلد ۱ ، صفحہ ۱۸۲ : ابن جاعة ، صفحہ ۱۶۶ : ''خزائن‌الکتب فی‌العراق'' (عواد) صفحہ ۱۳۳ ۔

۲- صفحہ ۳۱-۳۲ ۔

۳- ''الفہرست'' صفحہ ۳۲ ۔

۴- ''اسلامک کلچر'' جلد ۹ ، ۱۹۲۵ ، صفحہ ۱۳۸ ۔

۵- ایضاً ، جلد ۱۲ ، ۱۹۳۸ ، صفحہ ۱۶۸ ۔

Marfat.com

ابوسعید العقیلی کے وہ اشعار نقل کرتے ھیں جن میں الصولی کے خدمت گاروں کا نام آتا ھے:

انما الصولی شیخ اعلم الناس خزانه
کلما جئنا الیه نبتغی منه ابانه
قال یا غلمان هاتوا رزمة العلم فلانه

یعنی ابوسعید کہتا ھے کہ ''جب کبھی ھم الصولی کے پاس جاتے ھیں جن کے پاس نہایت اعلیٰ درجہ کا کتب خانہ ھے تو ھمارا مقصد کسی مسئلے کی گتھی سلجھانا ھوتا ھے - وہ اپنے خدمت گاروں کو چند خاص کتابیں لانے کا حکم دیتے ھیں''[1]-

المقریزی نے بھی فاطمی کتب خانے کے خدمت گاروں کا ذکر کیا ھے[2] - بغداد کے کتب خانہ ''خزانۃ سابور'' کے بیان میں ایک لڑکی توفیق کا نام آتا ھے جو بطور مناول کام کرتی تھی[3] -

مدرسۃ المستنصریہ کے کتب خانے میں ''مناولون'' کی اسامیوں پر اھل علم ملازم تھے جن میں چند نام یہ ھیں: الجمال ابراھیم بن حذیفہ جن کو کتب خانہ کے یوم افتتاح پر خلعت عطا ھوا تھا[4]- محمد بن سعید اور ان کے بیٹے عبدالرحیم جن کی سوانح عمریاں کتاب ''الدرالکامنہ'' میں ملتی ھیں[5]-

کتب خانہ کی مالی حالت

مدارس کی طرح کتب خانوں کے لیے بھی اوقاف تھے جن کی آمدنی سے عمارت کا رکھ رکھاؤ، کتابوں کی خریداری اور عملہ کی تنخواھوں کا کام چلتا تھا - کتب خانوں کے مالیات کے سلسلے میں مختلف قسم کی فیاضیوں کا ذکر آتا ھے - چند مثالیں درج ذیل کی جاتی ھیں -

حنین بن اسحاق جن کتابوں کا ترجمہ عربی میں کرتا تھا خلیفہ مامون رشید ان کتابوں کے وزن کے برابر اس کو سونا عطا کرتا تھا[6]- الواثق کی توجہ غیر زبان کی کتابوں کے تراجم پر مرکوز تھی - یحییٰ بن ماسویہ اس کا دست راست تھا اور واثق اس پر انعام و اکرام کی بارش کیا کرتا تھا - ایک مرتبہ اس نے تین لاکھ درھم عطا کیے[7]-

محمد بن عبدالملک الزیات کے مترجمین اور کاتبوں کے معاوضہ کا ماھانہ خرچ دو ھزار دینار بتایا جاتا ھے[8]-

---

۱- ابن خلکان جلد ۱، صفحہ ۲۷ -
۲- ''الخطط'' جلد ۱، صفحہ ۴۵۸ -
۳- ''رسالۃ الغفران'' (ابوالعلاءالمعری)، صفحہ ۳۷ -
۴- '' الحوادث الجامعۃ '' (ابن فوطی)، صفحہ ۵۵-۵۵ -
۵- جلد ۲، صفحہ ۳۶۰
۶- ابن ابی اصیبعہ، جلد ۱، صفحہ ۲۰۶ -
۷- ''اسلامک سولزیشن'' (خدابخش) صفحہ ۲۷۹ -
۸- ابن ابی اصیبعہ، جلد ۱، صفحہ ۲۰۶ -

Marfat.com

الحاکم کے کتب خانے کے سالانہ میزانیہ میں اور بھی تفصیلات ملتی ہیں۔ المقریزی[1] سے روایت ہے کہ اس کے اخراجات کی تفصیل یہ تھی:

کاغذ برائے نقل نویسان (غالباً ان کی تنخواہیں بھی اسی میں شامل تھیں)	۹۰ دینار
مہتمم کتب خانہ کی تنخواہ	۴۸ دینار
خدمتگار کی تنخواہ	۱۵ دینار
مرمت کتب (غالباً جلد ساز کی اجرت بھی شامل تھی)	۱۲ دینار
کاغذ قلم و سیاہی جو مفت دیا جاتا تھا	۱۲ دینار
چٹائیاں عبادان سے آتی تھیں	۱۰ دینار
پانی	۱۰ دینار
موسم سرما کے لیے اونی قالین	۵ دینار
موسم سرما کے لیے گدے	۴ دینار
دروازوں کے پردوں کی مرمت	۱ دینار

مدرسۃ المستنصریہ کے مہتمم کتب خانہ کو پانچ سیر روٹی، دو سیر گوشت اور دس دینار ماہانہ دیے جاتے تھے اور اسی کتب خانے کے "مناول" کی اجرت دو سیر روٹی اور سالن اور دو دینار تھی۔[2]

اقسام کتب خانہ[3]

کتب خانے نمایاں طور پر تین قسم کے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کا تذکرہ الگ الگ کیا جائے گا۔ ہمیں یہ دکھلانا ہے کہ ان کتب خانوں نے تعلیم و تربیت میں کیا اضافہ کیا۔ لہٰذا ہمیں بانیٔ کتب خانہ کی معاشری حیثیت سے کوئی سرو کار نہیں کہ آیا وہ خلیفۂ وقت تھا یا ایک معمولی شہری۔ ہمیں تو صرف کتب خانے کے قیام سے مطلب ہے۔ لہٰذا ان تینوں اقسام کے کتب خانوں کو ہم بہ ترتیب ذیل بیان کرتے ہیں:
(۱) کتب خانہ عام، (۲) نیم سرکاری کتب خانہ، (۳) ذاتی کتب خانہ۔

کتب خانہ عام

پبلک کتب خانے عموماً مساجد اور تعلیم گھوں میں قائم کیے گئے تھے اور بڑی کثیر تعداد میں تھے یہاں تک کہ کوئی مسجد یا مدرسہ ایسا نہ تھا جہاں طلباء کے لیے

---

۱ - "الخطط" جلد ۱، صفحہ ۴۲۹ -
۲ - "خزائن الکتب القدیمہ فی العراق" (جرجیس عود)، صفحہ ۱۶۵ -
۳ - ہم متعدد کتب خانوں کا اوپر ذکر کر چکے ہیں - لہٰذا مسلم کتب خانوں کی مثالیں دیتے وقت ہم ان کو چھوڑ جائیں گے جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے تاکہ دوسرے کتب خانوں کے بیان کا موقع مل سکے، البتہ مخصوص کتب خانوں کا تذکرہ تفصیلات کے ضمن میں دوبارہ آ سکتا ہے -

کتابوں کا مجموعہ نہ ہو۔ لہذا معاشرہ میں مختلف مدارج کے لوگ ان کتابوں سے استفادہ کرتے تھے۔ ذیل میں ہم صرف چند کتب خانوں کی مثالیں پیش کریں گے کیونکہ تمام کتب خانوں کے حالات کے لیے ایک دفتر چاہیے ،

بیت الحکمہ[1]

یہ امر ابھی تک متنازعہ فیہ ہے کہ بیت الحکمۃ کا بانی کون تھا ، لیکن ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا حقیقی بانی ہارون الرشید تھا ۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں یہ بات تاریخ کے صفحات میں موجود ہے کہ علان الشعوبی بیت الحکمۃ میں ہارون اور مامون کا نقل نویس تھا' اور یہ کہ ابوسہل الفضل بن نوبخت ہارون کے خزانۃ الحکمۃ میں مترجم تھا[2]۔

یحییٰ بن خالد اس تحریک علمی کا نگران تھا ۔ اس نے ہندوستان سے پنڈت بلوائے اور ان کے توسط سے ہنود کے خزانۂ علم پر مسلمانوں کو دسترس حاصل ہوئی ۔ ایرانیوں کی تصانیف پر خاص طور پر توجہ دی گئی کیونکہ برامکہ ایرانی النسل تھے[3] ۔ بازنطین پر فتح حاصل ہونے کے بعد ہارون رشید کو یونانی تصانیف بھی ملیں جن کے ترجمہ کے لیے یوحنا بن ماسویہ کو مقرر کیا گیا[4] ۔

حقیقت میں اس ادارہ کو مامون رشید کی سرپرستی میں بہت شہرت حاصل ہوئی ۔ وہ خود بھی ایک بہت بڑا عالم اور آزاد خیال خلیفہ تھا ۔ مامون رشید نے اس کتب خانے کو ترقی دینے میں بے انتہا سعی و کوشش کی حتیٰ کہ چمڑے پر حضرت عبد المطلب کی ایک تحریر بھی اس کے لیے حاصل کی گئی[5] ۔ مامون رشید کی درخواست پر صقلیہ کے حکمران نے یونانی کتابوں کا وہ ذخیرہ بھیج دیا تھا جو ایک مکان میں بند تھا اور جہاں کوئی نہ جا سکتا تھا ۔ مامون رشید کو یہ ذخیرہ کتب حاصل کرکے بے حد مسرت ہوئی اور وہ سب کتابیں سہل بن ہارون مہتمم بیت الحکمۃ کے حوالے کر دی گئیں[6]۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ سلطنت بازنطینہ کے خلاف جنگ میں بالا دستی حاصل ہو گئی تو مامون رشید نے عارضی صلح کے دوران میں شہنشاہ بازنطین سے خط و کتابت کی اور چیدہ چیدہ یونانی تصانیف کا مطالبہ کیا اور جب اس خط کا جواب اثبات میں آگیا تو مامون رشید نے الحجاج بن مطر ، ابن البطریق اور سلام کو بھیجا جنھوں نے بہترین کتابوں کو منتخب کر لیا اور یہ سارا

۱- ''الفہرست'' (ابن الندیم) ، صفحہ ۱۵۱ -
۲- ایضاً ، صفحہ ۳۸۲ -
۳- خدا بخش ، *Islamic Libraries XIX Century* ، صفحہ ۱۲۸ -
۴- ابن ابی اصیبعہ ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۷۰ - ۱۸۷ -
۵- ''الفہرست'' صفحہ ۸۰۷ -
۶- ''صرح العیون'' (ابن نباتہ المصری) ، صفحہ ۱۶۶ -

Marfat.com

ذخیرہ بیت الحکمة میں رکھا گیا اور سب کتابوں کا عربی میں ترجمہ کر دیا گیا [1]۔

بیت الحکمة سب سے پہلا عظیم الشان پبلک کتب خانہ تھا[2] جہاں مختلف علوم و فنون پر مختلف زبانوں میں نہایت بیش قیمت کتابیں جمع تھیں ۔ قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی ترقی کے لیے وہ بہت بڑا مرکز تھا ۔

بعض واقعات سے بدنامی بھی ہوئی اور بیت الحکمة کی شان کو بٹہ لگا ۔ سب سے پہلا نقصان تو اس ادارہ کو اس وقت پہنچا جب بجائے بغداد کے سامرّہ کو سلطنت اسلامیہ کا دارالخلافہ منتخب کیا گیا ۔ اور بھی متعدد واقعات نے اس علمی مرکز پر برا اثر ڈالا ، لیکن ایسا معلوم ہوتا ھے کہ ان تمام مصائب و مشکلات کے بعد بھی بیت الحکمة زندہ رہا اور اگرچہ اس کی پہلی سی اہمیت جاتی رہی لیکن پھر بھی کئی صدیوں تک اس کا وجود باقی رہا ۔ ابن الندیم نے چوتھی صدی ھجری کے آخری ربع میں اسی کتب خانے میں حبشی رسم الخط کی نقول حاصل کیں [3] اور القلقشندی سے روایت ھے کہ یہ کتب خانہ اس وقت تک موجود تھا جب کہ بغداد ۶۵۶ھ میں تاتاریوں کے قبضہ میں آیا اور اس وقت دوسری بے شمار اشیاء کے ساتھ یہ کتب خانہ بھی صفحۂ ہستی سے مٹ گیا [4]۔

حیدری کتب خانہ نجف

یہ کتب خانہ آج بھی موجود ھے اور حضرت علی ابن ابی طالب کے مزار سے متصل ھے ۔ لہٰذا آپ خود خیال کر سکتے ھیں کہ شیعہ حضرات نے اس پر کس قدر توجہ دی ہو گی ۔

اس کے قیام کی کوئی صحیح تاریخ تو معلوم نہیں لیکن عضد الدولہ (متوفی ۳۷۲ھ) کا نام ان نامور حضرات کی فہرست میں ملتا ھے جن کا تعلق اس کتب خانے سے رہا ھے ۔ ہم نے اس کتب خانے کو ۲ دسمبر ۱۹۵۰ کے دن دیکھا تھا لہٰذا ہم اپنے تاثرات درج ذیل کرتے ھیں ۔

صحن درگاہ کے مشرقی سمت میں ایک وسیع کمرہ ھے جس میں یہ کتب خانہ ھے ۔ اب اسے ایک عام کتب خانے کی اہمیت حاصل نہیں ھے بلکہ اس کو دیکھنے کے لیے بھی اس ادارے کے شیخ سے اجازت لینی پڑتی ھے ۔ کتابوں کی کوئی باقاعدہ فہرست نہیں ھے اور کتابیں اگرچہ بیش قیمت ھیں لیکن بے ترتیب ھیں ۔ یہاں فارسی و عربی کے بڑے ھی نادر و بیش قیمت مسودات ھیں ۔ ان میں اکثر مصنفین ھی کے ھاتھ کے لکھے ہوئے ھیں ۔ کتب خانہ کا سب سے بیش قیمت حصہ وہ ھے جہاں مصحف رکھے ہوئے ھیں ۔ وہ نہایت حسین خط میں

۱۔ ''الفہرست'' (ابن الندیم) ، صفحہ ۳۳۹ ۔
۲۔ ''انسائکلوپیڈیا آف اسلام'' جلد ۲ ، صفحہ ۱۰۳۰ ۔
۳۔ ''الفہرست'' صفحہ ۲۹ ۔
۴۔ '' صبح الاعشیٰ '' (القلقشندی) ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۶۶ ؛ '' مفتاح السعادہ '' جلد ۱ ، صفحہ ۲۳۰ ۔

لکھے ہوئے ہیں - ان پر نہایت خوش نما گل کاری کی گئی ہے اور جلدیں نہایت عمدہ ہیں ۔ علاوہ ازیں اور بھی قابل قدر تصانیف ہیں ، مثلاً ''المسائل الشیرازیہ'' مصنفہ ابو علی الفارسی کا ایک نسخہ ہے جس کی خود مصنف نے تصحیح کی تھی - ''معجم الادباء'' کی پہلی جلد ہے جسے خود مصنف نے لکھا ہے - ابو الحیان الاندلوسی کی تصنیف ''التقریب'' بھی ہے جو مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے - ''نہج البلاغۃ'' کا نسخہ بھی ہے جو حضرت علی سے منسوب کیا جاتا ہے - ایک نسخہ '' المتعبر من الحکمہ '' مصنفہ ھبۃ الدین بن علی محررہ ۵۳۸ھ رکھا ہوا ہے - علاوہ ازیں کثیر تعداد میں اور بھی شیعی تصانیف ہیں جن میں خاص طور پر امانت اور وصایت پر زور دیا گیا ہے - قرآن مجید کی وہ آیات جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت علی کے قلم سے لکھی ہوئی ہیں کتب خانے میں نہیں ہیں بلکہ درگاہ میں رکھی ہوئی ہیں ۔

کتب خانہ ابن سوّار ، بصرہ

ابو علی بن سوّار خود ایک عالم تھا اور علم کا مربی تھا - اس نے دو کتب خانے قائم کیے تھے - ایک بمقام رام ہرمز اور دوسرا یہ جس کے متعلق ہم لکھ رہے ہیں - طلباء ان دونوں کتب خانوں میں مطالعہ کرنے اور کتابوں کی نقل کرنے جایا کرتے تھے اور بانیٔ کتب خانہ کی طرف سے ان کے کھانے کا انتظام کیا جاتا تھا - المقدسی کی روایت کے بموجب بصرہ کا کتب خانہ بڑا تھا اور یہاں کام بھی زیادہ ہوا کرتا تھا - علاوہ ازیں ایک عالم متکلمانہ دینیات کی تعلیم بھی دیا کرتا تھا[1] جیسا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں - '' مقامات الحریری '' میں بھی اس کتب خانہ کا ذکر موجود ہے جہاں یہ تقریر الحارث البصری کی زبان سے کرائی گئی ہے -

''جب میں وطن واپس آیا تو میں نے مقامی کتب خانے کو دیکھا جو علم دوست حضرات کا کاب اور مقامی اور غیر ملکی حضرات کا سنگم تھا - تھوڑی دیر میں ایک شخص جس کی داڑھی بہت بھری ہوئی تھی اور بظاہر نہایت خستہ حال تھا آکر بیٹھ گیا اور کسی نے بھی اس کی طرف توجہ نہ کی - لیکن جب اس نے بات چیت شروع کی تو بہت سے لوگ اس کی عالمانہ گفتگو سے مسحور ہو کر اس کی طرف کھچ آئے اور اس کے گرد جمع ہو گئے''[2] -

خزانۂ سابور (دار العلم)

خزانۂ سابور کا شمار اسلامی دنیا کے بہترین کتب خانوں میں ہوتا ہے - اسے ابو نصر سابور بن اردشیر (متوفی ۴۱۶ھ) نے قائم کیا تھا - یہ شخص بواھدین کے وزراء میں سے تھا۔

---

۱ ''احسن التقاسیم'' صفحہ ۴۱۳ -
۲ ''مقامات'' صفحہ ۱۵ -

Marfat.com

یہ کتب خانہ بغداد کے محلہ کرخ کے ایک حصہ میں جو ''بین السورین'' کے نام سے مشہور تھا قائم کیا گیا تھا۔[1] کتب خانہ کے لیے بہترین کتابیں جمع کرنے میں پیسے کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا تھا - بنو مقلہ کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے ایک سو نسخے تھے - علاوہ ازیں دس ہزار چار سو کتابیں مختلف شعبہ ہائے علوم سے متعلق تھیں - ان میں اکثر یا تو مصنفین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں یا دنیا کے بڑے بڑے لوگوں سے حاصل کی گئی تھیں - سابور نے ادارہ کے اخراجات کا معقول انتظام کر دیا تھا - کتب خانے میں اس زمانے کے ممتاز حضرات اور علماء کا جماؤ رہا کرتا تھا اور اکثر مناظرے اور مباحثے منعقد ہوا کرتے تھے - مشہور فلسفی ابو العلاء المعری (متوفی ۴۴۹ ھ) اکثر اس کتب خانے کے لیے سفر کیا کرتا تھا اور دوران قیام بغداد میں تو اٹھنے بیٹھنے کی یہی مرغوب جگہ تھی[2] -

اکثر مصنفین اور عشاق کتب نے بہت سی کتابیں اس کتب خانے کو عطا کر دی تھیں - ان میں احمد بن علی الخطیب[3] اور جبریل بن بختیشوع مثال کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں[4] -

دار العلم الشریف الرضی

اس علمی مرکز کو الشریف الرضی (متوفی ۴۰۶ھ) نے بغداد میں قائم کیا تھا اور اس کا نام دارالعلم رکھا تھا - یہاں ایک نہایت عمدہ اور خوش اسلوبی سے مرتب کیا ہوا کتب خانہ تھا - کثرت سے طلباء یہاں استفادہ کرنے جمع ہوا کرتے تھے اور بانیٔ دارالعلم کے لکچروں سے مستفیض ہوا کرتے تھے - ان طلباء کے تمام اخراجات الشریف الرضی خود برداشت کرتے تھے[5] -

کتب خانہ مسجد زیدی

اس مسجد اور کتب خانے کی بنیاد ابوالحسن علی بن احمد الزیدی (م ۵۷۵ھ) نے ڈالی تھی - بیان کیا جاتا ہے کہ جب عضد الدین محمد نے المستضی بامر اللہ کی حکومت میں ایک مرتبہ معزول ہو جانے کے بعد دوبارہ قلمدان وزارت سنبھالا تو اس نے خلیفہ کو تحریری درخواست پیش کی کہ مجھے اجازت دی جائے کہ ایک ہزار دینار الزیدی کے پاس بھیجوں کیونکہ میں نے یہ منت مانی تھی کہ دوبارہ وزارت ملنے پر یہ رقم دوں گا - خلیفہ نے نہ صرف اسے اجازت دی بلکہ اپنی طرف سے بھی ایک ہزار

۱- سوانحعمری ابو العلاء المعری در ''رسائل ابو العلاء'' صفحہ ۲۰ -
۲- ''رسائل ابو العلاء'' صفحہ ۴۳ -
۳- ''ارشاد'' (یاقوت) ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۴۲ -
۴- ابن ابی اصیبعہ ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۳۶ -
۵- ''مرأة الزمان'' (سبط بن الجوزی) ، جلد ۸ ، صفحہ ۲۲۷ -

Marfat.com

دینار الزیدی کے پاس بھیج دیے۔ اس رقم سے الزیدی نے مسجد و کتب خانہ تعمیر کرایا[1]۔ الزیدی نے اپنی وفات سے قبل اپنی تمام کتابیں اس کتب خانے کر دے دیں تا کہ طلباء اور دیگر متلاشیان علم ان سے استفادہ کریں[2]۔ تین دیگر علماء نے جن کو کتابوں سے عشق تھا یعنی ابو الخطاب العلیمی (متوفی ۵۴۷ھ)[3]، ابو الخیر صبیح الحبشی (متوفی ۵۸۴ھ)[4] اور عظیم مورخ یاقوت الحموی[5] (متوفی ۶۲۶ھ) نے بھی اپنی تمام کتابیں اس کتب خانے کے نام وقف کر دی تھیں۔

دار العلم

فاطمی خلیفہ الحاکم بامراللہ نے قاہرہ میں یوم شنبہ ۱۰ جمادی ۳۹۵ھ کو دارالعلم یا دار الحکمۃ کا افتتاح کیا تھا۔ افتتاح سے قبل ایسی تیاریاں کی گئیں کہ اس کے سامنے دور مامون رشید کا دارالحکمۃ ماند پڑ جائے۔ تمام عمارت کو سجایا گیا اور اعلیٰ قسم کا خوشنما فرنیچر مہیا کیا گیا۔ دروازوں اور غلام گردشوں پر قیمتی پردے لٹکائے گئے اور ضروری عملہ کا انتخاب کیا گیا۔ شاہی محل میں جس قدر کتابیں تھیں انھیں دارالعلم میں منتقل کرنے کے احکام نافذ کیے گیے اور دارالعلم میں بیش بہا ذخیرۂ کتب جمع ہو گیا جو بادشاہوں ھی کے پاس ہو سکتا تھا۔ مختلف مضامین پر کتابیں جمع ہو گئیں جن میں بیشتر مصنفین ھی کے ھاتھ کی لکھی ہوئی تھیں۔ یہاں درس و تدریس کے لیے حفاظ، ھیئت دان، نحوی، ماھرین علم اللسان اور اطباء مقرر کیے گئے۔ علاوہ ازیں بے حد آسانیاں مہیا کی گئیں، مثلاً قلم کاغذ دوات مفت مہیا کیا جاتا تھا۔ بغیر تخصیص ھر شخص کو کتب خانے میں آنے کی اجازت تھی۔ چنانچہ طلباء کا ایک مجمع رہا کرتا تھا۔ کچھ درس میں شرکت کے لیے آتے تھے اور کچھ کتابوں کی نقلیں کرنے کے لیے اور مطالعہ کے لیے آیا کرتے تھے[6]۔ دار العلم میں اکثر مناظرے ہوا کرتے تھے جو عموماً حجت اور نزاع پر منتج ہوتے تھے[7]۔

دار الحکمۃ زمانے کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ ترقی و تنزل کی راھوں سے گزرنے کے باوجود چھٹی صدی کے اوائل تک قائم رہا۔ پھرجب الملک الافضل کو پتہ چلا کہ دار الحکمۃ کو بعض لوگ مقاصد رفض کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں تو اس نے اس کو فوراً بند کر دینے کے احکامات جاری کر دے[8]۔ ۵۱۷ھ میں الماسون البطائحی نے

۱- ''مرأۃ الزمان'' (سبط بن الجوزی)، جلد ۸، صفحہ ۲۲۷۔
۲- ''رسالہ الھرارہ'' ۳۳، صفحہ ۸۔
۳ و ۴- ایضاً ۳۴، صفحہ ۷۔
۵- ''شذرات الذھب'' (ابن العماد)، صفحہ ۱۲۲۔
۶- ''الخطط'' (المقریزی)، جلد ۱، صفحہ ۴۵۸ - ۴۰۹؛ جلد ۲، صفحہ ۳۴۲۔
۷- ''تاریخ التمدن الاسلامی'' (زیدان)، جلد ۳، صفحہ ۲۱۰۔
۸- ''الخطط'' (المقریزی)، جلد ۱، صفحہ ۴۵۹۔

خلیفہ کے حکم سے دار العلم کو پھر کھول دیا [۱]۔ چنانچہ پھر اسی زور شور سے کام شروع ہوگیا جیسا پہلے تھا اور زوال خاندان فاطمی تک یہی کیفیت رہی ۔ صلاح الدین نے اسے ختم کرکے اس کی جگہ ایک شافعی مدرسہ قائم کیا [۲]۔

مدارس میں کتب خانے

عراق ، خراسان ، شام اور مصر کے تمام مدارس میں کتب خانے موجود تھے ۔ کوئی مدرسہ ایسا نہ تھا جہاں کتابوں کا ذخیرہ نہ ہو ، البتہ اس کی ترقی مدرسہ کی مالی امداد پر منحصر تھی ۔

نظام الملک نے اپنے ہر مدرسہ میں ایک کتب خانہ بھی قائم کر دیا تھا اور ہر جگہ کتابوں کا خاصا ذخیرہ جمع کر دیا تھا ۔ اس قسم کے کتب خانوں میں مدرسہ نظامیہ بغداد کا کتب خانہ سب سے بڑا تھا کیونکہ یہ مدرسہ بھی سب سے بڑا تھا ۔ جو کتابیں نظام الملک نے اس مدرسہ کو دی تھیں ان میں ابراهیم الحربی کی تصنیف ''غریب الحدیث'' کی دس جلدیں تھیں جو ابو عمرو بن جبادیہ کے قلم کی لکھی ہوئی تھیں اور یہ اس کتاب کا بے نظیر نسخہ ہے [۳]۔

۵۸۹ھ میں خلیفہ الناصرلدین اللہ نے اس کتب خانے کی درستی کا حکم صادر فرمایا اور اپنے ذاتی کتب خانے سے ہزاروں کتابیں یہاں منتقل کر دیں ۔ ابو الرشید مبشر الحسیب کے سپرد یہ کام ہوا کہ کتب خانہ کے لیے مناسب کتابوں کا انتخاب کرے [۴]۔

ساتویں صدی کے نصف اول میں اس کتب خانہ کو ایک ہزار دینار کی قیمتی کتابوں کا ذخیرہ ملا ۔ اس مرتبہ معطی محب الدین بن النجار (م ۶۵۳ھ) تھا [۵]۔

مدرسہ المستنصریہ میں بہت بڑا اور مرتب کتب خانہ تھا جہاں خلیفہ کے ذاتی کتب خانے سے ایک سو تیس بار کتابوں کے لائے گئے تھے [۶]۔ ابن عنبہ العلوی کی روایت کے بموجب ان کتابوں کی تعداد آٹھ ہزار تھی [۷]۔ المقریزی کے بیان کے مطابق اس کتب خانے میں ''کتاب الیاسہ'' (آئین منگول) کا نسخہ بھی تھا جس میں چنگیز خاں کے وہ فرامین تھے جو اس نے اپنی رعایا کے لیے جاری کیے تھے [۸]۔ یہاں مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ''تاریخ بغداد'' کی چودہ جلدیں بھی تھیں [۹]۔

۱۔ ''الخطط'' (المقریزی) ، صفحہ ۴۵۹ - ۴۶۰ ۔
۲۔ ''العبر'' (ابن خلدون) ، جلد ۴ ، صفحہ ۷۹ ۔
۳۔ ''طبقات الشافعیہ'' (السبکی) ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۳۰ ۔
۴۔ القفطی ، صفحہ ۲۶۹ ۔
۵۔ ''فوات الوفیات'' (الکتبی) ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۶۴ ۔
۶۔ ''تاریخ الخلفاء'' (السیوطی) ، صفحہ ۳۰۶ ۔
۷۔ ''عمدۃ المطالب'' (ابن عنبہ) ، غیر مطبوعہ ، صفحہ ۱۹۵ ۔
۸۔ ''الخطط'' جلد ۲ ، صفحہ ۲۲۰ ۔
۹۔ ''کشف الظنون'' (حاجی خلیفہ) ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۲۱ ۔

کہا جاتا ہے کہ مدارس دمشق کے بانی نورالدین نے بھی طالبان علم کے لیے بہت سی کتابیں عطا کردی تھیں[1]۔ طب کی کتابیں دمشق کے بڑے ہسپتال کے کتب خانے میں جمع کردی تھیں جو مثل دیگر ہسپتالوں کے علم طب کی تدریس کا مرکز تھا[2]۔

قاہرہ میں القاضی الفاضل نے اپنا مدرسہ ۵۸۰ھ میں قائم کرنے کے بعد مختلف مضامین کی ایک لاکھ کتابیں بہ طور عطیہ دے دیں جس سے طلباء آزادی کے ساتھ استفادہ کرتے تھے[3]۔

قطب الدین نیشا پوری کی کتابوں کا بہترین ذخیرہ مدرسہ عادلیہ الکبریٰ (جو ملک العادل صف الدین متوفی ۶۱۵ سے منسوب تھا) کو بہ طور عطیہ پیش کیا گیا[4]۔

شرف الدین بن عروہ (متوفی ۶۲۰ھ) نے اپنی کتابیں دارالحدیث العرویہ کو جو اس کے نام سے منسوب تھا وقف کردی تھیں[5]۔

مدرسۃ الصاحبیہ میں جسے الصاحب صفی الدین بن عبداللہ (متوفی ۶۲۲ھ) نے قائم کیا تھا ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جس سے لوگ مفت استفادہ کرتے تھے[6]۔

وزیر سلطنت ابوالاشبال الحارث (م ۶۲۸ھ) نے مدرسہ البہنسیہ قائم کیا اور علاوہ دیگر اوقاف کے اپنا ذاتی کتب خانہ بھی مدرسہ کو دے دیا[7]۔

الامیر سیف الدین الحامی نے نہ صرف اپنے مدرسہ میں استاد مقرر کیے تھے بلکہ مدرسہ کے لیے ایک بہت بڑے کتب خانے کا بھی اہتمام کیا تھا[8]۔

نیم سرکاری کتب خانے

یہ کتب خانے عام نہ تھے کیونکہ ہر شخص کو وہاں جانے کی اجازت نہ تھی۔ نہ وہ ذاتی ھی تھے کیونکہ ان کے مالکوں کو نہ تو ان سے استفادہ کرنے کی فرصت تھی اور نہ اس طرف توجہ تھی۔ یہ کتب خانے خلفاء یا بادشاہوں کی ملکیت تھے۔ انہوں نے ان کو اس لیے قائم کیا تھا کہ انھیں بھی علمی دنیا میں شہرت حاصل ہو۔

جیسا کہ المقدسی کا بیان عضد الدولہ کے شیرازی کتب خانے کے متعلق ہے، اس قسم کے کتب خانوں میں صرف ان لوگوں کو داخلہ ملتا تھا جو اعلیٰ طبقہ سے

۱- ''الدارس فی التاریخ المدارس'' جلد ۱، صفحہ ۶۰۸ -

۲- ''تاریخ البارستانات فی الاسلام'' (احمد عیسیٰ بیگ) ؛ ابن اصیبعہ، جلد ۲، صفحہ ۱۵۵ -

۳- ''الخطط'' صفحہ ۳۶۶ -

۴- ''الروضتین'' جلد ۱، صفحہ ۲۱۴، (ابوشامہ) -

۵- النعیمی صفحہ ۸۲ -

۶- الخطط، جلد ۲، صفحہ ۳۷۱ -

۷- النعیمی، جلد ۱، صفحہ ۲۱۵ -

۸- ''الخطط'' جلد ۲، صفحہ ۳۸۷ -

Marfat.com

تعلق رکھتے تھے[۱]۔ نامور فلسفی بو علی سینا کو سامانی کتب خانے میں مخصوص اجازت نامہ حاصل کرکے داخل ہونے کی اجازت تھی[۲]۔

اس قسم کے کتب خانے اسلامی دنیا میں کثرت سے تھے چند مثالیں درج ذیل ہیں :

کتب خانہ الناصر لدین اللہ

الناصر کی شخصیت اور اس کی طویل مدت حکومت[۳] نے اسے خلافت کا وقار دوبارہ قائم کرنے کا موقع دیا تھا - جن باتوں پر اس نے توجہ دی ان میں علمی معاملات بھی تھے اور اسی لیے اس کے پاس ایک بہترین کتب خانہ بھی تھا - اس کی وسعت کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اس کے ایک حصہ کو تین جگہ تقسیم کیا گیا تھا - دو حصے مل کر تو دارالمناہ اور الرباط الخاتونی السلجوقی کے کتب خانے بنتے تھے اور تیسرا حصہ النظامیہ کے کتب خانے کو دے دیا گیا تھا[۴]۔ اس حصہ کے متعلق جو النظامیہ کو دیا گیا تھا ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ اس میں ہزار ہا نادر و بیش قیمت کتابیں تھیں[۵]۔

کتب خانہ مستعصم باللہ

اس کتب خانے کا ذکر متعدد کتابوں میں آتا ہے - ابن الفوطی لکھتے ہیں کہ مستعصم نے تخت خلافت پر متمکن ہونے کے ایک سال بعد یعنی ۶۴۱ھ میں حکم نافذ فرمایا کہ محل میں ایک بڑا کتب خانہ قائم کیا جائے۔ اس زمانے کے شعراء اس کتب خانے کے عجائبات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے اس کی تعریف میں قصیدے لکھے - ابن الفوطی نے ایک نظم اپنی کتاب میں نقل کی ہے جو صفی الدین عبداللہ بن جمیل نے کہی تھی[۶] - الکتبی نے لکھا ہے کہ مستعصم نے ایک کتب خانہ قائم کیا اور اس کے لیے دو نہایت اعالی درجہ کے کاتب ملازم رکھے[۷] - ابن الطقطقی نے دو کتب خانوں کا حال لکھا ہے جو مستعصم نے قائم کیے تھے - پرانا تو صدر الدین علی بن النیار کے زیر اہتمام تھا اور نئے کا انتظام صفی الدین عبد المنعم الارموی کے سپرد تھا[۸] - ان دونوں کتب خانوں کا ذکر ابن عبد الحق البغدادی نے بھی کیا ہے[۹] -

---

۱- ''احسن التقاسیم'' صفحہ ۴۴۹ -

۲- نکلسن ، *Literary History of the Arabs* ، صفحہ ۲۶۵ -

۳- اس نے ۵۷۵ سے ۶۲۲ تک حکومت کی -

۴- القفطی ، صفحہ ۲۶۹ -

۵- ''الکامل فی التاریخ'' جلد ۸ ، صفحہ ۲۹ -

۶- ملاحظہ ہو ''حوادث الجامعہ'' صفحہ ۱۸۴ -

۷- ''فوات الوفیات'' جلد ۲ ، صفحہ ۱۸ -

۸- ''الفخری فی الاداب السلطانیہ'' صفحہ ۲۸۰ -

۹- ''مراصد الاطلاع'' جلد ۳ ، صفحہ ۱۶۲ -

Marfat.com

مستعصم خود ارباب عقل و دانش میں سے نہ تھا لیکن یہ روایت ہے کہ وہ اپنا کچھ وقت خزانۃ الکتب میں صرف کیا کرتا تھا لیکن اس سے کچھ زیادہ دلچسپی نہ تھی[1] -

کتب خانہ خلفائے فاطمی

ابن الاثیر کا بیان ہے کہ المہدی کو اپنے بزرگوں سے ایک کثیر تعداد کتابوں اور دستاویزوں کی ورثے میں ملی تھی - جب المہدی سجلماسہ کو جا رہا تھا تو یہ سارا ذخیرہ کتب چوری ہو گیا تھا لیکن اس کے بیٹے ابوالقاسم نے کچھ عرصہ بعد اسے دوبارہ حاصل کر لیا[2] -

قیاس یہ چاہتا ہے کہ یہ سارا ذخیرۂ کتب اس ساز و سامان کے ساتھ جو المعز شمالی افریقہ سے لایا تھا قاہرہ منتقل ہو گیا - اگر یہ صحیح ہے تو پھر عظیم الشان فاطمی کتب خانے کی بنیاد یہی تھی -

فاطمی خلفاء ہمہ وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ ان کے محل کے کتب خانے میں زمانہ بھر کی کتابیں جمع ہو جائیں - ان کی اس تڑپ ہی کا نتیجہ ہے کہ ان کے کتب خانے میں بعض کتابوں کے غیر معمولی نسخے تھے لیکن پھر بھی وہ دیگر نسخے خریدنے پر فیاضی سے آمادہ رہتے تھے- چنانچہ لکھا ہے کہ اس کتب خانے میں مصحف شریف کے دو ہزار چار سو نسخے تھے جن میں بعض نہایت مشہور خطاطوں نے لکھے تھے- ان کی جلدیں نہایت خوشنما اور منقش تھیں[3]- بارہ سو نسخے ''تاریخ الطبری'' کے تھے جن میں سے ایک مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا[4] - ایک سو نسخے ابن درید کی تصنیف ''الجمہرہ'' کے تھے[5] اور تقریباً تیس نسخے الخلیل کی تصنیف ''کتاب العین'' کے بھی تھے[6]-

اس کتب خانے میں کتابوں کی تعداد اس قدر زیادہ بڑھ گئی تھی کہ اس کے متعلق عجیب و غریب روایات مشہور ہیں ، اگرچہ یہ مسئلہ متنازعہ فیہ ہے - ابوشامہ سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر کتابوں کی تعداد بیس لاکھ بتاتا ہے[7]- اور المقریزی نے مختلف تعداد بتائی ہے لیکن اس کا رجحان اس طرف ہے کہ سولہ لاکھ کتابیں تھیں[8] - المقریزی

۱- الفخری ، صفحہ ۲۹۵ -
۲- ''الکامل فی التاریخ'' جلد ۸ ، صفحہ ۲۹ -
۳- ''الخطط'' (المقریزی) ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۰۸ -
۴- ایضاً ، صفحہ ۴۰۹ - نیز ملاحظہ ہو '' الروضتین '' جلد ۱ ، صفحہ ۲۰۰ ، جہاں تعداد ۱۲۲۰ درج ہے -
۵- ایضاً ، صفحہ ۴۰۸ -
۶- ایضاً -
۷- ''الروضتین'' جلد ۱ ، صفحہ ۲۰۰ -
۸- ''الخطط'' جلد ۱ ، صفحہ ۴۰۹ -

کی روایت کے مطابق اس کثیر تعداد میں جن مضامین پر کتابیں تھیں وہ یہ ہیں ۔ فقہ (مختلف فرقہ ہائے اسلام) ، صرف و نحو ، زبان ، حدیث ، تاریخ ، ہیئت اور کیمیا[1] ابوشامہ اور المقریزی متفق ہیں کہ یہ کتب خانہ عجائبات عالم میں سے تھا اور یہ کہ قرون وسطیٰ کے اسلامی کتب خانوں میں بے نظیر تھا[2] ۔

یہ بیش بہا کتب خانہ اس وقت تک قائم رہا جب المستنصر کے عہد میں خانہ‌جنگی شروع ہوئی ۔ اس جنگ کے دوران میں وحشی ترکوں نے دارالخلافہ کو لوٹ لیا اور نہایت بیش بہا ذخیرہ ہائے فنون کو تباہ کر دیا اور انتہا یہ کہ اس بے مثال کتب خانے کو بالکل برباد کردیا ۔ نایاب مسودات سے آگ سلگائی جاتی تھی ۔ کتابوں کی جلدوں سے سپاہیوں کے جوتوں کی مرمت کی جاتی تھی اور بے شمار کتابیں پھاڑ کر بے دردی سے پھینک دی گئیں جن کے ڈھیر لگ گئے تھے ۔ جو ''طلال الکتب'' کے نام سے مشہور ہوگئے تھے[3] ۔

جب بدرالجمالی کو مصر کے معاملات کی سر براہی حاصل ہوئی تو اس نے حتی الوسع کتابیں دوبارہ جمع کرنے کی کوشش کی اور جس قدر کتابیں مل سکیں ان سے دوبارہ کتب خانہ قائم کردیا ۔ یہ کتب خانہ فاطمی محل میں اس وقت تک قائم رہا جب صلاح الدین نے اس خاندان کو شکست دی اور کتب خانے کو ختم کر دیا ۔ رفض سے متعلق کتابوں کو برباد کر دیا ، بعض کو نیلام کر دیا اور باقی کتابیں اس نے اپنے معتمدین القاضی الفاضل اور عمادالدین الاصفہانی کو دے ڈالیں[4] ۔

ان نیم سرکاری کتب خانوں کا تذکرہ ختم کرنے سے پہلے ہم بتانا چاہتے ہیں کہ ان کتابوں کا بیشتر حصہ کتب خانہ ہائے عام میں منتقل کر دیا گیا تھا ، جیسا کہ ہم الناصر کے کتب خانے اور فاطمی محل کے کتب خانے کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ بیشتر حصہ دارالعلم میں منتقل کر دیا گیا تھا ۔

ذاتی کتب خانے

یہ کتب خانے علماء نے اپنے ذاتی استعمال کے لیے قایم کیے تھے ۔ ہمیں کوئی عالم ایسا نہیں ملتا جس نے اپنے لیے کچھ کتابیں جمع نہ کی ہوں ۔ چنانچہ ہم کہ سکتے ہیں کہ جس قدر علماء تھے اسی قدر کتب خانے بھی تھے ۔ بہرحال ہم ان میں سے چند کتب خانوں کا مختصر حال بیان کرتے ہیں ۔

۱- ''الخطط'' جلد ۱ ، صفحہ ۴۰۹ ۔

۲- ''الروضتین'' جلد ۱ ، صفحہ ۲۰۰ ؛ ''الخطط'' جلد ۱ ، صفحہ ۴۰۹ ۔

۳- '' الخطط '' (المقریزی) جلد ۱ ، صفحہ ۴۰۹ ، Lane-Poole، *History of Egypt* صفحہ ۱۴۹ ۔

۴- ''الروضتین'' (ابوشامہ) ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۶۷ ؛ ''الخطط'' جلد ۱ ، صفحہ ۴۰۹ ۔

Marfat.com

کتب خانہ الفتح بن خاقان متوفی ۲۴۷ھ

الفتح بن خاقان کتابوں کا بڑا عاشق و دلدادہ تھا - وہ ہر وقت کوئی نہ کوئی کتاب اپنی بغل میں رکھتا تھا اور جب ذرا سا وقت ملتا مطالعہ کرنے لگتا تھا [1]۔ علی بن یحییٰ المنجم کو اس کام کے لیے مقرر کیا گیا تھا - کہ الفتح کے لیے کتابیں منتخب کرکے کتب خانہ ترتیب دے - علی نے کچھ کتابیں اپنے کتب خانہ سے منتقل کر دیں اور ان کے علاوہ دیگر کتب بھی جو حاصل ہو سکیں مہیا کیں اور اس طرح ایک بے نظیر و شاندار کتب خانہ تیار کر دیا [2]- اس کتب خانہ کے لیے متعدد کتابیں لکھی گئیں ، خاص طور پر نامور عالم الجاحظ نے یہ کام اپنے ذمہ لیا - ابن الندیم کی رائے اس کتب خانہ کے متعلق یہ ہے کہ کسی شخص نے کیا بہ لحاظ تعداد اور کیا بہ لحاظ خوبصورتی و خوش حالی اس سے بہتر مجموعہ کتب نہیں دیکھا تھا [3]-

کتب خانہ حنین بن اسحاق متوفی ۲۶۴ ھ

فاضل طب حنین کو اپنے عہد کی نہایت کارآمد چار زبانون پر پورا پورا عبور حاصل تھا یعنی وہ یونانی ، شامی فارسی اور عربی زبانوں پر حاوی تھا [4]- لہٰذا اس کے کتب خانہ کی یہ خصوصیت تھی کہ اس میں علم طب کی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا اور مختلف زبانوں کی کتابیں بھی تھیں - درحقیقت حنین نے بے حد سعی و کوشش سے کتابیں جمع کی تھیں اور اس کے کتب خانے کا شمار اس زمانے کے بہترین اسلامی کتب خانوں میں ہوتا تھا - اس نے محض کتابوں کے لیے مختلف ملکوں کی سیاحت کی تھی اور ہر سفر میں خاصی تعداد کتابوں کی جمع کرکے لایا کرتا تھا [5] - علاوہ ازین خود اس کے بے شمار تراجم اور اس کی اپنی تصانیف سے بھی خاصا اضافہ ہونا یقینی ہے [6] -

کتب خانہ ابن الخشّاب متوفی ۵۶۷ھ

ابن الخشاب جو اپنے زمانے کا بہترین نحوی تھا اور دیگر علوم کا بھی مستند عالم تھا کتابوں کا بے حد دلدادہ تھا ، لیکن اس کی مالی حالت اس قدر خراب تھی کہ اپنی

۱- '' الفہرست '' صفحہ ۱۶۹ ؛ ''ارشاد'' جلد ۶ ، صفحہ ۵۶ ؛ ''فوات'' (الکتبی) جلد ۲ ، صفحہ ۱۲۳ -

۲- ''الفہرست'' صفحہ ۲۰ ؛ ''ارشاد'' جلد ۵ ' صفحہ ۴۰۹ ؛ ''فوات'' جلد ۲ ، صفحہ ۱۲۳ -

۳- '' الفہرست '' صفحہ ۱۶۹ -

۴- ابن ابی اصیبعہ ، جلد ۱ ' صفحہ ۱۸۶ -

۵- '' الفہرست '' صفحہ ۴۰۰ ؛ القفطی صفحہ ۱۷۳ ؛ ابن ابی اصیبعہ ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۸۷ -

۶- القفطی ، صفحہ ۴۰۰ ؛ ابن ابی اصیبعہ جلد ۱ ' صفحہ ۱۹۷-۲۰۰ -

Marfat.com

خواهش کے مطابق اپنا کتب خانہ بنانے کے قابل نہ تھا - کتابوں سے اسے ایسی لگن تھی کہ ایسا معلوم ہوتا ہے بعض دفعہ ان کے حصول کے لیے وہ ناجائز طریقے بھی استعمال کرتا تھا - نیلام میں یا کتاب کی دوکان میں جب وہ کسی کتاب کو خریدنا چاہتا تو چپکے سے اس کے چند اوراق پھاڑ کر الگ کر لیتا تھا اور کتب فروش کو اور دیگر خریداروں کو کتاب کا یہ نقص دکھا کر کتاب کی قیمت گرا دیتا تھا اور پھر خرید لیا کرتا تھا - پھر وہ صفحات اس میں جوڑ لیا کرتا تھا - علاوہ ازیں اگر کسی سے کوئی کتاب مستعار لیتا تو واپس ہی نہ کرتا بلکہ نہایت افسوس کا اظہار کرکے کتاب کے مالک سے کہہ دیتا کہ اب تو اس کتاب کا میرے کتب خانے سے نکلنا مشکل ہی ہے - بہر حال پھر بھی اس نے تمام کتابیں طالبان علم کے لیے ترکہ میں چھوڑیں[1] -

کتب خانہ الموفق بن مطران متوفی ۵۸۷ھ

طبیب فاضل الموفق کو کتابوں سے عشق تھا - اس نے اپنے کتب خانے میں تقریباً دس ہزار کتابیں چھوڑیں - چونکہ وہ بہت اچھا خوشنویس تھا لٰہذا اس نے بہت سی کتابیں اپنے کتب خانے کے لیے خود نقل کی تھیں اور اس کام کے لیے تین کاتب اور بھی ملازم رکھے تھے - اس نے اکثر کتابوں کی تصحیح بھی کی تھی اور ان پر حواشی بھی لکھے تھے[2] -

کتب خانہ جمال الدین القفطی متوفی ۶۴۶ھ

شام کے حکمران ایوبی خاندان کا وزیر القفطی مختلف علوم و فنون کا مسلم الثبوت استاد تھا - اسے کتابوں سے ایسا شغف تھا کہ لوگ دور دراز کا سفر کرکے اس کے لیے کتابیں اور مسودات لایا کرتے تھے - وہ بھی دل کھول کر نہایت فیاضی سے معاوضہ دیا کرتا تھا اسے کتابوں سے ایسا عشق تھا کہ شادی کرنے سے بھی انکار کر دیا تھا - کہا جاتا ہے کہ اس کے کتب خانے کی مالیت پچاس ہزار دینار تھی - اس کی وصیت کے مطابق اس کی وفات کے بعد تمام کتابیں حلب کے حکمران الناصر کو دیدی گئیں[3] -

کتب خانہ المبشر بن فاتک متوفی اواخر پانچویں صدی

فاضل طبیب ابن فاتک کے پاس کتابوں کا ایک حیرت انگیز ذخیرہ تھا - وہ اپنا بیشتر وقت کتب خانے ہی میں گزارا کرتا تھا - کہتے ہیں کہ اس کی بیوی کتابوں

۱- یاقوت ، جلد ۴ ، صفحہ ۲۸۶ -

۲- ابن ابی اصیبعہ ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۷۸ ؛ ''خطط الشام'' (کرد علی) جلد ۶ ، صفحہ ۱۹۳ -

۳- ''فوات الوفیات'' جلد ۲ ، صفحہ ۹۷ ؛ ''خطط الشام'' جلد ۶ ، صفحہ ۱۹۳ ؛ ''اسلامک کلچر'' جلد ۳ ، ۱۹۲۹ -

سے بے حد جلتی تھی کیونکہ وہ اپنا سارا فالتو وقت کتب خانے ہی میں صرف کیا کرتا تھا۔ چنانچہ اس کی بیوی نے اس کی وفات کے بعد وفور رنج و غم سے ان ساری کتابوں کو گھر کے اندر ایک آرایشی حوض میں پھینک دیا۔ اگرچہ کتابوں کو جلد ہی وہاں سے نکال لیا گیا لیکن پھر بھی کتابیں خراب ہو گئیں اور کاغذ کا بہت سا رنگ بدل گیا[۱]۔

کتب خانہ افرائیم بن رفان ۵۰۰ھ

علی بن رضوان کا بہترین شاگرد افرائیم تھا۔ اس کے پاس خزائن کتب تھے جن میں زیادہ تر طب کی کتابیں تھیں۔ کسی سبب سے افرائیم اپنے کتب خانہ میں سے دس ہزار کتابیں بیچنے پر راضی ہو گیا اور خریدار اتفاق سے کوئی عراقی تھا۔ جب ملک الافضل نے یہ خبر سنی تو اس نے تمام کتابیں خریدنے کا فیصلہ کیا تاکہ مصری ان کتابوں سے استفادہ کریں (یعنی کتابیں عراق نہ جا سکیں)۔ لہٰذا سب کتابیں الافضل کے کتب خانے میں منتقل ہو گئیں، لیکن پھر بھی اس سے دوگنی کتابیں بچ رہیں[۲]۔

کتب خانہ عماد الدین الاصفہانی

عماد الدین الاصفہانی نے جب یہ سنا کہ فاطمی کتب خانے کی کتابیں بہت کم قیمت پر فروخت ہو رہی ہیں تو فوراً نیلام میں پہنچ گیا۔ جن اعلیٰ درجہ کی کتابوں کو اس نے منتخب کیا ان کی قیمت چند سو دینار ہوتی تھی، لیکن صلاح الدین نے اسے کتابیں بلا قیمت نذر کر دیں۔ کچھ دن بعد صلاح الدین نے محل کے کتب خانے سے کچھ اور کتابیں منتخب کرکے عماد الدین کو عطا کیں۔ کتابوں کے تیسرے تحفہ کے متعلق عماد الدین نے یہ لکھا ہے: ''ایک دن میں سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے سامنے کچھ کتابیں پڑی ہوئی تھیں۔ مجھے ان کتابوں پر نظر ڈالنے کے لیے بلایا گیا اور جب مجھ سے کہا گیا کہ ان میں چند کتابیں ایسی ہیں جن کی مجھے تلاش تھی تو میں نے جواب میں عرض کیا کہ یہ تو ساری ہی کتابیں میرے مطلب کی ہیں۔ چنانچہ وہ سارا ذخیرہ مجھے بخش دیا گیا''[۳]۔

۱- ابن ابی اصیبعہ، جلد ۲، صفحہ ۹۸؛ القفطی، صفحہ ۲۶۹۔
۲- ابن ابی اصیبعہ جلد ۲، صفحہ ۱۰۵۔
۳- ''الروضتین'' (ابوشامہ) جلد ۱، صفحہ ۲۶۸۔

Marfat.com

باب سوم

اساتذہ

قرون وسطیٰ کے علماء میں یہ کوئی تخصیص نہ تھی کہ کون ان میں مدرس ہے اور کون نہیں ہے ۔ ہر عالم کسی نہ کسی طرح درس و تدریس میں مشغول رہتا تھا ۔ کوئی تو باقاعدہ ایک جگہ بیٹھ کر درس دیتا تھا اور کوئی کتابیں شائع کر کے اشاعت علم میں مصروف رہتا تھا ۔ لہٰذا اگر ہم اس جگہ ان علماء کا بھی تذکرہ کریں جو پیشہ ور استاد نہ تھے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ۔

اساتذہ کی اہمیت

ہر طالب علم کے لیے یہ لازمی تھا کہ وہ صرف کتابوں ہی سے اپنے علم میں اضافہ نہ کرے بلکہ کسی استاد کی خدمت میں رہ کر براہ راست درس لے ۔ بعض مسلمان تو اس بات کو بدبختی تصور کرتے تھے کہ استاد کو چھوڑ کر محض کتاب پر اکتفا کیا جائے[1] اور بعض حضرات تو یہاں تک کہتے تھے کہ بے استاد طالب علم بے دین ہے جس نے شیطان کو اپنا رہنما بنا لیا ہے[2] ۔

استاد کی ضرورت کا اظہار حضرت مصعب بن زبیر ، حضرت امام شافعی اور اخوان الصفاء نے ان الفاظ میں کیا ہے :

''لوگوں نے جو کچھ سیکھا ہے اس میں سے بہترین بات منہ سے نکالتے ہیں ، جو کچھ انھوں نے لکھا ہے اس میں سے بہترین چیز سیکھ لیتے ہیں اور جو کچھ سنا ہے اس میں سے بہترین بات لکھ لیتے ہیں ۔ لہٰذا اگر تمھیں علم کی تلاش ہے تو اسے کسی کے ہونٹوں سے حاصل کرو ۔ اور اس طرح تمھیں چیدہ اور برگزیدہ علم حاصل ہو گا'' (مصعب)[3] ۔

''جو شخص صرف کتابوں سے علم حاصل کرتا ہے اسے وہ امتیاز حاصل نہ ہو گا جس کی اسے ضرورت ہے'' (امام شافعی)[4] ۔

''ہر شخص کی قوت سے باہر ہے کہ وہ صرف اپنی کوشش سے علم حاصل کرے ۔

۱- ''تذکرۃ السامع و المتکلم'' (ابن جماعہ) ، صفحہ ۸۷ ۔
۲- ''الشکوہ'' (گمنام) ، ''جرنل ایشیا ٹک'' ، ۱۹۳۰ صفحہ ۲۸۴ ۔
۳- ''المحاضرات الابرار'' (محی الدین ابن عربی) غیر مطبوعہ استامبنول ۔
۴- ''تذکرہ السامع'' (ابن جماعہ) ، صفحہ ۸۷ ۔

اس لیے ہر طالب علم کے لئے ایک استاد کی ضرورت ہے جو حصول علم ، تعمیر سیرت اور اس کے عقاید و اعمال میں رہنما کا کام دے'' (اخوان الصفاء)[1]۔

جب یہ امر مسلمہ ہے کہ حصول علم کے لیے استاد کی ضرورت ہے تو پھر ان ہی حضرات کا انتخاب کیا جائے جن کا علم وسیع ہو اور جن کا اپنے زمانے کے کاملین سے پورا پورا ربط و ضبط ہو[2]۔

حکومت و اساتذہ کے تعلقات

رسول اکرم صلعم نے ابتدا ہی سے اسلام کے اصول اپنے متبعین کو سکھانے شروع کر دیے تھے[3]۔ یہ کام آنحضرت صلعم نے ایک پیغمبر کی حیثیت سے کیا تھا نہ کہ ایک سیاسی رہنما کی حیثیت سے ۔ آپ کی وفات کے بعد ہر معاملہ میں صحابہ سے اور خصوصاً خلفائے راشدین سے مشورہ کر لیا جاتا تھا ۔ جب خلفاء محض سیاسی سربراہ بن کر رہ گئے اور مذہب میں انھیں کافی درک حاصل نہ رہا تو مسلمانوں کی تعلیم کا کام علماء کے ذمہ ہوگیا ۔ ذمہ داری کی اس منتقلی کا ایک اور بھی سبب ہوا اور وہ یہ کہ جب اسلام دور دراز ممالک میں پہنچ گیا تو نومسلموں کو اسلامی تعلیمات کی ضرورت ہوئی جسے صرف ایک شخص پورا نہ کرسکتا تھا۔ چنانچہ نئے مفتوحہ علاقوں میں علماء اور فقہاءکو روانہ کیا گیا ۔ مثلاً جب آنحضرت صلعم فتح مکہ کے بعد مدینہ تشریف لے گئے تو مکہ میں حضرت معاذ کو چھوڑ آئے تاکہ وہ نومسلموں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کریں ۔ حضرت عمر نے اسی کام کے لیے عبداللہ بن مسعود کو کوفہ ، ابو موسیٰ اشعری کو بصرہ روانہ کیا ۔ اور جب المہدی نے ہندوستان کو افواج روانہ کیں تو الربیع ابن صبیح کو ساتھ کر دیا وقس علی ھذا ۔

ان لوگوں کا تقرر بطور اساتذہ نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ بھی اس فوج کا ایک حصہ ہوتے تھے جو مختلف مقامات پر متعین کی جاتی تھی اور بقول پروفیسر گب یہ فوجی ہیڈ کوارٹر نہ صرف فوج کے مراکز تھے بلکہ تبلیغ مذہب کے مراکز بھی تھے[4]۔

بہت سے علماء اپنی خوشی سے مختلف مقامات پر تعلیمات اسلام کی تبلیغ کے لیے محض اس واسطے جاتے تھےکہ اس میں انھیں اللہ کی خوشنودی منظور تھی اور اسی کی ذات سے اس کے صلہ کی تمنا تھی ۔ بہر حال مساجد ہر اس شخص کے لیے کھلی ہوئی تھیں جو درس و تدریس کا اہل تھا اور مسجد میں بیٹھ کر تعلیم دینا چاہتا تھا اور اہل علم اس کام کو نہایت جوش و خروش سے انجام دیتے تھے۔ وقت گزرتا گیا اور علماء بغیر کسی مزاحمت کے اس کام کو انجام دیتے رہے۔ انھوں نے مساجد کو اپنا مرکز بنا لیا تھا۔ حکومت

۱۔ ''رسائل اخوان الصفاء'' جلد ۴ ، صفحہ ۱۸ ۔
۲ ۔ ''تذکرہ السامع'' (ابن جماعہ) ، صفحہ ۸۷ ۔
۳ ۔ ''صحیح البخاری'' جلد ۱ ، صفحہ ۴۷ ۔
۴ ۔ Mohammedanism ، صفحہ ۵۰۴ ۔

Marfat.com

نہ ان کا تقرر کرتی تھی ، نہ خدمت کا کوئی معاوضہ دیتی تھی اور وہ جو مضمون چاہتے تھے پڑھاتے تھے - یہی حالات دور جدید تک برابر قائم رہے -

جب کبھی حکومت کی طرف سے کسی خاص مضمون کی تعلیم کے لیے تجویز پیش ہوئی یا حکومت نے کوئی درس گاہ قائم کی تو تنخواہ دار مدرسین کا تقرر عمل میں آیا اور تعلیم میں حکومت کی مداخلت کا آغاز اسی وقت سے ہوا - اس کی ابتدا اس وقت سے ہوئی جب حضرت معاویہ نے اپنے گروہ کی معاونت کے لیے القصص کی تعلیم کا انتظام کیا - حضرت معاویہ نے ایک شخص کا تقرر اس غرض سے کیا کہ وہ نماز فجر اور نماز عصر کے بعد مسجد میں بیٹھ کر حاضرین کو قصے پڑھ کر سنایا کرتا تھا ، مثلاً شہادت حضرت عثمان کا قصہ، تاکہ اهل شام کے جذبات حضرت علی کے خلاف بھڑکائے جائیں[1] -

مصر میں قصص کی ابتدا سنہ ۳۸ھ میں کی گئی - وهاں توبہ الحضرمی ، ابو اسماعیل بن نعیم اور ابو رجب بن عاصم بڑے بڑے قصاص تھے - ابو رجب کا مشاهرہ دس دینار تھا۔[2] جب بغداد میں بیت العلم قائم ہوا تو مترجم ، مہتمم کتب خانہ ، نقل نویس اور دیگر علماء و فضلاء کا تقرر کیا گیا اور ان کو فیاضانہ مشاہرے دیے جانے لگے[3] -

الازهر کی ابتدا ۳۵۹ھ میں بہ حیثیت ایک مسجد کے ہوئی لیکن ۳۷۸ھ میں اسے جامعہ میں تبدیل کر دیا گیا اور ۳۹۵ھ میں الحاکم نے دارالحکمۃ کی بنیاد ڈالی - ان دونوں اداروں کے لیے تنخواہ دار اطباء اور لائبریرین کا تقرر ہوا[4]۔

جب اسلامی دنیا میں جابجا نظامیہ کالج قائم ہوئے تو ہر کالج میں تنخواہ دار مدرسین کا تقرر ہوا - مشہور و معروف نظامیہ کالج بغداد کی کرسی صدارت کے لیے ابو اسحاق شیرازی کو نامزد کیا گیا - لیکن وہ افتتاح کالج کے دن تشریف نہیں لائے - چنانچہ ابن الصباغ کو بیس روز کے لیے عارضی طور پر مقرر کیا گیا - اس دوران میں نظام الملک نے الشیرازی کے شبہات کو دور کر کے انھیں صدارت کے لیے راضی کر لیا[5] -

نور الدین نے شام میں اور صلاح الدین نے مصر و شام میں جس قدر مدارس قائم کیے تھے سب میں تنخواہ دار مدرسین کا تقرر کیا گیا - ان کثیر تعداد مدرسین

۱- ''الخطط'' جلد ۲ ، صفحہ ۲۵۳ -

۲- ایضاً ، صفحہ ۲۵۳-۲۵۴ - اگرچہ مصنف نے یہ صراحت نہیں کی کہ یہ دینار ماهانہ ادا کئے جاتے تھے لیکن چونکہ ماهانہ تنخواہ کا دستور تھا للهذا ماهانہ ہی ہوں گے -

۳- '' الفهرست '' صفحہ ۱۵۳—۱۶۴ ؛ '' طبقات الاطباء '' (ابن ابی اصیبعہ) ، صفحہ ۱۸۶-۱۸۷

۴- ''الخطط'' جلد ۲ ، صفحہ ۲۷۳-۲۱۲،۳ -

۵- ''الکامل'' (ابن الاثیر) ، ۱۰-۳۸ -

Marfat.com

میں سے ہم صرف ابوالبرکات الحارثی (متوفی ۵۶۲ھ)[۱] نجم‌الدین الخابوشانی (متوفی ۵۸۷ھ)[۲] اور عماد الدین الکاتب (متوفی ۵۹۷ھ)[۳] کے ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔

ما قبل آخر عباسی خلیفہ المستنصر کے قائم کردہ مدرسہ المستنصریہ میں سنی فقہ کے چار الگ الگ شعبے تھے اور ہر شعبہ کا صدر علیحدہ تھا۔ ہر مدرس کے زیر سبق پچھتر طلباء تھے جن سے کوئی فیس نہیں لی جاتی تھی۔ مدرسین کی ماہانہ تنخواہ مقرر تھی اور تین سو طلباء میں سے ہر ایک کو ایک طلائی دینار ماہانہ دیا جاتا تھا[۴]۔

خوش قسمتی سے ہمیں چند دلچسپ دستاویزات ہاتھ لگی ہیں جن میں ان اساتذہ کے تقرر کے پروانے درج ہیں۔ انہیں پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ اسلامی دنیا میں ان عہدہ داروں اور ان عہدوں کی ہر قرن میں کس قدر زیادہ اہمیت اور قدر و منزلت تھی۔ ہم یہاں صرف تین دستاویزات کا خلاصہ پیش کریں گے۔

پہلی دستاویز وہ ہے جسے الحاکم بامراللہ نے داعی الدعاۃ کو فاطمی عقاید کی تعلیم کے لیے مقرر کرتے وقت جاری کیا تھا۔ الحاکم اس دستاویز میں یوں گویا ہے:

"میں داعی الدعاۃ کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ فاطمی عقاید کی تبلیغ کرے اور اس کے فوائد سے نو معتقدین کو بہرہ ورکرے۔ اس سے ان کے عقاید میں پختگی پیدا ہوگی، اس تعلیم کی پاکیزگی سے ان کے قلوب منور ہوں گے اور شکوک و شبہات کی پراگندگی سے انہیں نجات ملے گی"۔

آگے چل کر الحاکم داعی الدعاۃ کو اس طرح مخاطب کرتا ہے:

"سب سے پہلے نو مذہبوں سے قسم لی جائے۔ پھر ان کو مذہبی عقیدہ کی تلقین کی جائے بشرطیکہ ان کی سیرت پاک ہو اور عقیدہ میں مخلص ہوں۔ قسم اور عہد پر قائم رہنے کے لیے ان کی ہمت افزائی کی جائے۔ اپنا مذہبی عقیدہ صرف قابل اعتماد لوگوں پر ظاہر کیا جائے اور تخم ریزی کے لیے نہایت زرخیز زمین منتخب کی جائے"۔[۵]

دوسری دستاویز میں سلطان سنجرالسلجوقی ابن ملک شاہ پہلے تو ایک مقدمہ میں وزیر اعظم نظام الملک اور اس کی علمی فیاضیوں کا تذکرہ کرتا ہے، پھر نیشاپور کے مدرسہ نظامیہ کا ذکر کرتا ہے اور اس کے مدرسین کی علمی ترقیوں کا ذکر کرکے اس

۱- "تاریخ المدارس" (النعیمی)، جلد ۱، صفحہ ۳۰۷-
۲- "حسن المحاضرہ" (السیوطی)، جلد ۱، صفحہ ۱۷۰-
۳- "تاریخ المدارس" جلد ۱، صفحہ ۳۰۸-
۴- ابن العبری، صفحہ ۴۲۵، "اسلامک سولزیشن" (خدا بخش)، صفحہ ۲۸۷-
۵- مکمل دستاویز کے لیے ملاحظہ ہو "صبح الاعشاء" (القلقشندی)، جلد ۱، صفحہ ۴۳۳-

Marfat.com

ساری تمہید کے بعد محمد بن یحییٰ کا تقرر ان الفاظ کے ساتھ کرتا ہے :

''چونکہ دور حاضرہ کی زینت اس شخص کی ذات سے ہے جسے محمد بن یحییٰ نیشا پوری کہتے ہیں—خدا اس کی عمر میں برکت دے — اور چونکہ وہ فقہ شافعی و حنفی کا کام ہے اس لیے ہم نے اس کا تقرر مدرسۂ نظامیہ نیشاپور کی مدرسی پر کیا ہے اور اسے مزید یہ خدمت تفویض کی گئی ہے کہ مدرسہ کے نظم و نسق ، اس کے اوقاف اور دیگر معاملات کی بھی نگرانی کرے''۔[1]

تیسری دستاویز تاج الدین السبکی مصنف ''طبقات الشافعیۃ الکبریٰ'' کے تقرر سے متعلق ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :

''چونکہ تاج الدین السبکی سب سے زیادہ روشن ستارہ ہے لہٰذا اس المدرسۃ التقویہ میں مدرس مقرر کیا جاتا ہے ۔ اسے لازم ہے کہ اس فرض کو اپنی نمایاں قوت اور خلوص کے ساتھ پورا کرے تاکہ ہماری امیدیں اور خواہشات پوری ہوں ۔''[2]

معاشرے میں اساتذہ کا درجہ

اساتذہ کی مالی حالت اور معاشرہ میں ان کے درجے کا پتہ چلانے کے لیے ان کو تین اقسام پر منقسم کرنا ہو گا :

۱ ۔ معلمین اطفال ؛ جو عموماً معلم کتّاب کہلاتے تھے ۔

۲ ۔ اتالیق ۔

۳ ۔ معلمین مساجد و مدارس ۔

ان میں سے ہر ایک کا مقام جدا جدا تھا ۔ اس لیے ہم ہر ایک کا الگ الگ تذکرہ کریں گے ۔

معلم کتّاب

جہاں کہیں مدرسین کے معاشری درجے سے متعلق عمومی بیانات ملتے ہیں تو وہاں اس قسم کے مقولے نظر آتے ہیں جنھیں الجاحظ نے جمع کر دیا ہے :

''مدرسین سے ، گڈریوں سے ، اور ان لوگوں سے جو عورتوں میں اٹھتے بیٹھتے ہیں کبھی مشورہ نہیں کرنا چاہیے''۔

''مدرسہ کے میاں جی سے بھی زیادہ احمق''۔

''حماقت تین جگہ پائی جاتی ہے—درزیوں میں ، مدرسوں میں ، اور جولاہوں میں''۔[3]

۱۔ مکمل دستاویز کے لیے ملاحظہ ہو ''یادگار'' فارسی رسالہ جنوری فروری ۱۹۴۵ ، صفحہ ۴۱—۴۳ ۔

۲۔ پوری دستاویز الصفدی کی تصنیف ''التذکرۃ الصلاحیہ'' میں ہے (غیر مطبوعہ) ملکیت پروفیسر آربری ، اوراق ۹۸—۹۹ ۔

۳ ۔ ''البیان و التبئین'' (الجاحظ) جلد ۱ ، صفحہ ۱۴۰ ؛ حطی ، صفحہ ۴۰۹ ۔
''انسائکلوپیڈیا آف ریلیجنز'' جلد ۵ ، صفحہ ۲۰۱ ۔

بلا شبہ الجاحظ نے ان اقوال کو نقل کیا ہے لیکن اس نے خود اپنی اسی تصنیف ''البیان والتبئین'' اور ''رسالۃ المعلمین''[۱] میں اساتذہ کے معاشری درجہ کے متعلق بڑی کام کی تفصیلات درج کی ہیں ۔ اس نے صاف طور پر لکھا ہے کہ یہ اقوال صرف مکتب کے میاں جی پر منطبق ہو سکتے ہیں اور وہ بھی سب پر نہیں۔[۲] ہم اس مسئلہ پر اس حقیقت کی روشنی میں بحث کریں گے ۔

اکثر حالات میں یہ دیکھا گیا ہے کہ بچوں کے میاں جی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا ۔ آئیے ہم ان حضرات کے متعلق پہلے چند حکایتیں درج کریں :

ایک مرتبہ کوئی لڑکا اپنے استاد کے سامنے قرآن مجید پڑھ رہا تھا ۔ جب وہ اس آیت پر پہنچا ''و اِن علیک اللعنۃ الیٰ یوم الدین''[۳] [اور بے شک تجھ پر (میری) لعنت رہے گی قیامت کے دن تک] تو وہ اسے بار بار میاں جی کی طرف منہ کر کے دھرانے لگا اور ہر مرتبہ لفظ ''تجھ'' پر خاص طور پر زور دیتا رہا ۔ میاں جی کو غصہ آ گیا اور جھلا کر کہا ''لعنت ہو تجھ پر اور تیرے باپ پر''۔ لڑکے نے جواب دیا کہ ''میری کتاب میں تو یہ ہے کہ لعنت صرف تجھ پر ہو گی ۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اس طرح پڑھوں کہ لعنت تجھ پر اور تیرے باپ پر ہو ۔''[۴]

ایک فقیہی آیت ''غلبت الروم'' (اہل روم مغلوب ہو گئے) کو غلطی سے یوں سمجھ رہے تھے کہ ''ترک مغلوب ہو گئے''۔ جب کسی نے اس غلطی کی طرف توجہ دلائی اور کہا ''ترک کی بجائے'' ''اہل روم'' کہو تو جواب دیا ''اس میں مضائقہ ہی کیا ہے ہمارے تو دونوں ہی دشمن ہیں ۔''[۵]

ایک اور میاں جی اپنے شاگرد کو قرآن مجید کی آیات قصداً بے ترتیب کر کے اس طرح پڑھا رہے تھے : و اذ قال لقمن لابنہ ۔ لا تقصص رءیاک علی اخوانک فیکید و الک کیدا ۔[۶] واکیدو کیدا ۔ فمهل الکفرین امهلهم رویدا[۷] (''اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا جب وہ اسے نصیحت کر رہے تھے اے میرے پیارے بیٹے اپنے بھائیوں سے اپنا خواب بیان نہ کرنا کہیں وہ تیرے خلاف سازش نہ کریں ۔ اور میں ان کے خلاف تدبیر کرتا ہوں ۔ پس کافروں کو مہلت دو ان کے ساتھ کچھ دن نرمی کا برتاؤ کرو'') ۔ میاں جی سے اس بے ترتیبی کے ساتھ قرآن مجید

---

۱ - غیر مطبوعہ جس کا کچھ حصہ برٹش میوزیم میں اور باقی موصل میں ہے ۔
۲ - ''البیان و التبئین'' جلد ۱ ، صفحہ ۱۴۰ ۔
۳ - سورۂ ۱۵ ، آیت ۳۰ ۔
۴ - ''محاضرات الادباء'' (الاصفہانی) ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۰ ۔
۵ - ''المستطرف'' جلد ۲ ، صفحہ ۲۱۵ ۔
۶ - سورۂ لقمن (۱۳) ۔
۷ - سورۂ یوسف (۵) ۔
۸ - سورۂ طارق (۱۶-۱۷) ۔

پڑھانے کا سبب دریافت کیا گیا کیونکہ قرآن مجید کو بے ترتیبی سے پڑھنے کی ممانعت ہے ، تو جواب دیا کہ اس لڑکے کا باپ مجھے باقاعدہ تنخواہ نہیں دیتا لہذا میں اسے اپنی تعلیم سے کیوں نفع پہنچاؤں ؟[1]

کسی کتاب کے بچوں نے چھٹی منانے کا تہیہ کیا اور اس کے لیے ترکیب سوچی - انھوں نے یہ سازش کی کہ میاں جی کو اس ترکیب سے بہکایا جائے کہ اپنے آپ کو بیمار تصور کرنے لگیں - چنانچہ جب شاگردوں نے میاں جی کو دیکھا تو رنج کی سی صورت بنا لی اور ہر ایک نے الگ الگ پوچھنا شروع کیا کہ حضور کا مزاج کیسا ہے؟ آپ کو کیا تکلیف ہے ؟ پھر سب نے یہ کہنا شروع کیا کہ حضور آرام فرمائیں تو بہتر ہے - میاں جی جال میں پھنس گئے اور بچوں کو چھٹی دے کر پلنگ پر جا لیٹے -[2]

ابن حوقل نے صقلیہ کے مزید معلمین اطفال کی حماقتوں کا ذکر کیا ہے - صرف پلرمو میں تین سو اساتذہ تھے - در اصل اس کثرت کی وجہ یہ تھی کہ حکومت نے مدرسین کو فوجی خدمت سے مستثنیٰ کر دیا تھا لہٰذا بے شمار جہلاء نے فوجی خدمات سے بچنے کے لیے مدرسی کا پیشہ اختیار کر لیا تھا -[3] ابن حوقل اس طرح بیان کرتا ہے کہ ''ان میں اکثر تو بالکل جاہل ہیں اور بقیہ بھی اس قابل نہیں ہیں کہ بچوں کی تعلیم و تربیت ان کے سپرد کی جائے - نہ ان کا کوئی کردار ہے نہ ان میں علمیت ہے ، پھر بھی وہ عالم ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں - نہایت شرمناک بات جو میں نے دیکھی وہ یہ کہ ایک مکتب میں پانچ مدرس کام کرتے ہیں -[4]

ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ بعض مقدمات میں مکاتب کے مدرسین کو عدالت گواہی میں قبول نہیں کرتی تھی -[5] اس نکتہ کی تشریح ابن عبدون نے کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے بعض لوگ اپنے کو ''حامل قرآن'' تصور کرتے تھے اور اس سے غلط فائدہ اٹھاتے تھے اور لوگوں پر یہ بات جتانے کی کوشش کرتے تھے کہ ''حامل قرآن'' جھوٹ بول ہی نہیں سکتا - اس خیال سے غلط فائدہ اٹھا کر وہ اکثر و بیشتر عدالتوں میں پیشہ ور گواہ کی حیثیت سے آ موجود ہوتے تھے -[6]

اس میں شک نہیں کہ ان قصہ کہانیوں میں سے اکثر مبالغہ آمیز یا بالکل بے بنیاد ہیں - لیکن یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ کچھ نہ کچھ بات ضرور ہے جس پر راویوں نے مضحکہ انگیز قصے گھڑ لیے ہیں - مکاتب کے اکثر مدرسین کو محض اس بناء پر ملازمت

---

۱ - ''محاضرات الادباء'' (الاصفہانی) ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۰ -
۲ - ''اخبار الحمقاء'' (ابن الجوزی) ، صفحہ ۱۰۹ -
۳ - ''کتاب الصورت الارض'' (ابن حوقل) ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۲۶ -
۴ - ایضاً ، صفحہ ۱۲۰ -
۵ - ''عیون الاخبار'' (ابن قتیبہ) ، جلد ۱ ، صفحہ ۶۹ ؛ ''اخبار الحمقاء و المغفلین'' (الجاحظ) ، صفحہ ۱۰۸ -
۶ - ''جرنل ایشیاٹک'' ۱۹۳۴ء ، صفحہ ۲۱۵—۲۱۶ -

Marfat.com

مل جاتی تھی کہ وہ حافظ قرآن ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں نہ ان میں علمیت تھی اور نہ کوئی تعلیمی تربیت انھوں نے کبھی حاصل کی تھی۔ ابن عبدون اس قسم کے لوگوں کو اس لیے قابل الزام تصور کرتا ہے کہ صرف قرآن مجید حفظ کر لینے سے کوئی شخص مدرسی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔[1] مکاتب کے ان جاہل مدرسین نے ساری جماعت مدرسین ہی کو لوگوں کی نظروں سے گرا دیا تھا اور ''معلم صبیان'' کی اصطلاح پستی کا نشان بن کر رہ گئی تھی۔ جب ابوحیان التوحیدی پر الصاحب بن عبّاد کے رسائل پر نکتہ چینی کا الزام لگایا گیا تو الصاحب نے اسے دھمکی دی، لیکن ابو حیان نے اس کی دھمکیوں کا یہ جواب دیا ''کہ الصاحب مجھے دھمکیاں دے رہا ہے گویا میں نے قرآن مجید پر کوئی حملہ کیا ہے یا اس کے باپ کو 'معلم صبیان' کہہ دیا ہے''۔[2]

ابتدائی تعلیم کے تمام مدرسین کو جو اسی طرح غیر منصفانہ طور پر بدنام کیا گیا ہے ہمیں کسی حال میں بھی اس سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ اس جماعت میں کافی تعداد ایسے حضرات کی بھی تھی کہ جو فاضل اجل اور عالم دین تھے، زبان دان تھے، خوش نویس تھے اور ادبی ذوق رکھتے تھے۔ ان ہی میں سے اکثر حضرات ایک زمانے میں عہدۂ قضاء پر مامور ہوئے، سیاست دان ہوئے، فوجی کمانڈر ہوئے، شاعر ہوئے اور وزیر بھی ہوئے۔[3] ان کثیر تعداد حضرات میں سے الجاحظ نے مندرجہ ذیل حضرات کے نام لکھے ہیں: الکمیت بن زید، عبد الحمید الکاتب، قیس بن سعد، عطاء بن رباح، حسین المعلم، ابو سعید المعلم اور الحجاج۔ الجاحظ نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ دو معلمین صبیان ابو الوزیر اور ابو عدنان بصروی اپنی علمیت اور خطابت میں بے نظیر تھے۔[4]

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ہم گولڈ سیہر (Goldziher)، مز (Mez) اور لیمنز (Lammens) کے خیالات کا اظہار ضروری خیال کرتے ہیں جو انھوں نے مکاتب کے معلمین کی بے عزتی کے اسباب پر ظاہر کیے ہیں۔ گولڈ سیہر کی رائے یہ ہے کہ ''ممکن ہے کہ عربوں کا نسلی جذبۂ تمکنت بچوں کے معلمین کی بے عزتی کا باعث ہو لیکن اس امر پر فیصلہ دینے سے قبل ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ اسی قسم کے حالات یونان و روم کی تعلیمی تاریخ میں بھی پائے جاتے ہیں''۔[5]

یہ بھی ممکن ہے کہ مدرس کے ادنیٰ درجے کا سبب ان یونانی طربیہ ڈراموں میں مل جائے جہاں میاں جی کو ہمیشہ ایک مضحکہ خیز شخصیت کے روپ میں دکھایا گیا ہے۔[6]

---

۱ - ''جرنل ایشیاٹک''، ۱۹۳۴، صفحہ ۲۱۵ -
۲ - ''معجم الادباء'' (یاقوت)، جلد ۵، صفحہ ۳۹۷ -
۳ - ''رسالۃ المعلمین'' غیر مطبوعہ، ورق ۱۰ -
۴ - ''البیان و التبیین'' (الجاحظ)، جلد ۱، صفحہ ۱۴۰-۱۴۱ -
۵ - Goldziher، *Encyclopaedia of Religions*، جلد ۵، صفحہ ۲۰ -
۶ - *Die Renaissance Des Islams*، جلد ۲، صفحہ ۳۰۷، عربی ترجمہ -

Marfat.com

چونکہ اوائل عہد اسلام میں موالی اور عیسائی کثیر تعداد میں اس پیشے سے روزی پیدا کرتے تھے لہٰذا مسلمانوں کی رائے جو کہ ان دونوں فرقوں کے متعلق ہے وہی اس پیشے پر بھی اثر انداز ہوئی -[1]

اتالیق

ایک روایت یہ مشہور ہے کہ عبد اللہ بن المقفع نے اسماعیل بن علی کے لڑکے کو ہفتہ وار سبق دینے سے انکار کر دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ ''کیا آپ چاہتے ہیں کہ میرا نام احمقوں کی فہرست میں شامل کیا جائے؟'' اس روایت سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شہزادوں اور معزز عہدہ داروں کے بچوں کو پڑھانے والے بھی اس کلنک کے ٹیکے سے نہ بچتے تھے جو میاں جی کے ماتھے پر لگا تھا - لیکن اس بات کا اثر بہت کم ہوا اور کہا جاتا ہے کہ عبد اللہ بن المقفع نے اتالیقی کو قبول کر لیا تھا[2] -

ہم بلا پس و پیش کہ سکتے ہیں کہ اتالیق کا عہدہ اخلاقی طور پر نہایت شہرت و ناموری کا حامل تھا - جو اتالیق کسی گھرانے میں مقرر کیا جاتا وہ رکن خاندان ہی تصور کیا جاتا تھا اور بعض اوقات یہ تعلق اتنا گہرا ہو جاتا تھا کہ اتالیق اسی گھرانے کا خاندانی نام خود بھی اختیار کر لیا کرتا تھا -

محمد بن یحییٰ جو یزید بن منصور کے لڑکے کا اتالیق تھا اپنے نام کے ساتھ یزیدی لکھا کرتا تھا -[3] الکسائی نے اس تعلق کو ایک نظم میں ظاہر کیا جو اس نے ہارون رشید کو لکھ کر بھیجی تھی اس میں وہ کہتا ہے ''آپ اس شخص کے لیے کیا کرنا چاہتے ہیں جو آپ کے خاندان کا ایک فرد بن گیا ہے'' -[4]

الجاحظ خلفاء کے جانشینوں اور اعلیٰ عہدہ داروں کے لڑکوں کے اتالیقوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ کوئی الکسائی اور قطرب وغیرہ کی شہرت و ناموری پر حرف گیری نہیں کر سکتا -[5]

خلفاء اور اعلیٰ طبقہ کے لوگ ہمیشہ اپنے بچوں کے اتالیق کا بے حد خیال رکھتے تھے اور انھوں نے ان اساتذہ کا درجہ معاشرہ میں بہت بلند کر دیا تھا - مثال کے طور پر علی بن حسن الاحمر خلیفہ کے محل کے محافظوں میں سپاہی تھا اور اس کی قیام گاہ صرف ایک کمرہ تھا جس میں بہت معمولی ساز و سامان تھا - جب الاحمر ہارون رشید کے لڑکے کی اتالیقی کے لیے منتخب ہو گیا تو اس کے بعد کی زندگی کا تذکرہ محمد بن الجہم ان الفاظ میں کرتا ہے : ''جب کبھی ہم الاحمر کے پاس جاتے تو ہمیں متعدد ملازمین سے

---

۱ - Lammens ، *Mu'awiyah* ، صفحہ ۳۶۱ -
۲ - ''البیان'' (الجاحظ) ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۴۱ -
۳ - ''طبقات الادباء'' (ابن الانباری) ، صفحہ ۱۰۳-۱۰۴ -
۴ - ابن خلکان ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۶۹ -
۵ - ''البیان'' جلد ۱ ، صفحہ ۱۴۰ -

Marfat.com

واسطہ پڑتا ہے جو ہمیں اس حویلی میں لے جاتے ہیں جو مثل بادشاہوں کے محلات کے ہے اور پھر الاحمر ہمارے پاس خلعت شاہی میں ملبوس آتا ہے"۔[1]

ہم ذیل میں وقت کے چند متبحر عالموں کی فہرست درج کرتے ہیں جو اونچے طبقے کے بچوں کی اتالیقی پر مقرر کیے گئے تھے ۔ ہمیں اس فہرست پر کوئی تبصرہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ یہ نام اسلامی تاریخ و ادب میں خوب روشن ہیں ۔ اس فہرست سے ناظرین کو پتہ چلے گا کہ اتالیقوں کا درجہ کس قدر بلند تھا اور ان میں سے اکثر نے کیا کیا سیاسی کردار ادا کیے تھے ۔

نام اتالیق	شاگرد	حوالہ
الضحاک ابن مزاحم عمیر الشعبی	عبد الملک بن مروان کے لڑکے	بروکلمین صفحہ ۲۳۵
محمّد بن مسلم الزہری	ہاشم کا لڑکا	"تذکرۃ السامع و المتکلم" صفحہ ۱۱۷
عبدالصمد بن عبدالعلیٰ	الولید دوم	"الاغانی" جلد ۶ ، صفحہ ۱۳۳
یزید بن مساحق اسلامی	الولید دوم	بروکلمین
الجعد بن ادھم	مروان بن محمد	"ضحی الاسلام" جلد ۲ ، صفحہ ۳۵
المفضل الضبی	المہدی	"طبقات الادباء" صفحہ ۶۷ ،
شرقی بن القطامی		برو کلمین ، صفحہ ۱۱۶
		"عصر المامون" صفحہ ۳۷
عبد اللہ بن المقفع	اسماعیل بن علی کے لڑکے	بروکلمین ، صفحہ ۲۳۳
یحییٰ البرمکی	ہارون رشید	ابن خلکان ، جلد ۲ صفحہ ۳۶۱
الکسائی	ہارون رشید	"طبقات الادباء" صفحہ ۸۷-۹۱
ابو عیاض	پسر ابراہیم بن المہدی و مامون	"الاغانی" جلد ۵ ، صفحہ ۱۲۷
الکسائی	الامین	ابن خلکان ، جلد ۱ صفحہ ۳۶۹
الاحمر	الامین	"معجم الادباء" جلد ۵ صفحہ ۱۱۰

---

۱ - "معجم الادباء" (یاقوت) ، جلد ۵ ، صفحہ ۱۱۰ ۔

Marfat.com

الیزیدی	پسر یزید بن منصور و مامون	"طبقات الادباء" صفحہ ۱۰۴
محمد بن حسن الفرّاء	پسر المامون	ایضاً ، صفحہ ۱۳۰
قطرب	القاسم بن عیسیٰ	بروکلمین
الحسین بن قطرب	پسر ابو دولف	"الفہرست" صفحہ ۷۸
ابن السکیت	پسران المتوکل و طاہر	ایضاً ، صفحہ ۱۰۸
احمد بن سعید الدمشقی	ابن المعتز	
ابو العمثیل عبداللہ بن خلید	پسران عبداللہ بن طاہر	"الفہرست" صفحہ ۷۲
ثعلب	ابن المعتز ، طاہر بن محمد	ابن الانباری ، صفحہ ۳۰۱
المبرّد	ابن المعتز ، طاہر بن محمد	بروکلمین
البلاذری	عبد اللہ بن المعتز	"فتوح البلدان" صفحہ ۱۲
الکندی	المعتضد	بروکلمین
الزجاج	پسران المعتضد پسرعبداللہ بن سلیمان	ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۶
کافور	پسران الاخشید	ابن خلکان ، جلد ۱ صفحہ ۶۱۳
علی بن منصور الحلبی	پسران حسین بن جوہر	یاقوت
علی بن جعفر	نبیرہ بدر الجمالی	ایضاً
ابو سعید البندھی	پسران صلاح الدین	"خطط الشام" جلد ۶ ، صفحہ ۱۹۲
الصولی	الراضی	"الفہرست" صفحہ ۲۱۵

اعلیٰ مضامین کے اساتذہ

اساتذہ کے اس طبقے کی ہر جگہ اور ہر دور میں عزت کی جاتی تھی - اس میں یہ استثناء ضرور ہے کہ ابن شہید نے اس طبقے کے اساتذہ پر نکتہ چینی کی تھی ، لیکن یہ جملہ نہایت غیر منصفانہ تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ سیاسی رہنماؤں کے سامنے اساتذہ علماء کی توہین کرتے تھے اور یہ نکتہ چینی اس کا رد عمل تھی -[۱]

عربی ادب میں بے شمار تحریریں ایسی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اساتذہ اور علماء کا معاشرے میں کیسا بلند درجہ تھا - مندرجہ ذیل مثالوں سے اس کا ثبوت ملتا ہے -

ایک مختصر رسالہ ہارون رشید کی خدمت میں پیش کیا گیا جس میں اس کے لیے ہدایات درج تھیں کہ خلیفہ کی حیثیت سے اس کے کیا کیا فرائض ہیں - اس میں چند سطریں جو ہمارے موضوع کے مطابق ہیں درج ذیل کی جاتی ہیں :

---

۱ - "الذخیرہ" (ابن شہید) ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۱۸ ؛ "النثر الفنی" (ذکی مبارک) ، جلد ۲ ، صفحہ ۹۴ -

Marfat.com

ایک نصیحت یہ ہے کہ ''یہ بات گرہ میں باندھ کر رکھو کہ علماء کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک روشن چراغ یا تاریکی میں لٹکے ہوئے روشنی کے فانوس۔ ان چراغوں سے جو روشنی سلطنت میں پیدا ہوتی ہے اس کا انحصار اس توجہ پر ہے جو تم ان پر مبذول کرو گے۔''۱

کسی بڑے خلیفہ سے یہ سوال کیا گیا ''خدا نے دنیائے اسلام میں تمھیں بہترین درجہ عطا کیا ہے۔ کیا تمھیں اب بھی کسی چیز کی تمنا ہے؟'' خلیفہ نے جواب دیا ''ہاں، ایک مقام ایسا ہے۔ وہ ان سب چیزوں سے بڑھ کر ہے جو مجھے حاصل ہیں اور جس کی برابری کوئی چیز نہیں کر سکتی اور وہ یہ ہے کہ کسی عالم کی مسند پر بیٹھ کر لوگوں کو درس دیا جائے اور انھیں فیض پہنچایا جائے'' ۔۲

ابوالاسود الدئلی کا یہ قول نقل کیا جاتا ہے کہ ''علم سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ بادشاہ تو لوگوں پر حکومت کرتے ہیں۔ لیکن علماء بادشاہوں پر حکومت کرتے ہیں'' ۳۔

ایک خارجی کو عبد الملک بن مروان کے سامنے دھکے دیتے ہوئے لایا گیا تاکہ اسے پھانسی دی جائے۔ سزا سے ذرا ہی پہلے خلیفہ کا ایک بچہ روتا چلاتا ہوا آیا۔ خلیفہ بچے کی طرف متوجہ ہوگیا اور اسے چپ کرنے کی کوششیں کرنے لگا۔ خارجی کہنے لگا ''اے عبد الملک! بچے کو رونے دیجیے۔ اس سے اس کی نظر قوی ہوگی۔ اس کی آواز کمزور ہوگی اور جب کبھی وہ اپنے گناہوں کو یاد کرے گا تو اس کا دل دکھے گا''۔ عبد الملک نے حیران ہوکر کہا ''تمھیں تو اپنی مصیبت ہی کی فکر کرنی چاہیے''۔ خارجی نے جواب دیا ''مخلصانہ مشورہ دینے سے کوئی چیز نہیں روکتی''۔ یہ سن کر عبد الملک نے اس کی بے حد تعریف کی اور اسے رہا کر دیا۔۴

سعید ابن المسیب (متوفی اواخر پہلی صدی) نے اپنی لڑکی کی شادی الولید بن عبدالملک کے ساتھ کرنے سے انکار کر دیا۔۵ اس واقعہ کے کچھ دن ہی بعد اس کا ایک شاگرد ابو وداعۃ حلقۂ درس سے کچھ دن تک غیر حاضر رہا۔ جب ابو وداعہ دوبارہ درس میں آنے لگا تو ابوسعید نے غیر حاضری کا سبب دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ بیوی کی وفات کے باعث حاضر نہ ہو سکا تھا۔ ابوسعید نے اس کی تسلی تشفی کی اور پوچھا کہ دوسری شادی کرنے کا ارادہ ہے یا نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ کیسے شادی کر سکتا ہوں۔ میری کل پونجی دو یا تین درہم ہی تو ہے''۔ لیکن ابوسعید نے محض اس کی علمیت کی بناء پر اپنی مذکورہ لڑکی کی شادی اس سے کر دی۔۶

۱- ''هارون کے لیے نصیحت'' غیر مطبوعہ استنبول۔
۲- ''معجم ابن حجر'' غیر مطبوعہ استنبول۔
۳- ''تذکرۃ السامع'' (ابن جماعہ)، صفحہ ۱۰۔
۴- ''البیان'' (الجاحظ) جلد ۱، صفحہ ۲۱۱؛ ''الکامل'' (المبرّد)، صفحہ ۵۲۳۔
۵- یہ واقعہ اس کے باپ کے دور حکومت میں ہوا۔
۶- ابن خلکان، صفحہ ۲۰۱ - ۲۹۲

Marfat.com

جب الحسن بصری کا ۱۱۰ھجری میں انتقال ہوا تو بصرہ کے تمام باشندے جنازے کے ساتھ تھے - اور تاریخ اسلام میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ ظہر کی نماز کے لیے مسجد میں کوئی نہ تھا -[1]

شُریک کے حلقۂ درس میں خلیفہ المہدی کا ایک لڑکا ناشائستہ طور پر بیٹھا تھا - اس نے استاد سے دو مرتبہ ایک سوال کیا لیکن کچھ جواب نہ ملا ، حالانکہ دوسرے طلباء کی طرف استاد کی پوری توجہ تھی - اس پر شہزادے نے کہا ''کیا آپ خلیفہ کے لڑکوں کو نظر انداز کرتے ہیں؟'' شُریک نے جواب دیا ''ہمارا فرض ہے کہ علم کا معیار بلند رکھیں اور کسی گستاخ طالب علم کی طرف مطلق توجہ نہ کریں''-[2]

امام شافعی کو مشورہ دیا گیا کہ مدینہ جاکر امام مالک کے حلقۂ درس میں فقہ کا سبق لیں چونکہ مکہ کا گورنر الشافعی کا رشتہ دار تھا لہٰذا اس نے مدینہ کے گورنر کو لکھا کہ وہ الشافعی کا تعارف امام مالک سے کرا دے - گورنر نے الشافعی سے کہا ''صاحبزادے! میں مدینہ سے مکہ تک برہنہ پا جانے کو ترجیح دیتا ہوں کہ امام مالک کے گھر تک چند قدم چل کر جاؤں - ان کے دروازے پر میں اپنے آپ کو بہت خفیف محسوس کرتا ہوں اور مجھے کوئی امید نہیں ہے کہ میں تمہارے ساتھ جاؤں اور مجھے کامیابی ہو-[3]

ایک موقع پر ہارون رشید کو محمد بن الحسن اور ان کے سامعین کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہوا - سوائے محمد بن الحسن کے باقی تمام لوگ خلیفہ کو سلام کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے - جب خلیفہ نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا ''چونکہ میرا تعلق طبقۂ علماء سے ہے لہٰذا نوکروں جیسے کام کرنے سے مجھے نفرت ہے''-[4]

ابو معاویہ ایک نابینا عالم متبحر تھے - ایک دن وہ خلیفہ کے دستر خوان پر موجود تھے - جب ایک شخص ان کے ہاتھ دھلانے کے لیے آفتابہ اور سیلابچی لایا اور ان کے ہاتھ دھلائے تو انھیں پتہ نہ چلا کہ کون شخص ان کے ہاتھ پر پانی ڈال رہا ہے - حتیٰ کہ ہارون رشید نے کہا کہ یہ خدمت میں نے خود ادا کی ہے - اس پر ان عالم متبحر نے فرمایا کہ ''اے امیر المؤمنین، غالباً علم و فضل کی قدر و منزلت بڑھانے کے لیے آپ نے ایسا کیا''- خلیفہ نے جواب دیا ''بے شک یہی بات ہے''-

احمد بن دئید پہلا شخص تھا جسے خلیفہ کے حضور میں گفتگو میں پہل کرنے کی جرأت تھی - مزید براں جب الافشین نے ابو دلف القاسم بن عیسیٰ کو گرفتار کر لیا اور اسے قتل کرنے کا فیصلہ کیا تو احمد بن داؤد دوڑ کر الافشین کے پاس گیا اور اسے مطلع کیا کہ خلیفہ کا حکم یہ ہے کہ ابو دلف کا بال بیکا نہ ہو - اس پر ابن داؤد المعتصم کے پاس گیا اور اس نے کہا کہ میں نے آپ کے نام سے یہ غلط پیغام پہنچا دیا ہے - خلیفہ نے

۱- ابن خلکان ، صفحہ ۱۸۱ -
۲- ''تذکرۃ السامع و المتکلم''- صفحہ ۸۸-۸۹ -
۳- ''معجم الاباء'' (یاقوت) ، جلد ۶ ، صفحہ ۳۶۹ - ۳۷۰ -
۴- ''تاریخ بغداد'' (الخطیب بغدادی) ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۷۳ - ۱۷۴ -

Marfat.com

ابن داؤد کے اس اقدام کی تائید کی اور اس طرح اس شخص کی رہائی ہوئی ۔[1]

ایک مرتبہ المعتضد اپنے باغ میں ثابت بن قرہ کے ھاتھ میں ھاتھ ڈالے ٹہل رہا تھا ۔ ایک دم خلیفہ نے اپنا ھاتھ کھینچ لیا ۔ جب ثابت نے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ھے تو خلیفہ نے جواب دیا میرا ھاتھ آپ کے ھاتھ کے اوپر تھا ، لیکن عالم کا ھاتھ سب سے اوپر ھونا چاھیے"۔[2]

خلیفہ القادر اور ابو حامد احمد بن محمد الاسفرائینی کے درمیان کچھ اختلاف تھا ۔ ابو حامد نے خلیفہ کو لکھا کہ "آپ مجھے برخاست نہیں کر سکتے لیکن میں دو تین الفاظ ایسے لکھ سکتا ھوں جن کی بنا پر آپ معزول ھو جائیں گے" ۔[3]

نور الدین کے حضور میں کوئی قابل مواخذہ فعل قطب الدین الشافی سے منسوب کیا گیا ۔ نور الدین نے جواب دیا "اگر یہ بات صحیح ھے تو اس کا علم و فضل اس کی تلافی کر دے گا ۔[4]

جب علی بن الحسن بن عساکر کی وفات ھوئی (۵۷۱ ھجری) تو صلاح الدین ان کے مکان پر گیا ۔ نماز جنازہ پڑھی اور جنازے کے ساتھ پیدل گیا ۔[5]

محمد بن عبداللہ عرف عین الدولہ (متوفی ۶۳۹ھ) نے ایک مقدمے میں الملک الکامل کی گواھی اس بناء پر قبول نہیں کی کہ سلطان ایک مغنیہ کا گانا سنا کرتا تھا ۔[6]

الملک الافضل روزانہ بلا ناغہ کتابیں خود لے کر محل شاھی سے نکلتا اور تاج الدین الکندی کے معمولی مکان پر جایا کرتا تھا ۔ بعض دفعہ ایسا ھوتا کہ جو سبق پہلے سے جاری ھوتا اس میں دیر ھو جاتی اور ایسی صورت میں الملک الافضل کو اس وقت تک انتظار کرتا پڑتا جب تک اس کی باری آتی ۔[7]

اساتذہ کی مالی حالت

اس بحث کو شروع کرنے سے پہلے دو سوالات پر غور کرنا ھے :

اسلام کے سب سے پہلے استاد آنحضرت صلعم نے کبھی اپنی ذاتی منفعت کا خیال تک نہیں کیا ۔ مالی طور پر آنحضرت صلعم کی زندگی بالکل صفر تھی اور جب آپ کی وفات ھوئی تو آپ نے کچھ بھی ترکہ نہ چھوڑا تھا ۔ آنحضرت صلعم کے بعد خلفائے راشدین اور صحابہ رض کا رویہ بھی یہ رہا کہ درس و تدریس سے منفعت تو کیا حاصل کرتے اُنھوں نے اپنی ذاتی دولت بھی اس کام میں صرف کر ڈالی ۔ بیان کیا جاتا ھے کہ یہ

۱- ابن خلکان ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۱ ۔
۲- "معجم الادباء" جلد ۶ ، صفحہ ۳۱۰ ۔
۳- "طبقات الشافعیۃ الکبریٰ" جلد ۳ ، صفحہ ۲۶ ۔
۴- "مفرج الخروب" (ابن واصل) غیر مطبوعہ کیمبرج ۔
۵- "معجم الادباء" جلد ۵ ، صفحہ ۱۳۹-۱۴۰ ۔
۶- حسن المحاضرۃ" (السیوطی) ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۰۹ ۔
۷- "المقصورۃ التاجیہ" (دھان) ، صفحہ ۱۱ ۔

Marfat.com

بزرگ قرآن مجید فروخت کرنے کے خیال ھی کو بے حد ناپسند فرماتے تھے اور اس فعل کو بڑا گناہ تصور کرتے تھے ۔ انھیں اس خیال سے بھی سخت نفرت تھی کہ قرآن مجید پڑھانے کا کوئی معاوضہ لیا جائے ۔[1] اس طرز عمل کا اثر علمائے مابعد پر بھی ہوا ۔ مثلاً حنفی علماء اور حضرت امام احمد بن حنبل اور حضرت سفیان ثوری وغیرہ نے صاف صاف اعلان کیا کہ قرآن و حدیث کے مدرس کو معاوضہ لینے کی ہرگز اجازت نہیں۔[2] بہت سے علماء نے دل و جان سے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ نظام الملک نے جب مدارس نظامیہ قائم کیے اور ان کے اخراجات کے لیے اوقاف قائم کیے تو علمائے ماوراء النہر نے ایک جلسے میں بے حد رنج و اندوہ کا اظہار کیا کہ اب علم کو علم کے لیے حاصل کرنے کا جذبہ ختم ہو گیا ۔[3] جب عمر ثانی نے الحارث بن محمد کو حدیث کا درس دینے کے لیے البادیہ کی جانب روانہ کیا تو انھوں نے بھی اسی جذبہ کے تحت تنخواہ لینے سے انکار کر دیا۔[4] ابوالعباس الاصم نے جو خراسان کے مشہور محدث تھے کبھی اپنے درس کا معاوضہ قبول نہیں کیا اور وہ اپنی روزی دستکاری سے پیدا کرتے تھے اور یہی اس زمانے کا دستور تھا۔[5] بہت سے دوسرے علماء نے تو یہاں تک کیا کہ اپنی ذاتی پونجی بھی علم کی توسیع میں صرف کر ڈالی ۔ بیان کیا جاتا ھے کہ ابوبکر الجوزقی نیشاپوری نے ایک مرتبہ کہا کہ ۔ میں نے حدیث کے لیے ایک لاکھ درھم صرف کیے لیکن اس سے ایک درھم بھی نہیں کمایا''۔[6] جب الخطیب البغدادی اپنے ذاتی قالین پر مسجد سور میں طلباء کے حلقے میں بیٹھے ہوئے تھے تو علوی گروہ کا ایک شخص آیا اور اس نے قالین پر تین سو درھم رکھ دیے ۔ الخطیب کا چہرہ سرخ ہو گیا ۔ انھوں نے اپنا قالین اُٹھایا اور چل دیے اور وہ علوی اپنے دینار چنتا ھوا رہ گیا ۔[7] الخطیب نے اپنی وفات سے قبل اپنا کل سرمایا جو دو سو دینار تھا محدثین اور فقہا کو دے ڈالا ۔[8]

مدرسین قرآن و حدیث کے علاوہ بھی بہت سے مدرسین ایسے ہوئے ھیں جنھوں نے ترویج علم کو پیسہ پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا ۔ ایسے حضرات کی کثیر تعداد میں سے ہم صرف چند مثالیں درج کرتے ھیں ۔ الخلیل بن احمد (متوفی ۱۷۵ھ) جس نے سب سے پہلی عربی ڈکشنری ترتیب دی ، عربی علم عروض ایجاد کیا اور عربی موسیقی کی علامات ایجاد کیں ، نہایت افلاس میں زندگی بسر کرتا تھا اور وہ کبھی اس بات پر آمادہ نہیں ہوا کہ کسی علمی کام کا معاوضہ لے ۔ نہایت فخر کے ساتھ اس نے سلیمان بن علی کے لڑکے کی

۱- ''عیون الاخبار'' (ابن قتیبہ) ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۳۱ -
۲- ''طبقات العارفین'' دیباچہ (السمرقندی) -
۳- ''کشف الظنون'' (حاجی خلیفہ) ، جلد ۱ ، صفحہ ۵۰ -
۴- ''سیرت عمر بن عبدالعزیز'' (ابن عبدالحکم) ، صفحہ ۱۶۷ -
۵- ''المنشطم'' (ابن الجوزی) ، غیر مطبوعہ ، صفحہ ۳۰۶ -
۶- ''طبقات الشافعیۃ الکبریٰ'' (السبکی) ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۶۹ -
۷- ایضاً ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۴ -
۸- ابن خلکان ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۸ -

اتالیقی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔[1] سیف الدولہ الحمدانی کا دربار شہرہ آفاق علماء و ادباء کا مرکز تھا ۔ اس نے خاص قسم کے دینار ٹکسال سے بنوائے تھے جو اکثر علماء کو انعام میں دیا کرتا تھا ۔ اسی دربار میں الفارابی (م ۳۳۹) بھی تھا۔ اس نے کسی قسم کی مالی امداد لینے سے انکار کر دیا تھا اور صرف اپنی قوت لایموت کے لیے چار درہم روزانہ لے لیا کرتا تھا۔[2] عالم دینیات اور ماہر لسانیات ابوالبرکات الانباری (متوفی ۵۷۷) اگرچہ قلاش تھا لیکن اپنے شاگردوں کو بلا معاوضہ درس دیا کرتا تھا ۔[3]

ہمیں مزید ایسی مثالیں دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس قسم کی مثالیں کتابوں میں بہ کثرت ملتی ہیں لیکن یہ سوال کیے بغیر ہم نہیں رہ سکتے کہ آخر تنخواہیں پھر کیوں جاری کی گئیں ۔ اس سوال کا جواب جہاں تک ہمارا خیال ہے مندرجہ ذیل دو واقعات سے ملتا ہے :

(۱) کسی ایسے نصاب تعلیم پر درس دینے کے لیے جس کا مقصد نہ تو مذہبی ہو اور نہ ترویج علم ہو کسی شخص کو مقرر کرنے کے لیے صرف تنخواہ ہی ایسی کشش تھی کہ جس کے لیے کوئی شخص اس فرض کو پورا کرنے پر آمادہ ہوسکتا تھا جیسے کہ القصص کے نصاب کے سلسلے میں معلوم ہوا ۔

(۲) اوائل عہد اسلام کے غیر مسلموں کو اس کام کے لیے ملازم رکھا گیا کہ بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں اور کچھ عرصہ بعد ان میں سے اکثر نے مثل جرجیس بن مخائیل، یوحنا بن ماسویہ ۔ جبریل بن بختشوع اور حنین بن اسحاق نے ترقی و ترویج علوم میں بہت کام کیا ۔ ان لوگوں کو عموماً اس خدمت کا معاوضہ دیا جاتا تھا ۔

ان دو وجوہ کی بنا پر تدریس اور ترقی تعلیم کے معاوضہ میں تنخواہ لینے کا خیال پیدا ہوا اور رفتہ رفتہ یہ ایک معمول ہوگیا ۔ ماسوا ان حضرات کے جنھوں نے دنیا پر لات مار دی تھی اور رسول اکرم صلعم اور صحابہ کے نقش قدم پر چلتے تھے ۔ باقی سب نے اس طریقۂ کار کو خوش آمدید کہا ۔

ابن خلدون کا خیال ہے کہ چاپلوسی اور فرماں پذیری حصول دولت اور خوش حالی کے ذرائع ہیں اور ایک خود دار انسان ہمیشہ افلاس میں زندگی بسر کرتا ہے ۔[4] ان کا یہ بھی خیال ہے کہ معاوضہ کی مقدار کا انحصار اس کام کی افادیت پر ہے جو آپ مخلوق خدا کے لیے انجام دیتے ہیں ۔[5] پھر وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ چونکہ قاضی ، مدرسین ، موذن اور امام مساجد نہ تو قوم کی خوشامد کرتے ہیں ، اور نہ کوئی ایسی خدمت انجام

۱- ابن خلکان ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۴۳ ؛ ''طبقات الادباء'' (الانباری) ، صفحہ ۵۷ -
۲- ''ثمرات الاوراق'' حاشیہ ، ''المستطرف فی کل فن مستظرف'' (ابن حجۃ الحموی) ، جلد ۱ ، صفحہ ۸۸ -
۳- ''الروضتین'' (ابو شامہ) ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۷ -
۴- ''المقدمہ'' صفحہ ۲۷۵ -
۵- ایضاً ، صفحہ ۲۷۶ -

Marfat.com

دیتے ہیں جس پر قوم کی ہستی کا انحصار ہو۔ لہٰذا ان کی مالی حالت ہمیشہ کمزور رہتی ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے مامون رشید کے محکمہ مالیات کی دستاویزات کا معائنہ کیا ہے جن سے ان کے دعوے کی تصدیق ہوتی ہے ۔[1]

یہ سوال کیا جاسکتا ہے پھر وہ کون سی خدمت ہے جو ابن خلدون کی نظر میں ضروری ہے ۔ کیا وہ اس خدمت کا اندازہ مادی حیثیت سے لگاتے ہیں؟ اس سوال کا جواب نفی میں ہے کیونکہ ہمیں علم ہے کہ دستکار اور کاشتکار کا معیار زندگی نہایت ہی ادنیٰ سطح پر تھا ، اور اگر ہم ابن خلدون سے اس امر میں اتفاق کریں کہ موذن اور امام مسجد معاشرے کے لیے کوئی ایسی چیز فراہم نہیں کرتے جو ضروری ہو تو بھی ہم قاضیوں اور مدرسوں کے متعلق ایسا نہیں کہہ سکتے ۔ ہمارا خیال ہے کہ ابن خلدون نے کسی خاص اثر کے تحت قاضیوں اور مدرسین کو موذنوں اور اماموں کے ساتھ شامل کر دیا تھا ۔

مزید براں ابن خلدون ان دستاویزات کی کوئی تفصیل نہیں دیتے جن کو انھوں نے دیکھا تھا اور ہمارے پاس ایسے واقعات ہیں جو ان کے دعوے کے برخلاف ہیں ۔ الکندی لکھتے ہیں کہ الفضل بن غانم کا مشاہرہ جسے ۱۹۸ھ میں مصر کا جج مقرر کیا گیا تھا ایک سو اٹھانوے دینار تھا ۔[2] اور عیسیٰ بن المنکدر کی تنخواہ جو ۲۱۲ھ میں اسی عہدہ پر متعین تھا سات دینار یومیہ تھی ۔[3]

معلمین اطفال

ان مدرسین کی مالی حالت سے متعلق جتنے بھی کاغذات کا ہمیں علم ہے سب سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کا معیار بالکل ادنیٰ سطح پر تھا ۔ یہ لوگ زیادہ تر قرآن مجید اور دینیات کے مدرس تھے۔ لہٰذا انہیں یہی مشورہ دیا جاتا تھا کہ قناعت پسند رہیں اور ہوس دولت سے دور ۔[4] علاوہ ازیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ان کا معاشرے میں درجہ ان کی مالی حالت پر اثر انداز ہوتا تھا ۔

ان کی اس حالت سے متعلق چند مثالیں بیان کرنے کے لیے ہم اس شعر کی طرف توجہ دلاتے ہیں جس میں الحجاج کو یاد دلایا گیا تھا کہ اسے اپنا ماضی نہ بھولنا چاہیے جب کہ وہ ایک معلم اطفال تھا ۔ شعر کا مضمون یہ ہے : الحجاج کو اپنا حقیر ماضی نہ بھولنا چاہیے جب کہ وہ چند بچوں کو سورۂ کوثر پڑھایا کرتا تھا ۔ اسے یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس خدمت کے معاوضے میں اسے قسم قسم کی روٹیاں بھیجی جاتی تھیں ۔[5]

ابن السکیت بچوں کو پڑھایا کرتا تھا لیکن اس پیشے سے اتنی روزی بھی پیدا نہ ہوتی

۱۔ ''المقدمہ'' صفحہ ۲۷۶ - ۲۷۷ ۔

۲۔ ''الولاہ و القضاہ'' صفحہ ۱۰۰ - ۱۰۱ ۔

۳۔ ایضاً ، صفحہ ۱۱۳ ۔

۴۔ ''المدخل'' (العبدری) ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۵۹ - ۱۶۰ ۔

۵۔ ''المنتخب من کنایت الادباء'' (جرجانی) ، صفحہ ۱۱۸ ۔

Marfat.com

تھی جو اس کی ضرورت کو مکتفی ہوتی ۔ لہذا اس نے اسے ترک کرکے صرف و نحو پڑھنی شروع کی تا کہ کوئی بہتر ملازمت مل سکے ۔[1]

ابن حوقل کا بیان ہے کہ صقلیہ میں بعض مکاتب کے اساتذہ کی سال بھر کی فیس دس دینار بھی نہ ہوتی تھی ۔[2]

حقیقت میں ان مدرسین کی کوئی مقررہ فیس نہ تھی بلکہ لڑکے کے والدین کی مالی حالت پر اس کا انحصار تھا ۔ اس فیس کی دو قسمیں تھیں ۔ ایک فیس تو وہ تھی جو ایک خاص وقت پر ادا کی جاتی تھی ، دوسری وہ جو لڑکے کے فارغ التحصیل ہونے کے بعد دی جاتی تھی ۔ پہلی قسم کی فیس تو ہر لڑکا ادا کرتا تھا جو ایک ہفتہ واری معمولی رقم تھی اور اس کے ساتھ روٹی بھی ۔ علاوہ بریں مختلف تہواروں پر بھی نذرانہ دیا جاتا تھا ۔[3] بعض حالات میں ہفتہ واری فیس کی بجائے سالانہ موقع پر غلہ دے دیا جاتا تھا ۔ دوسری قسم کی فیس اس وقت دی جاتی تھی جب لڑکا قرآن مجید کی کوئی سورۃ ختم کر لیتا تھا ۔

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ معاشری حالت کا اثر مالی حالت پر ہوتا تھا ۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مالی حالت کا اثر بھی معاشری حالت پر ضرور پڑتا تھا ۔

اتالیق

اس میں شک نہیں کہ سوسائٹی میں جو اعلیٰ طبقہ کے افراد تھے ان کی دولت اور خوش حالی سے اتالیق متمتع ہوتے تھے ۔ کسی شخص کا اتالیق مقرر ہو جانا اس کی دنیاوی ترقی کی ضمانت تھی اور اس کی مالی مشکلات کا حل ہوجانا یقینی تھا ۔ ہشام بن عبدالملک اگرچہ کنجوس مشہور تھا لیکن جب الزہری اس کے لڑکے کا اتالیق مقرر ہوا تو اس نے اس کا سارا قرضہ جو سات ہزار دینار تھا چکا دیا ۔[4]

ہم یاقوت کے ایک بیان کا مختصراً حوالہ دے چکے ہیں جس سے اتالیق کی حالت کے متعلق ہمارے اس نکتے کی توضیح ہوتی ہے ۔ یہاں ہم اس بیان کو پورا پورا درج کرتے ہیں : ''خلیفہ کی یہ عادت تھی کہ جس کمرے میں اتالیق پہلے دن اپنے شاگرد کو سبق پڑھاتا تھا شام کو خلیفہ اس کمرہ کا تمام فرنیچر وغیرہ اتالیق کو بخش دیا کرتا تھا اور باربرداری کے وہ جانور جن پر تمام سامان جایا کرتا تھا اتالیق ہی کو دے دیے جاتے تھے ۔[5]

جب الاحمر کو امین کی اتالیقی کے لیے منتخب کیا گیا تو ایک کمرہ نہایت نفاست کے ساتھ مزین کیا گیا ۔ پہلے ہی دن شام کو حکم ہوا کہ تمام سامان الاحمر کے گھر پہنچا

۱۔ ابن خلکان ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۶۱ ۔
۲۔ ''کتاب صورت الارض'' جلد ۱ ، صفحہ ۱۲۷ ۔
۳۔ ''الفضلہ'' (القابسی) صفحہ ۳۷ ب ۔
۴۔ ''تذکرۃ السامع والمتکلم'' (ابن جماعہ) ، صفحہ ۱۷ ۔
۵۔ ''قاموس العلماء'' (یاقوت) ، جلد ۵ ، صفحہ ۱۱۰ ۔

Marfat.com

دیا جائے ۔ الاحمر نے کہا کہ میرے پاس تو صرف ایک حجرہ ہے جہاں میں تنہا رہتا ہوں ۔ اس پر ہارون رشید نے اس کے لیے ایک نیا مکان خرید دیا ۔ ایک کنیز اور ایک غلام اس کی خدمت کے لیے بخش دیے اور سواری کے لیے ایک گھوڑا عطا فرمایا ۔ ایک نہایت معقول مشاہرہ مقرر کیا گیا تاکہ وہ عیش و تنعم کے ساتھ زندگی بسر کر سکے ۔ اس واقعہ کو محمد بن الجہم نے اس طرح بیان کیا ہے : ''جب کبھی ہم الاحمر سے ملنے جاتے ہیں تو متعدد ملازم ہمارا استقبال کرتے ہیں اور ہمیں حویلی میں لے جاتے ہیں جو شاہی محل کی مانند ہے اور پھر الاحمر شاہانہ لباس میں ملبوس ہم سے ملنے آتے ہیں'' ۔[1]

جب الکسائی کا تقرر ہوا تو ہارون رشید نے علاوہ مقررہ مشاہرہ کے اسے دس ہزار درہم، ایک خوب صورت کنیز معہ اس کے ضروری ساز و سامان کے اور ایک ملازم اور سواری کے لیے ایک گھوڑا معہ زین کے عطا فرمایا ۔[2] ابن السکیت کی مقررہ تنخواہ کے علاوہ المتوکل نے ایک موقع پر پچاس ہزار دینار بخش دے ۔ ہم نے یہ بھی پڑھا ہے کہ اتالیقوں کو مختلف مواقع پر تحائف دیے جاتے تھے ، ان کی مالی امداد کی جاتی تھی اور ان کے طعام و قیام کا مستقل انتظام بھی کیا جاتا تھا ۔

مختلف ذرائع سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اتالیق کا مشاہرہ اوسطاً ایک ہزار درہم ہوا کرتا تھا ۔ اتنی ہی رقم ابن طاہر کے بیٹے کے اتالیق ابن السکیت کو دی جاتی تھی[3] اور ثعلب کو بھی یہی ملتا تھا جو محمد بن عبداللہ کے بچوں کا اتالیق تھا ۔[4] عبداللہ بن طاہر کی فوج کے ایک کمانڈر کے لڑکے کے اتالیق کا مشاہرہ ستر دینار تھا جو ایک ہزار درہم کے برابر ہوتا ہے ۔[5]

اعلیٰ مضامین کے اساتذہ

عام طور پر علماء و فضلاء کی مالی حالت نہایت نمایاں طور پر بہت اچھی ہوا کرتی تھی ۔ خلفاء ، سلاطین اور معززین بڑے ذوق شوق سے علماء کی خدمت کیا کرتے تھے اور اکثر و بیشتر ان کو نذرانے پیش کیا کرتے تھے ، مثلاً مامون رشید حنین کو تحائف دینے سے کبھی نہ اکتاتا تھا ۔[6]

جب امام الشافعی مصر میں تشریف لائے تو ابن عبدالحکم نے ان کا نہایت پرتپاک استقبال کیا اور ایک ہزار دینار نذرانہ پیش کیا ۔ ان عبدالحکم کے تین دولت مند

---

۱ ۔ ''معجم الادباء'' (یاقوت) ، جلد ۵ ، صفحہ ۱۱۰ ۔

۲ ۔ ابن خلکان ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۷۰ ۔

۳ ۔ ایضاً ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۶۱ ۔

۴ ۔ ''معجم الادباء'' (یاقوت) ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۴۴ ۔

۵ ۔ *Die Renaissance Des Islams*, Mez ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۰۸ ۔

۶ ۔ ''اسلامک سولزیشن'' (خدا بخش)، صفحہ ۲۷۷

Marfat.com

دوستوں نے اس کی اتباع میں شافعی کو دو ہزار دینار اور نذر کیے۔[1]

الجاحظ سیحان میں روٹی اور مچھلی بیچا کرتا تھا۔[2] جب وہ مشہور و معروف عالم ہو گیا تو اس کی مالی بہت عمدہ ہو گئی۔ جب وہ ایک مرتبہ بصرہ کی سیاحت سے واپس آیا تو اس کی کثیر دولت کو دیکھ کر میمون بن ہارون نے دریافت کیا کہ کیا وہاں آپ کی کوئی بڑی جائداد ہے۔ الجاحظ نے مسکرا کر جواب دیا ''میں نے اپنی تصنیف 'الحیوان' محمد بن عبدالملک کو نذر کی اور 'البیان والتبیین' احمد بن دوئد کی خدمت میں پیش کی اور 'الزروالنخل' ابراھیم بن عباس الصولی کو دی۔ اور ان میں سے ہر شخص نے مجھے پانچ پانچ ہزار دینار نذر کیے۔ میں بصرہ سے اس طرح رخصت ہوا تھا گویا وہاں میری بہت بڑی جاگیر ہے لیکن جسے نہ کاشت کی ضرورت ہے نہ کھاد کی''۔[3]

الربیع بن سلیمان مسجد احمد بن طولون میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ جس روز انھوں نے درس شروع کیا ابن طولون نے انھیں ایک ہزار دینار نذر کیے۔[4]

فقہاء، اھل علم اور ندماء کے ساتھ چند علماء بھی شریک تھے جو حاکم وقت سے بات چیت کیا کرتے تھے اور اس کی اصلاح ان کا مقصد تھا۔ ان خدمات کے صلہ میں انھیں تنخواہ ملتی تھی۔ ان ھی میں سے ایک الزجاج تھا جسے ماھانہ تین سو دینار ملتے تھے۔[5]

جب ابن درید حالت ناداری میں بغداد پہنچا تو المقتدر نے اس کا پچاس دینار مشاھرہ مقرر کر دیا۔[6]

بعد ازاں جب اساتذہ کا تقرر ھوتا تو انھیں باقاعدہ خزانۂ سرکار اسے تنخواہ ملا کرتی تھی یا ان اوقاف سے جو درس گاہ کے لیے مخصوص کر دیے جاتے تھے جیسا کہ ہم نے ان اساتذہ کے حالات میں لکھا ہے جو مدارس نظامیہ میں ملازم رکھے جاتے تھے۔ عہد فاطمی کے اساتذہ سے متعلق نہایت مفید تاریخی دستاویز ہم تک المقریزی[7] اور القلقشندی کے توسط سے پہنچی ہے[8] جس میں مختلف قسم کے ملازمین کی تنخواھیں درج ھیں۔ اس دستاویز کی چند مدات کے انتخاب سے اساتذہ اور دیگر ملازمین کی تنخواھوں کا موازنہ ھوسکے گا:

۱۔ ''تذکرۃ السامع و المتکلم'' (ابن جماعہ)، صفحہ ۱۷ حاشیہ۔
۲۔ ''معجم الادباء'' (یاقوت)، جلد ۶، صفحہ ۵۶۔
۳۔ ایضاً، جلد ۶، صفحہ ۷۵-۷۶۔
۴۔ ''حسن المحاضرہ'' (السیوطی)، جلد ۲، صفحہ ۱۳۷۔
۵۔ ''الفہرست'' (ابن الندیم)، صفحہ ۹۰۔
۶۔ Mez، *Die Renaissance Des Islams*، جلد ۱، صفحہ ۳۰۹۔
۷۔ ''الخطط'' جلد ۱، صفحہ ۴۰۱۔
۸۔ ''صبح الاعشاء'' جلد ۳، صفحہ ۵۲۵۔

Marfat.com

وزیر	۵۰۰۰ دینار
وزیر کا لڑکا	۲۰۰ تا ۳۰۰ دینار
کاتب الدست الشریف (سکرٹری)	۱۵۰ دینار
صاحب الباب (چیمبرلین)	۱۲۰ دینار
قاضی القضاۃ داعی الدعائہ (معلم) الاستاذ المحنکون صاحب بیت المال حامل الرسالہ (ڈپٹی) صاحب الدفتر (رجسٹرار)	۱۰۰ دینار
حامل السیف حامل الرمح افسر دیوان النظر	۷۰ دینار
پرائیویٹ ڈاکٹر افسر دیوان التحقیق	۵۰ دینار
افسر دیوان مجلس	۴۰ دینار
واعظ مسجد شاعر خلیفہ	۱۰ تا ۲۰ دینار
ادنی درجہ کے ڈاکٹر جو محل میں رہتے تھے	۱۰ دینار

عہد ایوبی اور اس کے بعد سے یہ بات نمایاں ہے کہ اساتذہ کی تنخواہیں مختلف وجوہ کی بنا پر گھٹتی بڑھتی رہیں ۔ مثلاً اوقاف کی آمدنی کی بناء پر یا خود مدرس کی شہرت کی بناء پر یا سیاسی رہنماؤں کی فیاضی و سالمیت کی وجہ سے ۔ چند مثالیں درج کی جاتی ہیں ۔

صلاح الدین نے نجم الدین خبوشانی کو مدرسۃ الصلاحیہ میں جس مشاہرے پر مقرر کیا وہ یہ تھا :

تعلیمی خدمت کا مشاہرہ	۴۰ صلاحی دینار
اوقاف کی نگرانی کا مشاہرہ	۱۰ صلاحی دینار

۶۰ مصری پونڈ وزنی روٹی روزانہ

دریائے نیل کا پانی دو پکھال روزانہ

بعد ازاں ۶۷۸ھ میں جب تقی الدین بن روزن کا اسی عہدے پر تقرر ہوا تو اس کا مشاہرہ اس کا نصف تھا اور پھر جب تقی الدین بن دقیق کا تقرر ہوا تو جو کچھ نجم الدین کو ملتا تھا اس کا صرف ایک چوتھائی مشاہرہ مقرر ہوا ۔[1] اور جب اسی جگہ الصاحب

---

۱ ۔ "حسن المحاضرہ" (السیوطی)، جلد ۲، صفحہ ۱۵۷ ۔

برھان الدین کو مقرر کیا گیا تو وھی پوری تنخواہ اس کو ملنے لگی۔[2]

صلاح الدین نے مجد الدین محمد بن محمد الجبتی کو مدرسۃ الصیوفیہ میں جو فقہ حنفی کے لیے قائم کیا گیا تھا صرف گیارہ دینار ماھانہ پر مقرر کیا تھا۔[3]

ان علماء کی مالی حالت بہت اچھی تھی جنھوں نے اعلیٰ تعلیم کے لیے پرائیویٹ مدرسے کھول لیے تھے۔ الزجاج نے المبّرد سے صرف و نحو پڑھنی شروع کی۔ ایک درھم روزانہ فیس طے ھوئی اور یہ بھی طے ھوا کہ تعلیم چھوڑنے کے بعد بھی روزینہ اسی طرح جاری رھے گا۔ وہ اس عہد پر قائم رھا اور بعض مواقع پر اس سے زیادہ بھی نذر پیش کی۔[4] محمد بن علی سہرسان (متوفی ۵۴۳) سیبویہ کی تصنیف ''کتاب'' کا درس دینے کے لیے سو دینار سے کم فیس پر راضی نہ ھوتے تھے۔[5] محمد شمس الدین السیوطی صرف و نحو کی نظم ''الالفیہ'' کو پڑھانے کے لیے فی شعر ایک درھم فیس لیتے تھے۔ اس نظم میں تقریباً ایک ھزار اشعار ھیں[6]۔

مدارس نظامیہ کے پروفیسر

مدارس نظامیہ کا معیار بہت بلند تھا کیونکہ وھاں بہترین اور چیدہ علماء کا تقرر ھوا کرتا تھا۔ اپنی تعلیم کے دوران میں میں نے چند ان علماء کے نام جمع کیے تھے جنھوں نے ان درس گاھوں میں درس دیا تھا۔ ان مشہور ناموں کے سبب سے ان درس گاھوں کے بلند معیار کا نظریہ سچ ثابت ھو جائے گا اور اس سے یہ بھی پتہ چلے گا کہ کس زمانے میں یہ درس گاھیں ختم ھو گئیں اور خصوصاً نظامیہ بغداد کے ختم ھو جانے کی تاریخ معلوم ھو جائے گی جو تمام درس گاھوں میں بہترین تھی۔ ان معلمین کے نام تاریخ وار درج ذیل کیے جاتے ھیں:

نام	سال وفات	انتظامیہ	حوالہ جات
۱۔ ابواسحاق الشیرازی	۴۷۶ ھ	بغداد	ابن خلکان ۱-۶
۲۔ ابونصر الصباغ	۴۷۷ ھ	,,	''تاریخ السلجوق'' ۵۷
۳۔ امام الحرمین ابوالمعالی یوسف الجوینی	۴۷۸ ھ	نیشاپور	ابن خلکان ۱-۳۰۷
۴۔ ابوالقاسم العلوی الدبوسی	۴۸۲ ھ	بغداد	ابن الاثیر ۱۰-۶۷

۲۔ ''الخطط'' جلد ۲، صفحہ ۴۰۰۔
۳۔ ایضاً، صفحہ ۳۶۵۔
۴۔ ''معجم الادباء'' جلد ۱، صفحہ ۴۷۔
۵۔ ''بغیۃ الوعاۃ'' (السیوطی)، صفحہ ۴۷۔
۶۔ ایضاً، صفحہ ۳۷۔

Marfat.com

۵ - ابوبکر محمد بن ثابت الخجندی	۴۸۳	اصفہان	ابن الاثیر ۱۰-۲۵۱
۶ - محمد بن ثابت الشافعی	۴۸۳	,,	سعید بن نفیس ۲
۷ - ابوبکر الشاشی	۴۸۵	ہرات	یہ تاریخ وفات السبکی نے اپنی کتاب "طبقات الشافعیہ" جلد ۳ ، صفحہ ۸۰-۹۷ پر اور "شذرات الذہب" صفحہ ۳۷۵ پر کی درج ہے لیکن بروکلمین بحوالہ ابن الاثیر ۵۰۷ بتاتا ہے ۔
۸ - محمد بن علی بن حامد	۴۹۵	ہرات	ابن قاضی شہبہ ۱۶۵ غیر مطبوعہ دمشق
۹ - ابوعبداللہ الطبری	۴۹۵	بغداد	ابن الاثیر ۱۰-۱۲۳
۱۰ - عبدالرحمان بن مامون	۴۹۸	,,	ابن الاثیر ۱۰-۹۶
۱۱ - ابو محمد عبدالوہاب الشیرازی	۵۰۰	,,	ابن الاثیر ۱۰-۱۲۳
۱۲ - ابوذکریا یحییٰ الخطیب التبریزی	۵۰۲	,,	"معجم الادباء" ۷-۲۸۷ : ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۳۴۶
۱۳ - الکیا الحرسی	۵۰۴	بغداد	"کشف الظنون" ۱-۴۵
۱۴ - ابوحامد الغزالی	۵۰۵	بغداد و نیشاپور	دیباچہ "الاحیاء"
۱۵ - علی بن محمد بن علی الفصیحی	۵۱۶	بغداد	یاقوت ۵-۱۴۵ : ابن خلکان ۱-۴۸۹
۱۶ - ابوالفتح بن برہان	۵۱۸	,,	"طبقات" ۴-۲۴
۱۷ - ابوسعید البزّار	۵۲۰	,,	,, ۴-۳۲۳
۱۸ - احمد الغزالی	۵۲۰	,,	ابن خلکان ۱-۳۹
۱۹ - اسعدالمہینی	۵۲۷	مرو	"طبقات" ۴-۲۰۳

Marfat.com

۲۰ - معین الدین سعید بن البزاز	۵۳۸	بغداد	''الروضتین'' ۱-۱۸۵ ؛ ''شذرات الذهب'' ۴-۱۲۲
۲۱ - موهوب بن احمد الجوالیقی البغدادی	۵۳۹	''	یاقوت ۷-۱۹۸
۲۲ - محمد بن یحیی	۵۴۸	نیشاپور	مجله ''یدجر''
۲۳ - ابوسعید احمد بن ابی بکر	۵۵۱	اصفہان	ابن الاثیر ۱۱-۳۵
۲۴ - شرف الدین یوسف الدمشقی	۵۵۷	بغداد	'' '' ۱۱-۱۷۴
۲۵ - الشیخ ابوالنجیب	۵۶۳	''	'' '' ۱۱-۱۰۰
۲۶ - یوسف الدمشقی	۵۶۳	خورستان	'' '' ۱۱-۲۱۹
۲۷ - رضی الدین القزوینی	۵۷۵	بغداد	ابن جبیر ۲۱۹
۲۸ - ابوالبرکات الانباری	۵۷۷	''	ابن خلکان ۱-۳۹۴
۲۹ - ابوالخیر اسماعیل القزوینی	۵۸۱	''	ابن الاثیر ۱۱-۳۴۴
۳۰ - ابوطالب المبارک بن المبارک	۵۸۵	''	یا قوت ۶-۲۳۰
۳۱ - محی الدین ابو حامد	۵۸۶	الموصل	''الموصل'' غیرمطبوعہ ڈاکٹر داؤدجلبی
۳۲ - مجدالدین ابوعلی یحیی بن الربیع	۶۰۶	بغداد	ابن الاثیر ۱۱-۳۴۴
۳۳ - یحیی ابن القاسم	۶۱۶	''	یاقوت ۷-۲۸۹
۳۴ - بہاء الدین بن شداد	۶۳۲	''	حطی ۱۱۴
۳۵ - نجم الدین البندائی	۶۵۵	''	النعیمی ۱-۲۰۵
۳۶ - ابوالمناقب الزنجانی	۶۵۶	''	السبکی ۵-۱۵۴
۳۷ - شمس الدین الکیشی	۶۶۵	''	العزاوی ۱-۲۶۳
۳۸ - ناصر الدین الفاروقی	۶۷۲	''	'' ۱-۲۷۵
۳۹ - مجدالدین بن جعفر	۲۸۲	''	'' ۱-۳۱۸
۴۰ - شرف الدین الشہرستانی	۶۹۱	معد (بغداد)	''تاریخ علماء بغداد'' صفحہ ۵۷
۴۱ - محمد بن العقولی	اوائل آٹھویں صدی	بغداد	العزاوی ۲-۲۲۶
۴۲ - عبداللہ بن بکتاش	اواخر آٹھویں صدی	''	'' ۲-۳۲۹
۴۳ - الفیروز آبادی	۸۱۷	معد ابن بکتاش بغداد	''

Marfat.com

نوٹ

۱ - الفیروز آبادی کے بعد کسی ماخذ میں بھی جو مجھے حاصل ہوسکے انتظامیہ کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا - ہمارا خیال ہے کہ مدارس نظامیہ اس وقت ختم ہوچکے تھے (یعنی اوائل نویں صدی میں) - اس مفروضہ کو ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس مزید شہادت موجود ہے - اس زمانے میں بغداد کے ترکمان حکمران شام میں مصریوں کے خلاف اور ایرانیوں کے خلاف اور اناطولیہ میں ترکوں کے خلاف تباہ کن لڑائیوں میں مصروف تھے- یہ لڑائیاں اس قدر شدید تھیں کہ بے شمار عمارتیں اور ادارے صفحۂ ہستی سے نابود کر دیے گئے اور ہمیں یقین ہے کہ انتظامیہ بھی ان ہی تباہیوں کا شکار ہوئے - علاوہ ازیں ان لڑائیوں کے باعث مالی مشکلات رونما ہوئیں اور حکمرانوں نے مدارس کے اوقاف کو غصب کر لیا اور درس گاہوں کے دوبارہ تعمیر کرانے کی طرف قطعی توجہ نہ کی - کچھ عرصہ بعد آس پڑوس کے لوگوں نے درگہ کی اراضی پر قبضہ کر لیا اور اس شان دار درس گاہ کا یہ المناک انجام ہوا -

۲ - اب تو عمارت النظامیہ کی جائے وقوع بھی معرض بحث میں ہے - جب میں ریسرچ کے سلسلے میں بغداد گیا تو اس کے متعلق بھی چھان بین کی - ڈاکٹر مصطفیٰ جواد کی معیت میں اس علاقہ کا معائنہ کیا اور جو کچھ تحریریں اس سے متعلق ہمارے پاس تھیں' ان کی مدد سے اور اس علاقے کی عمارات کی دیکھ بھال کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ سوق الخفافین اس جگہ ہے جہاں النظامیہ کالج کسی زمانے میں تھا، اور ہم نے اس بات پر بھی اتفاق کیا کہ ساتویں صدی میں اغلباً اس موقع کا نقشہ یہی ہوگا جو ہم نے یہاں دیا ہے -

معید یعنی اعادہ کرنے والے

پروفیسروں اور طلباء کے درمیان ایک عہدہ دار معید ہے-[2] وہ طلباء کے ساتھ ہی بیٹھتا ہے اور پروفیسر کے لکچر کو غور سے سنتا ہے - جب لکچر ختم ہو جاتا ہے تو معید کا کام شروع ہوتا ہے - اس کا فرض یہ ہے کہ اسی مضمون کو پھر دوہرائے اور مشکل مقامات کی تشریح کرتا جائے اور مضمون کے سمجھانے میں ذرا کم قابلیت والے طلباء کی امداد کرتا رہے -[3]

یہ عہدہ پانچویں صدی ہجری میں تھا اور اس کا تذکرہ عموماً النظامیہ کالجوں اور ان کے پروفیسروں کے ساتھ ہی ملتا ہے - ابوشامہ سے روایت ہے کہ ابوالفتح بن ابی الحسن الاشتری النظامیہ میں معید کے عہدے پر مامور تھا[4] اور ابن الاثیر کا بیان ہے کہ

---

۱ - ابن الاثیر، جلد ۱۰، صفحہ ۱۷؛ ''طبقات الشافعیہ'' جلد ۳، صفحہ ۹۰ -
۲ - ''تذکرۃ السامع والمتکلم'' (ابن جماعہ)، صفحہ ۱۵۰ حاشیہ -
۳ - ''مفید النعم و مبید النقم'' (السبکی)، صفحہ ۱۵۴-۱۵۵ -
۴ - ''الروضتین'' جلد ۱، صفحہ ۱۳ -

Marfat.com

ابوالحسن علی بن علی بن سعادہ متوفی ۶۱۲ ھ النظامیہ میں ایک معید تھا۔[1] ابواسحاق الشیرازی ایک غیر معمولی قسم کا طالب علم تھا جو ابوطیب الطبری کا شاگرد تھا۔ چنانچہ طبری نے اسے اپنے حلقۂ درس کا معید مقرر کر دیا تھا۔ بعد ازاں یہ الشیرازی اپنے عہد کی ایک نمایاں شخصیت ھوا۔[2] دور ایوبیہ سے یہ عہدہ نہایت اھم تصور کیا جاتا رھا۔ اس زمانے کے بیشتر مدارس میں معید کا نام ملتا ھے۔ مثلاً صلاح الدین نے مدرسۂ الناصریہ میں معیدین مقرر کیے تاکہ دوران تعلیم میں نجم الدین الخبوشانی کی مدد کریں[3] اور مدرسۂ الصالحیہ میں، جسے الصالح نجم الدین ایوب نے قائم کیا تھا، چار اساتذہ تھے اور ھر ایک کے ساتھ دو معیدین نامزد کیے گئے تھے۔[4]

مدارس کے معیار کے مطابق بعض دفعہ یہ بھی ممکن تھا کہ ایک شخص ایک مدرسے میں مدرس ھوتا اور دوسرے میں معید بھی ھو سکتا تھا۔ النصیر بن الطباخ مدرسۃ القطبیہ میں مدرس تھا اور مدرسۃ الصالحیہ میں معید تھا جہاں ابن عبدالسلام نامور پروفیسر تھا۔[5] یہ بھی ممکن تھا کہ صرف معید ھی تدریس کا کام انجام دیتا تھا۔ مدرسۃ الناصریہ میں تیس سال تک بغیر کسی پروفیسر کے دس معیدین نے ھی درس و تدریس کا کام چلایا۔[6]

استاد کا کردار اور فرائض[7]

القلقشندی نے اپنی تصنیف ''صبح الاعشاء'' کی دوسری جلد کا بیشتر حصہ فن تقریر کی بحث پر صرف کیا ھے اور یہ بتلایا ھے کہ تقاریر کس طرح تیار کی جائیں اور کس طرح پیش کی جائیں۔[8]

اس باب میں کہیں لفظ ''استاد'' نہیں ملتا لیکن مراد اسی سے ھے۔ القلقشندی نے ھر جگہ لفظ ''مقرر'' استعمال کیا ھے اور اس کا مقصد در اصل استاد ھی سے ھے۔

القلقشندی مقرر کو متنبہ کرتا ھے کہ بغیر تیاری کے کوئی تقریر نہیں کرنی چاھیے۔ اس کا مشورہ یہ ھے کہ پہلے خیالات کو دماغ میں مرتب کیا جائے، پھر مناسب الفاظ کا

---

۱ - ''الکامل'' (ابن الاثیر)، جلد ۱۲، صفحہ ۱۶۱ -

۲ - ابن خلکان، جلد ۱، صفحہ ۵ -

۳ - ''حسن المحاضرہ'' جلد ۲، صفحہ ۱۵۷ ؛ ''الخطط'' جلد ۲، صفحہ ۴۰۰ -

۴ - ''الخطط'' جلد ۲، صفحہ ۳۷۴ -

۵ - ''حسن المحاضرہ'' جلد ۱، صفحہ ۱۹۴ -

۶ - ایضاً، جلد ۲، صفحہ ۱۵۷ ؛ المقریزی، جلد ۲، صفحہ ۴۰۰ -

۷ - ملاحظہ ھو ''منیۃ المرید فی آداب المفید والمستفید'' از العاملی جس میں از اول تا آخر اساتذہ و طلباء کے کردار و فرائض کا بیان ھے کہ ان کے اخلاق کیسے ھوں اور دوران سبق ان کا رویہ کیا ھونا چاھیے -

۸ - صفحہ ۱۸۳-۳۲۸

Marfat.com

انتخاب کیا جائے تاکہ بہ وقت ضرورت آسانی سے زبان پر رواں ہو جائیں۔[1] مقرر کے الفاظ فصیح، سلیس اور شائستہ ہونے چاہیں اور ایسے الفاظ سے پرہیز کرنا چاہیے جن سے تقریر گنجلک ہو جائے۔[2]

اسی قسم کا مضمون اساتذہ کے متعلق "منہاج المتعلم" میں بھی ملتا ہے۔[3]

اب ہم اساتذہ کے فرائض کو مختصر طور پر بیان کرنے کے لیے ابن المقفع، الزرنوجی، ابن جاعہ، الغزالی اور دیگر علماء کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان مسلم الثبوت اساتذہ کے نزدیک ایک استاد کو چاہیے کہ:

۱۔ طلباء کے ساتھ شفقت سے پیش آئے اور ان سے ایسا سلوک کرے جیسے اپنی اولاد کے ساتھ کرتا ہو۔[4]

۲۔ آنحضرت صلعم کی مثال سامنے رکھ کر ترویج علم میں کوشش کرے اور کسی معاوضے کی توقع ہرگز نہ کرے۔[5]

۳۔ حتی الوسع اپنے شاگردوں کو یہی نصیحت کرے کہ وہ سند فضیلت حاصل کرنے کی اس وقت تک کوشش نہ کریں جب تک کہ اس کے اہل نہ ہو جائیں۔[6]

۴۔ اپنی توجہ طلباء کی فضیلت علمی ہی پر مرتکز نہ کرے بلکہ ان کے کردار پر بھی پوری پوری توجہ دے اور ان کی کسی بے جا حرکت کی صورت میں نرمی سے شاگردوں کو سرزنش کرے۔[7]

(۵) اپنے شاگردوں کے سامنے دوسرے اساتذہ کے مضامین کی برائی نہ کرے۔ برخلاف اس کے اس باب پر اصرار کرے کہ حتی الوسع زیادہ سے زیادہ شعبہ ہائے علوم کی تحصیل پر توجہ دیں۔[8]

(۶) مبتدی کے لیے اور محدود قابلیت کے شاگردوں کے لیے سہل مسائل منتخب کرے۔[9] ایسا کرے گا تو وہ رسول اکرم صلعم کی اس حدیث پر عمل کرے گا جس میں فرمایا گیا ہے کہ "جو شخص اپنے مخاطب کے معیار سے بلند زبان میں نصیحت کرتا ہے اس کی گفتگو سے بعض لوگوں کے گمراہ ہو جانے کا احتمال ہے۔"[10]

۱۔ "صبح الاعشیٰ" جلد ۲، صفحہ ۳۱۶۔
۲۔ ایضاً۔
۳۔ غیر مطبوعہ۔
۴۔ "احیاء علوم الدین" جلد ۱، صفحہ ۴۶۔
۵۔ ایضاً۔
۶۔ ایضاً۔
۷۔ ایضاً؛ ابن جاعہ، صفحہ ۲۳-۵۰۔
۸۔ "احیاء" جلد ۱، صفحہ ۴۷۔
۹۔ "تعلیم المتعلم، طریق التعلم" (الزرنوجی)، صفحہ ۲۲؛ "احیاء" جلد ۱، صفحہ ۴۷؛ ابن جاعہ، صفحہ ۵۲۔
۱۰۔ "الجام العوام عن علم الکلام" (الغزالی)، صفحہ ۳۳۔

(۷) اپنے اقوال کو اپنے اعمال سے قوت پہنچائے کیونکہ اقوال دل میں اترتے ہیں لیکن اعمال کو آنکھیں دیکھتی ہیں اور آنکھوں کی تعداد دلوں سے زیادہ ہے۔[۲] اسی انداز میں ابن المقفع کا قول ہے کہ جو شخص امام بننا چاہتا ہے اسے پہلے اپنے نفس کی تربیت کرنی چاہیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی زبان سے زیادہ اپنی شہرت سے لوگوں کی تعلیم و تربیت کر سکے گا۔[۳]

(۸) شاگرد کی ہمت افزائی اس طرح کرے کہ وہ خود اپنی فہم و عقل کو کام میں لائے اور محض استاد کی نقالی ہی نہ کرے۔[۴]

امام الغزالی اپنے رسالہ ''ادب فی الدین'' میں معلم الصبیان کے لیے خصوصی آداب بیان کرتے ہیں۔ ''چھوٹے بچوں میں نقل کرنے کا مادہ ہوتا ہے اور ان کے نزدیک استاد ایک معیاری انسان ہوتا ہے ان کی آنکھیں اس کے افعال پر نظر رکھتی ہیں، ان کے کان اس کے اقوال کو غور سے سنتے ہیں، اس کی پسند ان کی پسند اور اس کی ناپسند ان کی ناپسند ہوتی ہے''[۵] لہذا استاد کو اپنے اس معیاری مقام کا اہل بنانا چاہیے۔

استاد کو یہ بھی چاہیے کہ تمام طلباء سے یکساں سلوک کرے اور امیر و غریب طلباء میں کوئی فرق نہ کرے۔[۶]

اسناد

اسلام کے ابتدائی دور میں اسناد سے کوئی شخص واقف نہ تھا۔ طالب علم کو خود ہی فیصلہ کرنا پڑتا تھا کہ آیا اب وہ اس قابل ہوگیا ہے کہ اپنا الگ حلقۂ درس قائم کرکے بہ طور مدرس کام شروع کرے یا نہ کرے۔ لیکن چونکہ استاد اور طلباء کے درمیان بحث مباحثوں میں ضروری تھا کہ استاد اپنی قابلیت کا سکہ جمائے لہذا محض اس خیال سے اکثر اوقات فارغ التحصیل طلباء اپنا حلقۂ درس قائم کرنے سے ہچکچاتے تھے۔ روایت ہے کہ ابو حنیفہ نے خود کو اس قابل سمجھ کر حماد کا حلقہ چھوڑ دیا اور اپنا حلقۂ درس الگ قائم کیا۔ لیکن جب طلباء کے بعض سوالات کا جواب دینے سے وہ عاجز ہوئے تو اپنا حلقہ بند کر دیا اور پھر اپنے استاد کے حلقہ میں شامل ہوگئے۔[۷] اسی دوران میں واصل ابن عطاء (متوفی ۱۸۱ھ) نے اقدام جرم کے موضوع پر بحث کے بعد حسن بصری (۱۱۰ھ

---

۱ - ''المدخل'' (العبدری) جلد ۱، صفحہ ۱۱۱ -

۲ - ''احیاء'' جلد ۱، صفحہ ۴۸

۳ - ''الادب الصغیر'' (ابن المقفع)، صفحہ ۱۴ از ''رسائل البلغاء'' -

۴ - ''کتاب التعلیم والارشاد'' صفحہ ۹۰ -

۵ - ''الجواهر الغوالی فی رسائل الغزالی'' صفحہ ۴۳ - بیان کیا جاتا ہے کہ یہی بات عتبہ بن ابی سفیان نے اپنے لڑکے کے اتالیق سے کہی تھی - ملاحظہ ہو ''محاضرات الادباء'' و ''عیون الاخبار'' -

۶ - العبدری، ۲ - ۱۵۸ -

۷ - ''تبیض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ'' صفحہ ۱۵ -

Marfat.com

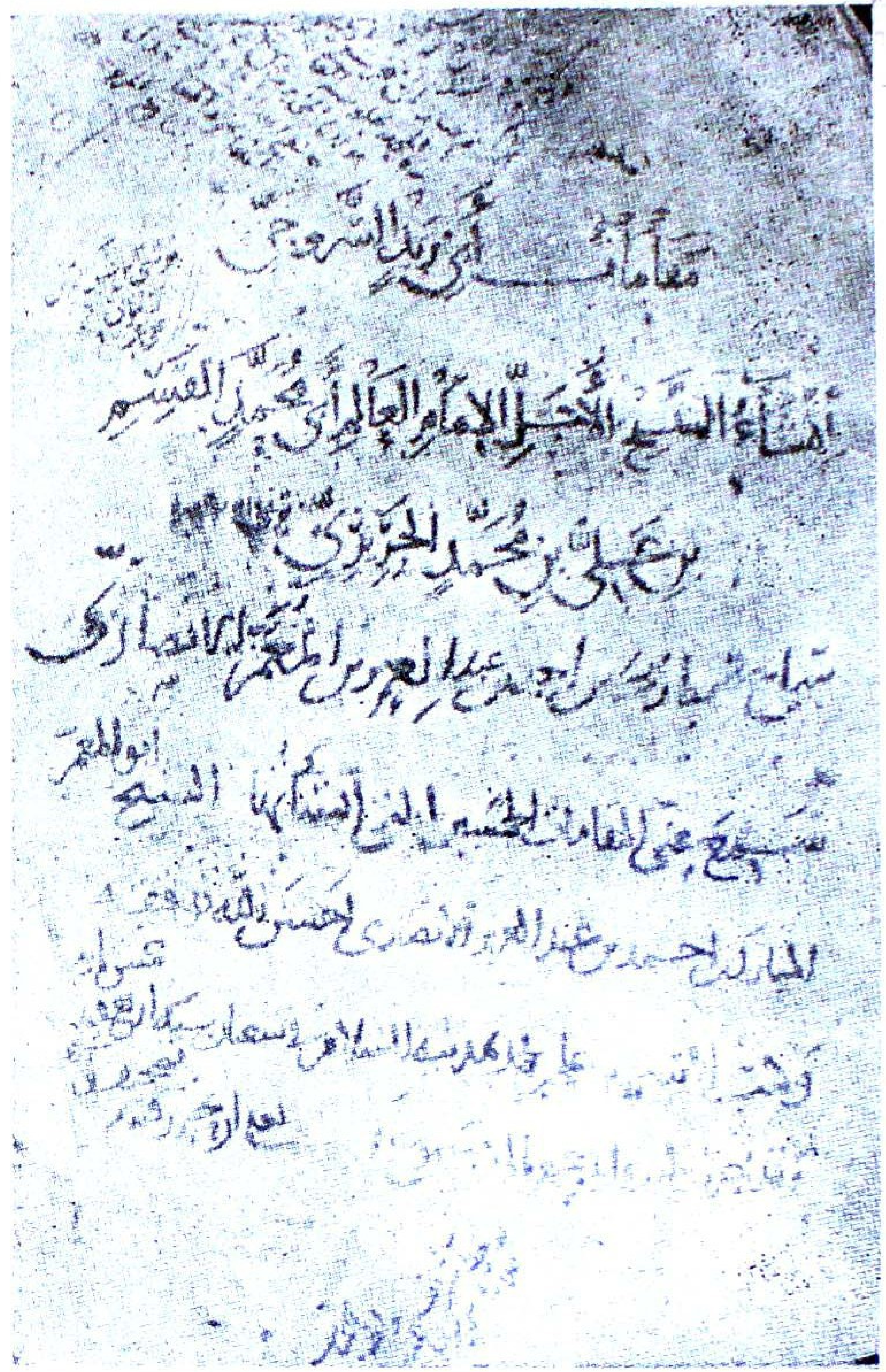

مقامات أبي زيد السروجي
إنشاء الشيخ الأجل الإمام العالم أبي محمد القسم
بن علي بن محمد الحريري

علامہ حریری کی سند جو مبارک بن احمد انصاری
کو عطا کی گئی

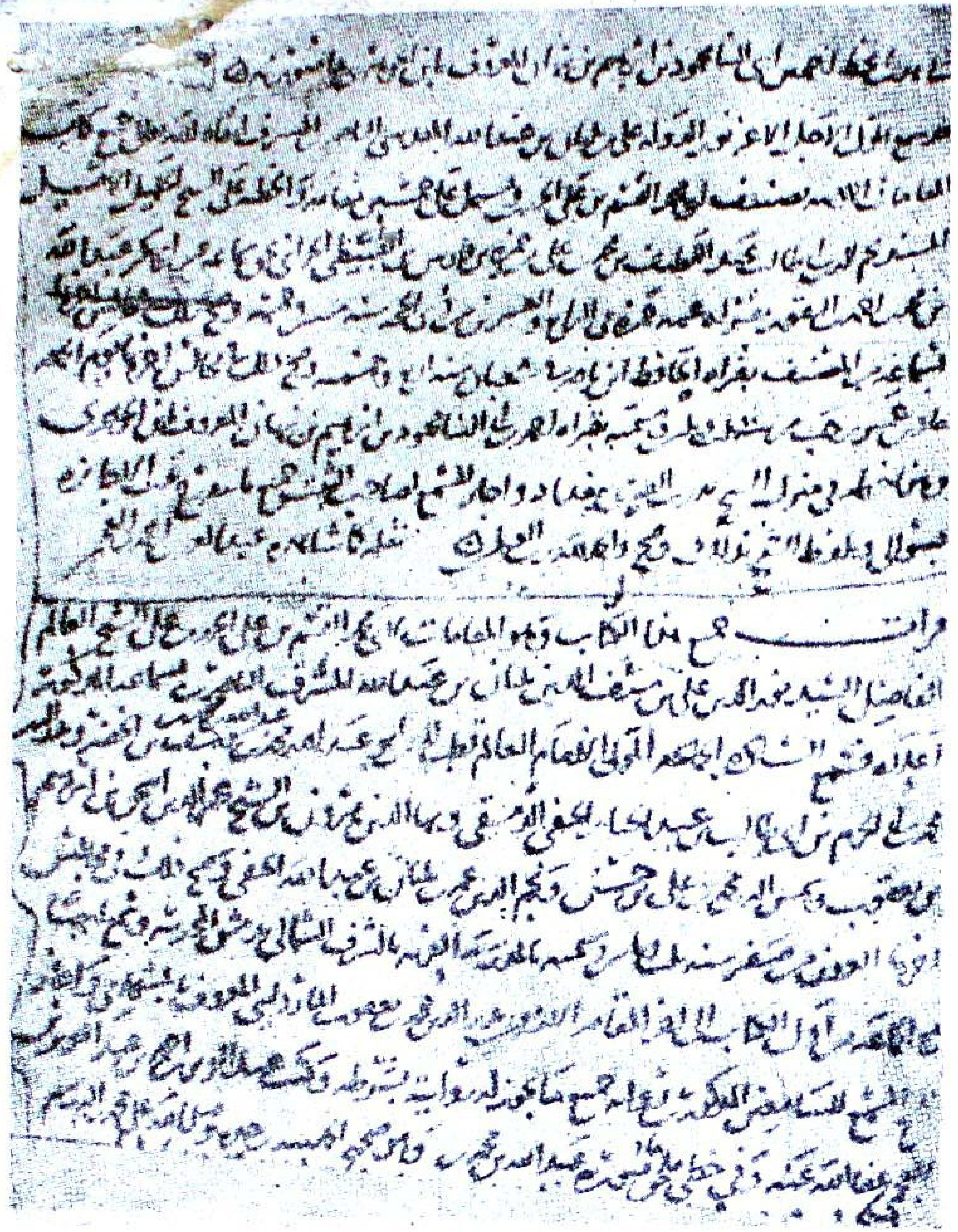

" مقامات حریری " میں درج شدہ دو اسناد
اوپر : عبدالطیف بن محمد کی طرف سے علی النصیری کو
نیچے : علی النصیری کی طرف سے اس کے چھ طلباء کو

Marfat.com

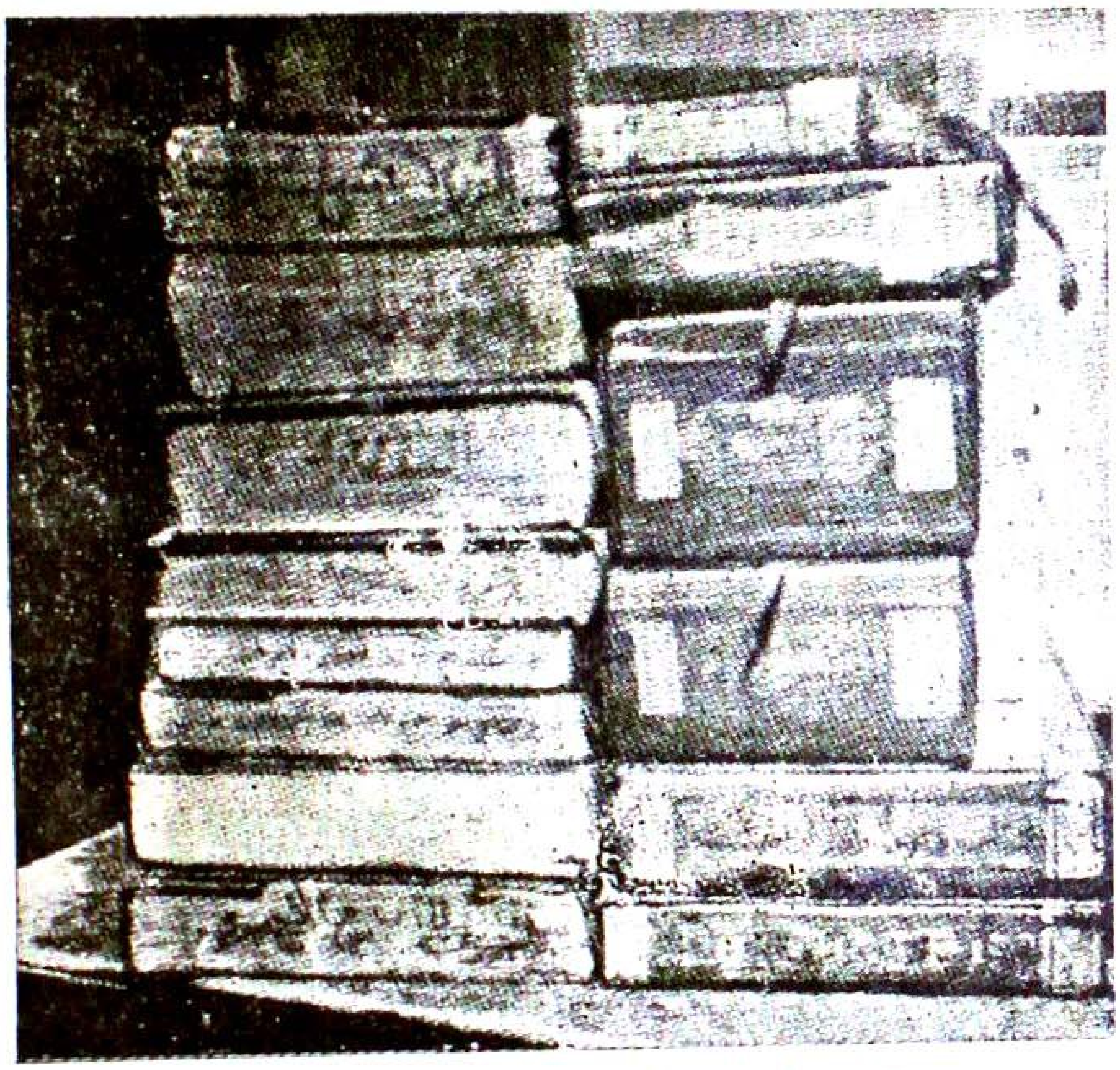

زمانۂ وسطیٰ کی کتب اپنی اصلی ترتیب میں

۸۲۷ء) کا حلقۂ درس چھوڑ دیا اور اپنا ایک نیا حلقۂ درس قائم کیا اور وہ نہایت نمایاں مفکر ثابت ہوئے۔[1]

کچھ عرصہ بعد احادیث نبوی کی اہمیت کا لحاظ رکھتے ہوئے محدث اپنے شاگردوں کو سند دینے لگے تاکہ ان کے حوالے سے وہ حدیث بیان کرسکیں۔ بعد ازاں یہی عمل دیگر مضامین کے ساتھ کیا جانے لگا اور اس طرح ہر مدرس اپنے شاگردوں کو سند دینے لگا۔ یہ سند اسی نصاب کے متعلق ہوتی تھی جو اس کی نگرانی میں پایۂ تکمیل کو پہنچتا تھا۔[2] شاگرد جس کتاب کی تکمیل کر لیتا تھا اس کے ابتدائی سادہ ورق پر سند لکھ دی جاتی تھی۔

نجف کے عمر رسیدہ عالم شیخ آغا بزرگ نے اس قسم کی سندات کی ایک کثیر تعداد جمع کرنے میں بہت کام کیا ہے۔ چنانچہ اس مضمون پر وہ مسلم الثبوت استاد ہیں۔ ہم نے نجف میں ان سے ملاقات کی تھی اور جو سوالات زیر بحث آئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔ ان کے قول کے مطابق سب سے پرانی سند جو دستیاب ہوئی ہے وہ ۳۰۴ھ کی ہے جو محمد بن عبداللہ بن جعفر نے ابو عمیر سعید بن عمرو کو عطا کی تھی اور جس کتاب کے متعلق یہ سند ہے وہ الحمیری کی تصنیف ''قرب الاسناد'' ہے۔

''مقامات حریری'' کا ایک قلمی نسخہ دارالکتب مصر میں محفوظ ہے۔ اس میں اکیس اسناد درج ہیں۔ ان میں سب سے پہلی سند مصنف ہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ دو سندات اور درج ہیں جو مصنف کے بعد سلسلہ وار ہیں۔ ایک اور قلمی نسخے میں جو عمر ابن الفرید کا دیوان ہے علی ابن محمد ابن محفوظ العلوی نے مندرجہ ذیل سند اپنے بیٹے کے نیے ۶۹۱ھ میں تحریر کی ہے:

''میرا بیٹا صدیق ابن علی جو عالم ہے، نیک نہاد ہے اور جوشیلا طالب علم ہے خدا اسے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان لوگوں کی صحبت سے بچائے جو مورد عذاب الٰہی ہیں۔ اس نے مجھ سے دیوان عمر ابن الفرید بہ استثنائے اس کے نظم کے جو 'صنق الاذعن' سے شروع ہوتی ہے تمام و کمال پڑھائے۔ لہٰذا میں نے سے یہ سند دی ہے کہ وہ اس کے پڑھنے پڑھانے کا مجاز ہے۔ جیسے میں شیخ فخر الدین العراقی کی اجازت سے پڑھاتا ہوں''۔[3]

یہ طریقہ جو اوپر بیان کیا گیا سماع کہلاتا ہے (یعنی براہ راست استاد سے پڑھنا اور سند حاصل کرنا)۔ اس قسم کی سند کو بے چون و چرا تسلیم کیا جاتا ہے، لیکن اجازہ (یعنی کسی کتاب کو مصنف یا سند یافتہ استاد سے سنے اور پڑھے بغیر پڑھانے کی اجازت) کسی قدر اختلافی مسئلہ ہے۔ لیکن ابوالعباس الولید بن بکر اپنی تصنیف ''الوجازہ فی صحت القول باحکام الاجازہ'' میں اس رواج کو موزوں قرار دیتے ہیں[4] البتہ چند شرائط

---

۱ - ''وفیات العیون'' (ابن خلکان)، جلد ۲، صفحہ ۲۵۲؛ ''قاموس العلماء'' (یاقوت) جلد ۷، صفحہ ۲۲۱ -

۲ - Hitti، *History of the Arabs* صفحہ ۴۰۰ -

۳ - غیر مطبوعہ ملکیت پروفیسر اے - جے - آربری -

۴ - ''الوجازہ'' صفحہ ۴۱ -

لگا دی ہیں تاکہ علم ایک سے دوسرے کی طرف صحت کے ساتھ منتقل ہو اور فضیلت کا معیار قائم رہے ۔ ان کا قول ہے کہ وہ شخص جسے اجازت دی جائے قابل اعتماد عالم ہونا چاہیے اور جس کتاب کی اجازت دی جائے وہ ایسی ہو جو کہ آسانی سے پڑھی جا سکے اور صحیح لکھی ہوئی ہو ۔[1]

شیخ آغا بزرگ کی تحقیق کے مطابق اس قسم کا سب سے قدیم اجازہ ۳۱۳ھ کا ہے جو محمد بن محمد بن الاشعث نے ہارون بن موسیٰ عکبری کو دیا تھا ۔

دور مابعد میں جو سند دی جاتی تھی اس میں سماع اور اجازہ دونوں شامل کیے جانے لگے ۔ طالب علم جب ایک کتاب اپنے استاد سے سن لیتا تھا تو اس کی اجازت اسے مل جاتی تھی اور اس کے بعد اس کی دیگر کتابوں کے پڑھانے کی اجازت بھی دے دی جاتی تھی ۔ السخاوی نے اسی قسم کی سند اپنے شاگرد عبدالعزیز ابن عمر ابن محمد ابن فہد کو دی تھی جس میں وہ لکھتے ہیں : ''میں نے اسے سند عطا کی ہے اور اس کتاب کو پڑھانے کی اجازت ہے اور علاوہ ازیں میری دیگر تمام تصانیف کو اور ان کے استخراجات کو بھی پڑھا سکتا ہے'' ۔[2]

اسلامی دنیا میں فن طب کو اس قدر اہمیت حاصل ہوئی کہ دسویں صدی عیسوی کے اوائل سے طبیبوں کو امتحان پاس کرکے سند حاصل کرنی لازمی تھی اور بغیر سند کے انہیں علاج معالجہ کرنے کی اجازت نہ تھی ۔[3]

سزا

''شاگردوں پر سختی کرنا ان کے لیے مضر ہے''۔ اس عنوان کے تحت ابن خلدون نے سزا پر ایک پورا باب باندھا ہے ۔ اس باب میں ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ''استاد کے اس قسم کے طرز عمل سے بچہ کو جھوٹ کی عادت پڑ جاتی ہے اور سزا سے بچنے کے لیے وہ چالاکی و عیاری کو کام میں لاتا ہے ۔ یہ بری عادتیں روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہیں اور بچے کی زندگی تباہ کر دیتی ہیں''[4] لیکن پھر بھی تمام اسلامی دنیا میں اصولاً سزا کو تسلیم کر لیا گیا تھا کیونکہ استاد کے فرائض محض کتابی تعلیم ہی تک محدود نہ تھے ۔ درحقیقت اکثر اوقات والدین استاد کی خدمت میں حاضر ہوکر اس کی شکایت کرتے اور اسے سزا دینے کی درخواست کیا کرتے تھے ۔ الجاحظ سے روایت ہے کہ قاضی شریح (متوفی ۸۷ھ) کا ایک لڑکا نماز نہیں پڑھتا تھا بلکہ کتوں کے ساتھ کھیلتا رہتا تھا ۔ اس پر شریح نے اس کے استاد کو اس مضمون کی ایک نظم لکھ کر بھیجی :

''اس نے نماز ترک کر دی ہے اور بری صحبت میں اپنا سارا وقت کتوں

---

۱ - ''الوجازہ'' صفحہ ۳۰ ۔

۲ - ''الضوءاللامع'' جلد ۱۲ ، صفحہ ۱۶۸ ۔

۳ - ''طبقات الاطباء'' (ابن ابی اصیبعہ) ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۲۲ ۔

۴ - ''المقدمہ'' صفحہ ۳۹۹ ۔

Marfat.com

کے ساتھ کھیلنے میں صرف کر دیتا ہے ۔ جب وہ آپ کے پاس آئے تو اسے لعنت ملامت کیجیے اور نصیحت کیجیے جیسی کہ ایک تعلیم یافتہ اور دانش مند کو کرنی چاہیے اور اگر آپ اسے سزا دینا چاہیں تو ھنٹر استعمال کیجیے اور تین کوڑے ماریے۔''[1]

اسحاق بن ابراہیم الموصلی نے لکھا ہے کہ ''میرے والد کو کتاب میں داخل کیا گیا لیکن انھیں پڑھنے لکھنے سے کوئی دلچسپی نہ تھی ۔ اس پر انھیں پیٹا گیا اور بند کر دیا گیا لیکن بے سود ، یہاں تک کہ وہ بھاگ کر موصل چلے گئے اور وہاں انھوں نے گانا بجانا سیکھ لیا ۔''[2]

ابو نواس نے حفص کے ایک کتاب میں ایک لڑکے کو پٹتے ہوئے دیکھا تو اس شعر میں اس واقعے کا اظہار کیا : ''حفص نے حکم دیا کہ لڑکے کو پیٹا جائے کیونکہ وہ احمق ہے اور سبق پر توجہ نہیں دیتا ۔ پس اسے کوڑے سے پیٹا گیا''۔[3]

حسب ضرورت شہزادوں پر بھی سختی کی جاتی تھی ۔ اس قسم کی ھدایت امین کے اتالیق الاحمر کو ھارون رشید نے دی تھی ۔[4] الاحمر کا بیان ہے کہ جب ضرورت پڑتی تھی میں سختی سے پیش آتا تھا ۔[5]

لیکن ابن مسکویہ کا مشورہ یہ ہے کہ خطا کار شاگرد کے ساتھ بتدریج سختی کی جائے اور اگر پھر بھی باز نہ آئے تو برملا تادیب کی جائے ۔ اس کے بعد بھی اگر بے عنوانی سرزد ہو تو ھلکی جسمانی سزا دی جائے اور اگر استاد اس طرح بھی اسے درست نہ کرسکے تو پھر ھمارا مشورہ یہ ہے کہ کچھ وقفے کے بعد پھر مندرجہ اصلاحی اقدامات کا اعادہ کیا جائے ۔[6]

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ہم تین حقایق کا ضرور اظہار کیے دیتے ہیں ۔

(۱) اس قسم کی سزا کی اجازت صرف دس برس کی عمر سے اوپر والے بچوں کے لیے تھی ۔ چھوٹے بچوں یا بالغ طلباء پر اس کا اطلاق نہ ہوتا تھا ۔[7]

(۲) استاد کو لازم ہے کہ بچے کے منہ پر نہ مارے بلکہ جانگوں پر یا پیر کے تلووں پر مارے کیونکہ ان مقامات پر مارنے سے کسی بیماری یا ضرر کا اندیشہ نہیں ۔[8]

---

۱ ۔ ''الحیوان'' (الجاحظ) ، جلد ۲ ، صفحہ ۴۸ ؛ ''العقد الفرید'' جلد ۱ ، صفحہ ۳۶۳ ؛ ''عیون الاخبار'' جلد ۲ ، صفحہ ۱۶۷ ؛ ''الدراری فی الذراری'' صفحہ ۳۸ ۔

۲ ۔ الاغانی ، جلد ۵ ، صفحہ ۱۵۷ ۔

۳ ۔ ''دیوان ابو نواس'' صفحہ ۴۱۸ ۔

۴ ۔ ''المقدمہ'' صفحہ ۳۹۹ ۔

۵ ۔ ''المحاسن و المساوی'' صفحہ ۶۱۷ ۔

۶ ۔ ''تہذیب الاخلاق'' صفحہ ۲۰ ۔

۷ ۔ ''جرنل ایشیاٹک'' صفحہ ۲۱۴ ، مضمون از ابن عبدون ۔

۸ ۔ ''معلم القریہ'' (القراشی) ، صفحہ ۱۷۱ ؛ ''نہایت الرتبہ'' (الشیزری) ، صفحہ ۱۰۱ ۔

Marfat.com

(۳) معلم کو چاہیے کہ اشد ضرورت کی حالت میں سزا دے لیکن بار بار سزا دینا درست نہیں اور سزا دیتے وقت بے رحمی کا مظاہرہ بھی نہیں ہونا چاہیے ۔[1]

صلہ اور انعام

بعض دیگر علماء نے سزا کے ساتھ ھی ساتھ صلہ اور انعام پر بھی بحث کی ھے ۔ لہٰذا میں نے بھی ان کی پیروی میں اس عنوان پر یہاں بحث کرنا مناسب سمجھا ۔ چونکہ بچے کو اس کی غلطیوں پر سزا دی جاتی ھے لہٰذا اس کے اعمال حسنہ پر اسے انعام ملنا چاہیے ۔

ابن مسکویہ کی رائے ھے کہ بچہ کے اعلیٰ کردار اور افعال حسنہ کے صلہ میں اس کی تعریف کی جائے ۔[2] امام غزالی کا مشورہ بھی یہی ھے اور مزید براں یہ کہ انعام کا مقصد یہ ھونا چاہیے کہ بچے کا دل خوش ھو اور اس کی ھمت بڑھے ۔[3]

طلباء کے انعام و صلے کی مختلف صورتیں ھوا کرتی تھیں ۔ بعض اوقات قابل طلباء کو اونٹوں پر بٹھا کر جلوس نکالا جاتا تھا اور سڑک کے دونوں جانب لوگ اپنے مکانوں کی کھڑکیوں سے بطور مبارک باد بادام اور اخروٹ وغیرہ جلوس پر بکھیرا کرتے تھے ۔ اسی قسم کے ایک موقع پر ایک نہایت المناک واقعہ ھوا ۔ ایک طالب علم علی بن جبلہ جس کی صرف ایک آنکھ تھی اونٹ پر بیٹھا تھا ۔ سوئے اتفاق سے ایک بادام اس کی تندرست آنکھ میں آ کر لگا اور وہ غریب اندھا ھوگیا ۔[4]

علاوہ ان اخلاقی انعامات کے کچھ چیزیں بھی قابل طلباء کو بہ طور انعام دی جایا کرتی تھیں اور درس گاھوں کے بانی وقف ناموں میں اس کی گنجائش رکھتے تھے ۔ مثال کے طور پر الملک الاشرف نے اول تو اپنے مدرسے کے مستقل اور جز وقتی طلباء کے لیے وظائف مقرر کر دیے ، بعد ازاں یہ اعلان کیا کہ ”جو لڑکا زیادہ قابلیت کا ثبوت دے گا اسے زیادہ وظیفہ دیا جائے گا اور درس گاہ کے مہتمم کو اختیار حاصل ھوگا کہ جو طالب علم بھی حدیث کی ایک کتاب ختم کرے اسے انعام دے ۔“[5]

الملک المعظم عیسیٰ نے بالکل ٹھیک ٹھیک انعامات مقرر کر دیے تھے ۔ الزمخشری کی تصنیف ”المفصل“ کے ختم کرنے پر طالب علم کو ایک سو دینار بطور انعام ملتے تھے اور ”جامع الکبیر“ کے ختم کرنے والے کو دو سو دینار دیے جاتے تھے ، اور ”الاضاء“ کے پڑھنے والے کو صرف تیس دینار دیے جاتے تھے ، یہ بات المعظم کی مرضی پر منحصر تھی کہ ان انعامات کے ساتھ جسے چاھے خلعت بھی عطا کرے ۔[6]

---

۱ ۔ ”الادب فی الدین“ (الغزالی) ، صفحہ ۴۳ ۔

۲ ۔ ”تہذیب الاخلاق“ صفحہ ۲۰ ۔

۳ ۔ ”الاحیاء“ جلد ۳ ، صفحہ ۵۸ ۔

۴ ۔ الاغانی ، جلد ۱۷ ، صفحہ ۱۰۱ ؛ ڈاکٹر سارجینٹ (Dr. Sargent) نے مجھے بتایا کہ حضر موت میں اب بھی یہ رواج ھے اور انھوں نے بہ چشم خود دیکھا ۔

۵ ۔ وقف نامہ مملوکہ صلاح الدین المنجد سا کن دمشق ۔

۶ ۔ ”الدارس“ (النعیمی) ، جلد ۱ ، صفحہ ۵۸۴ ۔

Marfat.com

اساتذہ کا لباس

بنی امیہ کے بر سر اقتدار آنے سے پہلے خلفاء ، امراء ، اور علماء کے لیے رسول اکرم صلعم کا لباس ہی نمونہ تھا - احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت کا لباس نہایت سادہ تھا - روایت ہے کہ حضور ازار زیب تن فرماتے تھے جو نیچی ہوتی تھی لیکن زمین کو نہ لگتی تھی -[۱] دراز اور قمیص بھی ہوتی تھی اور ایک چادر شانوں پر ڈالے رہتے تھے - ان کپڑوں کے ساتھ عمامہ اور شامل کیجیے - بس آنحضرت صلعم کا یہی لباس تھا اور حضور کو سفید رنگ ہی مرغوب تھا -

اکثر اموی خلفاء اور سپہ سالاران افواج نے غیر ملکی فیشن کی نقل کرنی شروع کر دی اور بعد ازاں عہد عباسیہ میں تو ایرانی طرز کا لباس اختیار کر لیا گیا اور ایرانی خطابات دیے جانے لگے اور خیالات تک ایرانی ہوگئے - المنصور پہلا شخص تھا جس نے ایرانی عمامہ استعمال کیا - اس کی تقلید میں عوام نے بھی اسے اختیار کر لیا -[۲] اس دور کے شرفاء کا لباس چوڑے پاجامہ ، قمیص ، واسکٹ ، قفطان اور عبا پر مشتمل تھا -[۳]

ابتداء میں تمام علماء اور خصوصاً وہ جو سرکاری ملازم تھے یہی لباس پہنتے تھے - لیکن ہارون رشید کے عہد سے انہوں نے ابو یوسف کی تقلید میں ایک خاص قسم کی سیاہ پگڑی اور طیلسان کا استعمال شروع کر دیا تھا - اس وقت سے علماء کا ایک مخصوص لباس ہوگیا تھا -[۴] جب الصاحب بن عباد نے اپنی وزارت کے زمانے میں حدیث کا درس دینے کا ارادہ کیا تو طلباء کے سامنے آنے سے قبل اس نے علماء کا مخصوص لباس زیب تن کیا -[۵]

بہر حال ایک عالم کا عمومی لباس ایک پگڑی جس کا شملہ ہاتھ بھر کا کمر پر لٹکتا رہتا تھا اور ایک طیلسان تھا جس میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی تھی -[۶]

فاطمی عہد میں ہر درجے کے لوگوں کو عمومی اور خصوصی لباس دارالکسوہ سے ملتا تھا -[۷] عباسیوں کا تو مرغوب رنگ سیاہ تھا لیکن فاطمیوں نے اس کی بجائے سبز رنگ پسند کیا تھا[۸] اور علماء کے عمومی لباس میں قلنسوہ ، سبنی - طیلسان دبسی علاوہ دیگر

---

۱ - ''صحیح بخاری'' ، کتاب اللباس ، باب ۸ ، صفحہ ۹۶ -

۲ - ''تاریخ عرب'' (حطی) ، صفحہ ۲۹۳ -

۳ - ایضاً ، صفحہ ۳۳۹؛ ''کتاب الوزراء و الکتاب'' (الجہشیاری) ، صفحہ ۲۱۰؛ Nams Des Vetaments, Dozy ، صفحہ ۱۶۲-۱۶۳ -

۴ - ''المخصص'' (ابن سیدہ) جلد ۴ ، صفحہ ۸۷؛ ابن خلدون ، جلد ۲ ، صفحہ ۴۵۰؛ الاغانی ، جلد ۵ ، صفحہ ۱۰۹؛ ''احسن التقاسیم'' (المقدسی) ، صفحہ ۳۲۸ -

۵ - ''معجم الادباء'' (یاقوت) ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۱۲ -

۶ - ''فی اللبس'' غیر مطبوعہ ، مصنف نامعلوم (استانبول) -

۷ - ''الخطط'' جلد ۱ ، صفحہ ۴۰۹ - ۴۱۳ -

۸ - ''عقدالجمان'' (العینی) ، صفحہ ۱۹۲ -

Marfat.com

لباس کے ضرور شامل ہوتے تھے -[۱]

عہد ایوبی اور اس کے بعد کے دور میں علماء کا جو لباس ہوتا تھا اس کی تفصیلات ہمیں القلقشندی سے ملی ہیں - اس عہد کے علماء ایک بڑا عامہ باندھا کرتے تھے جس کا شملہ کمر پر لٹکا رہتا تھا اور بعض دفعہ اتنا لمبا ہوتا کہ اگر گھوڑے پر سوار ہوں تو زین تک لٹکا رہتا تھا - بعض علماء شملے کو نیچے تک لٹکانے کی بجائے ایک خوشنما طیلسان کندھوں پر ڈال لیا کرتے تھے - بعض اوقات ایک اور قسم کا جبہ پہنتے تھے جو فرجیہ کہلاتا تھا -[۲] فرجیہ اس جبے سے کسی قدر ملتا جلتا ہوتا تھا جیسا آج کل علمائے مصر پہنتے ہیں -

علمائے اندلس کا لباس علمائے مشرق کے لباس سے مختلف تھا - ہمیں المقری کے اس بیان سے اتفاق ہے کہ ہسپانیہ کے مسلمانوں نے لباس اور فوجی ہتیاروں کے معاملہ میں اپنے ہمسایہ ملک فرانس کی نقل کر لی تھی -[۳] بلنسیہ ، مرسیہ ، اور مشرقی صوبوں میں قاضیوں نے اور فقہاء نے عامہ اتار کر ٹوپی اوڑھنی شروع کر دی تھی - اس عہد کے ایک مصنف ابن سعید کا بیان ہے کہ ایک نامور علامہ سلطان مرسیہ کے دربار میں برہنہ سر داخل ہوا اور اس نے یہاں تک لکھا ہے کہ نہ تو ابن ہود کبھی عامہ باندھتے تھے اور نہ ابن لاحمر - مغربی اضلاع مثل قرطبہ اور سیول میں قاضی اور فقیہ عموماً عامہ باندھتے تھے ، لیکن وہ ان عاموں سے چھوٹے ہوا کرتے تھے جن کا رواج عموماً ایشیا میں تھا -[۴]

صاف اور سلیقے سے سلا ہوا لباس اور صاف ستھری ظاہری شکل و صورت کو ہر شخص سراہتا تھا - حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے کسی شخص کے بالوں کو میلا کچیلا اور الجھا ہوا دیکھا تو فرمایا کہ اس شخص کو کنگھا بھی نصیب نہیں کہ بالوں کو درست رکھے- بعض ایسے علماء کے حالات بھی پڑھنے میں آئے ہیں کہ جو عیش و تنعم کی زندگی بسر کرتے تھے - مثال کے طور پر امام مالک نہایت نفیس لباس پہنتے تھے اور نہایت نرم مسند پر بیٹھا کرتے تھے اور نہایت لذیذ غذا تناول فرماتے تھے - جب ان کے اس طور طریق کے متعلق اعتراضاً سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا ہم تو قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق عمل کرتے ہیں : من حرم زینة اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبت من الرزق (اللہ کے پیدا کیے کپڑوں کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے لیے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے) (اعراف ۳۲) -[۵]

انجمن اساتذہ

قرون وسطیٰ کے مسلمان تنظیم کرنا جانتے تھے - انھوں نے تحفظ حقوق کی انجمنیں

---

۱ - ''الخطط'' جلد ۲ ، صفحہ ۲۷۰ -

۲ - ''صبح الاعشاء'' جلد ۴ ، صفحہ ۴۱ -

۳ - المقری ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۰۵ -

۴ - *A. Short History of the Saracens* ، صفحہ ۵۷۱ -

۵ - ''کتاب الارشاد و التعلیم'' صفحہ ۳۲۹ -

Marfat.com

بنائی تھیں جو ''نقابات'' کہلاتی تھیں۔ یہ انجمنیں مختلف پیشہ وروں نے قائم کی تھیں۔ یاقوت نے نقیب الطالبین کا ذکر کیا ہے جو اس دارالعلم کا مہتمم مقرر کیا گیا تھا جسے سابور نے اپنے باپ اردشیر کی وفات کے بعد قائم کیا تھا۔[۱] المقریزی نے بھی اس لباس کا ذکر کیا ہے جو خزانۃ الکسوات میں بعہد فاطمی خاص طور پر نقیب الاشرف کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔[۲] عبدالرحمان بن الجوزی یوں رقم طراز ہے: ''العمید ابونصر نے درس گاہ نظامیہ میں ایک جلسہ طلب کیا جہاں اس کا وقف نامہ پڑھا گیا۔ عالی مرتبہ حضرات جو کہ اس جلسہ میں موجود تھے ان میں نقیب الاشرف اور قاضی القضاہ بھی تھے''۔[۳]

غرض مختلف پیشہ وروں کی انجمنیں قائم ہوتی رہیں اور تمام اسلامی دنیا میں پھیل گئیں۔ چنانچہ اساتذہ کی بھی انجمن تھی جس کے فرائض میں تھا کہ اساتذہ کے درجے اور حیثیت کو بلند رکھے اور تعلیمی معاملات کی بھی دانش مندی کے ساتھ نگرانی کرے۔ اساتذہ کی انجمن نہایت کامیابی سے چلتی تھی اور اکثر اوقات تعلیمی معاملات میں اس کا دخل خلیفہ کے احکام سے بھی بڑھ کر ہوتا تھا۔ لکھا ہے کہ الخطیب البغدادی ایک مرتبہ القادر کے محل میں تشریف لے گئے اور خلیفہ سے ملنے کی اجازت چاہی۔ خلیفہ نے ملاقات کا سبب دریافت کیا۔ اس پر موصوف نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے مسجد المنصور میں درس کی اجازت دے دی جائے۔ خلیفہ صرف یہ کر سکا کہ اس نے ان کی درخواست نقیب النقباء کو سفارش کے ساتھ بھیج دی اور اس سے درخواست کی کہ ان کو اجازت دے دی جائے۔[۴]

المقریزی نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ نے ایک اسامی پر کسی فقیہ کو مقرر کر دیا اور اتفاق سے نقیب نے اسی جگہ پر کسی دوسرے شخص کا تقرر کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نقیب کا تقرر تو مستقل قائم رہا لیکن خلیفہ کا مقرر کیا ہوا شخص فاضلات میں رہا تاکہ مستقل اسامی کی غیر حاضری میں کام کر سکے، یا جب اس کا انتقال ہو جائے تو اس کو مستقل مقرر کر دیا جائے۔[۵]

مصر میں عہد فاطمی میں بارہ نقیب تھے جن کو نقباء المعلمین کہا جاتا تھا۔ ان کا صدر نقیب النقباء تھا اور اسے داعی الدعات کہتے تھے۔ اس عہدے پر صرف اسی شخص کا تقرر کیا جاتا تھا جو اسماعیلی تعلیمات و قوانین و آئین کا مکمل اور وسیع علم رکھتا تھا اور ملک کے تمام علمی و تعلیمی امور اس شخص کو سپرد کر دیے جاتے تھے۔[۶]

ابو شامہ نے ایک نہایت کارآمد بات لکھی ہے جس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں

۱۔ ''معجم الادباء'' جلد ۶، صفحہ ۳۵۹۔
۲۔ ''الخطط'' جلد ۱، صفحہ ۴۱۱۔
۳۔ ''المنتظم'' جلد ۷، صفحہ ۲۵۶۔
۴۔ ''معجم الادباء'' جلد ۱، صفحہ ۲۴۶-۲۴۷۔
۵۔ ''الخطط'' صفحہ ۲۸۲۔
۶۔ ایضاً، جلد ۱، صفحہ ۳۹۱۔

Marfat.com

کہ نقیب عمومی کا انتخاب اراکین جماعت کرتے تھے۔ سلطان کی طرف سے نامزدگی نہیں ہوتی تھی ۔ وہ بیان یہ ہے : "جب الحافظ اعرادی کا انتقال ہو گیا تو اس کی جگہ تقرر پر اختلاف رونما ہوا ۔ عرب علماء ایک طرف تھے اور انہوں نے شرف الدین بن ابی عصرون کا نام پیش کیا اور کردی علماء دوسری طرف تھے۔ انہوں نے قطب النیشاپوری کو تجویز کیا ۔ علماء کے درمیان جھگڑا ہو جانے کا احتمال تھا ، لہذا سلطان نورالدین کو دخل دینا پڑا تاکہ اختلافات ختم ہو جائیں ۔ اس نے شرف الدین اور قطب النیشیاپوری دونوں کا تقرر کر دیا تاکہ طرفین مطمئن رہیں ۔"[1]

اس بیان سے ہم نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ تمام اضلاع میں الگ الگ نقیب تھے اور ان سب کا صدر نقیب النقباء دارالخلافہ میں رہا کرتا تھا ۔[2]

مسلمانوں کے لیے یہ فخر کا مقام ہے کہ قرون وسطیٰ میں ان کی ایسی اچھی تنظیم تھی ۔ ہمیں اس ادارے کے متعلق مزید تفصیلات حاصل ہوتیں اگر بے شمار عربی لٹریچر ضائع نہ ہوا ہوتا ۔ بہر حال جو معلومات ہمارے پاس ہیں جنہیں ہم نے اوپر بیان کیا ہے اس تنظیم کے متعلق رائے قائم کرنے کے لیے کافی ہے ۔

---

۱ - "الروضتین" جلد ۱ ، صفحہ ۱۷ ۔
۲ - ابن جبیر و "حسن المعاد" ۔

باب چہارم

طلباء

اسلام اور تعلیم

ہم اس باب میں یہ دکھلائیں گے کہ مسلمان طالب علم انتہا درجے کا مستعد اور سر گرم رہا ہے - اس نے حصول علم میں بڑی سختیاں برداشت کیں اور کانٹوں بھرے راستے سے گزرا - کوئی دقت ، کوئی پریشانی اسے اپنے مقصد کے حصول سے نہ روک سکتی تھی - ہمارے خیال میں یہ سب ان آیات قرآنی اور احادیث نبوی اور اقوال بزرگان دین کا اثر تھا جن سے تلاش علم کے لیے ہمت افزائی ہوتی تھی اور جن سے یہ پتہ چلتا تھا کہ ایک اہل علم کا درجہ کتنا ارفع اور اعلیٰ ہے - ہم ان تینوں ماخذوں سے چند اقتباسات پیش کریں گے -

آیات قرآنی

۱ - یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوالعلم درجٰت (اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا ہے درجے بلند کرے گا) - (مجادلہ - ۱۱)

۲ - ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون (کیا علم والے اور جہل والے برابر ہوتے ہیں ؟) (الزمر - ۱۱)

۳ - من کل فرقۃ منہم طائفۃ لیتفقہوا فی الدین ولینذرو قومہم اذا رجعو الیہم (ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس لاویں ڈراویں) (توبہ - ۱۲۲)

۴ - قل رب زدنی علما (آپ اے محمد ! یہ دعا کیجیے کہ میرے رب میرا علم بڑھا دیجیے) (طٰہ - ۱۱۳)

۵ - فسئلو اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (اگر تم کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ لیا کرو) (نحل - ۴۳)

احادیث نبوی

۱ - علماء پیغمبروں کے وارث ہوتے ہیں[1] -

---

۱ - ''احیاء'' -

Marfat.com

۲ - پیغمبروں کے بعد علماء اور مجاھدین کا درجہ ہے۔[1]
۳ - قیامت کے دن طلباء کی روشنائی اور شہداء کا خون ایک ھی درجے میں ھوں گے۔[2]
۴ - اس مسلمان کی کوئی قدر و قیمت نہیں جو نہ استاد ہے نہ طالب علم۔[3]
۵ - بلا تاخیر ایک جاھل کو علم کی تلاش میں لگ جانا چاھیے اور ایک عالم متبحر کو اپنے علم میں اضافہ کرنا چاھیے۔[4]
۶ - علم و حکمت سے ایک شہرۂ آفاق انسان کی شہرت میں مزید اضافہ ھوتا ہے اور ایک غلام شاھوں کے درجے پر پہنچ جاتا ہے۔[5]
۷ - تلاش علم ایسا ھی مقدس کام ہے جیسے عبادت اور اس کے حصول میں جو مصیبت اٹھائی جائے وہ جہاد ہے۔[6]
۸ - مہد سے لحد تک تلاش علم جاری رکھو خواہ اس کے لیے چین جانا پڑے۔[7]
۹ - اساتذہ و طلباء ھی انسان ھیں ، باقی سب گھاس کوڑا ہے۔[8]

اقوال

۱ - حضرت علیؓ نے کمیل کو یہ نصیحت کی تھی : ''اے کمیل ! علم دولت سے بڑھ کر ہے - دولت کی حفاظت تو تمھیں کرنی پڑتی ہے لیکن علم تمھاری حفاظت کرتا ہے - دولت تو خرچ کرنے سے کم ھو جاتی ہے لیکن علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے''۔[9]
۲ - یہ قول بھی حضرت علیؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے : ''جو شخص حصول علم میں جان دے دیتا ہے وہ کبھی نہیں مرتا''۔[10]
۳ - الاحناف کا قول ہے کہ ''ہر وہ عظمت و بزرگی جسے علم کی پشت پناھی حاصل نہ ھو جلد غارت ھو جاتی ہے اور اس کی جگہ ذلت و اہانت لے لیتی ہے'' ۔[11]
۴ - ایک نامعلوم عالم فرماتے ھیں : ''جس نے علم حاصل نہیں کیا اس نے کیا پایا ؟ جس نے علم حاصل کر لیا اس نے کیا کھویا ؟''[12]

---

۱ - ''احیاء'' ۔
۲ - ''صبح الاعشاء'' ۔
۳ - ''محاضرات الادباء'' ۔
۴ - ''احیاء'' ۔
۵ - ''ایضاً'' ۔
۶ - ''کشف الظنون'' ۔
۷ - ''ایضاً'' ۔
۸ - ''منہاج المتعلم'' ۔
۹ - ''الاحیاء'' ؛ ''عقدالفرید'' ؛ ''عیون الاخبار'' ۔
۱۰ - ''الاحیاء''
۱۱ - ''محاضرات الادباء'' ۔
۱۲ - ''الاحیاء'' ۔

Marfat.com

۵ - الخلیل بن احمد سے سوال کیا گیا : ''علماء بہتر ہیں یا بادشاہ ؟'' انھوں نے جواب دیا ''علماء'' - پھر ان سے پوچھا گیا ''جب یہ بات ہے تو پھر یہ بتائیے کہ علماء بادشاھوں کے دروازوں پر کیوں جمع ہوتے ہیں لیکن بادشاہ علماء کے دروازوں پر مجمع نہیں کرتے -'' انھوں نے کہا ''علماء جانتے ہیں کہ بادشاھوں سے متعلق ان کا فرض کیا ہے لیکن بادشاہ نہیں جانتے کہ علماء سے متعلق ان کا کیا فرض ہے ''-[۱]

۶ - ابن عبدالحکم حضرت امام مالکؓ کے حلقۂ درس میں شریک تھا - ظہر کی اذان سنی تو اپنی کتابیں سنبھالنی شروع کیں تاکہ نماز میں شریک ہو لیکن امام مالک نے یہ دیکھ کر کہا ''جس کام کے لیے تم جا رہے ہو وہ اس سے بہتر نہیں ہے جو تم اب کر رہے ہو''-[۲]

۷ - حضرت مصعب بن زبیر رض نے اپنے لڑکے کو یوں نصیحت کی : ''علم حاصل کرو کیونکہ اگر تم دولت مند ہوئے تو وہ تمھارا زیور ہوگا اور تم مفلس رہے تو وہ تمھارے حصول دولت کا ذریعہ بن جائے گا''-[۳]

۸ - عبداللہ بن مبارک سے دریافت کیا گیا کہ اگر تمھیں یہ معلوم ہو کہ کل تمھاری موت آنے والی ہے تو تم کیا کرو - انھوں نے جواب دیا کہ ''میں مطالعے میں مصروف ہو جاؤں''-[۴]

تربیت اطفال سے متعلق امام غزالی کی رائے

امام غزالی فرماتے ہیں کہ بچوں کی نگرانی کی ذمہ داری والدین پر ہے - بچہ جس کا ضمیر بالکل صاف ہوتا ہے اور جس کی روح بے داغ ہوتی ہے والدین کی نگرانی میں دے دیا جاتا ہے - اس کا دل جو مثل آئینے کے ہے اور ہر اس چیز کا عکس قبول کرنے کے لیے تیار رہتا ہے جو اس کے سامنے آتی ہے - بچہ جو کچھ دیکھتا ہے نہایت ہوشیاری سے اس کی نقل کرتا ہے - اگر اس کی تعلیم و تربیت اچھی طرح کی جائے تو وہ ایک مثالی شہری بن سکتا ہے ، لیکن اگر اسے برا اٹھایا جائے یا اس کی طرف سے لا پروائی برتی جائے تو وہ موذی انسان بن سکتا ہے - بچے کی اقبال مندی میں اس کے والدین ، اس کے اساتذہ اور اس کے رشتے دار برابر کے شریک ہوں گے اور اگر وہ برا اٹھا تو اس کا خمیازہ بھی وہی بھگتیں گے، لہٰذا والدین یا سر پرستوں کا فرض ہے کہ اس کی طرف پوری پوری توجہ دیں - اسے اچھے طور طریقے سکھائیں ، اس کی اخلاقی اصلاح کریں اور صحبت بد سے بچائیں -

بچے کو سخت و ناہموار زندگی کا عادی بنایا جائے نہ کہ عیش و تنعم کا - خودداری، شرم و حیا اور خلوص اس کی نمایاں خصوصیات ہوں - اس کے دل میں مال و دولت کی محبت کا بیج نہ بویا جائے کیونکہ یہی چیز بلا وجہ کے لڑائی جھگڑوں کا باعث ہوتی ہے-

---

۱ - ''عقدالفرید'' ؛ ''ادب الدنیا و الدین'' -
۲ - ''الاحیاء'' صفحہ ۷ -
۳ - ''منہاج المتعلم'' -
۴ - ''ایضاً'' -

Marfat.com

جب بچہ سن شعور کو پہنچ جائے تو اسے ایک ممتاز اور اچھے اتالیق کے سپرد کردیا جائے جو اسے کارآمد اور ضروری، تعلیم دے اور صحیح راستے پر چلا کر اسے اصلی منزل مقصود تک پہنچائے۔ استاد کو چاہیے کہ اسے قرآن و حدیث کا درس دے، اصلاحی قصے کہانیاں پڑھائے اور ایسی نظمیں یاد کرائے جن میں عشق و عاشقی کا ذکر نہ ہو۔[1]

تعلیم میں مساوات

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے تعلیم کی نشر و اشاعت میں مساوات کا بڑا خیال رکھا اور افلاس کسی وقت بھی لائق طلباء کے راستے میں حائل نہیں ہوا۔ مدارس کے قیام سے قبل ہر مسلمان کو آزادی تھی کہ وہ ان لکچروں میں شریک ہو جو مساجد میں دیے جاتے تھے۔ ہونہار طلباء کی حصول علم میں ہر طرح ہمت افزائی اور امداد کی جاتی تھی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ "جو غریب و امیر طلباء تمھارے پاس بہ غرض تعلیم آئیں ان سے برابر کا سلوک کرو۔"[2] اور امام غزالی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ فرماتے تھے "نا اہل افراد کو تعلیم دینے کی کوشش کرنا ایسا ہی غیر منصفانہ فعل ہے جیسا کہ قابل طلباء کو تعلیم سے روکنا"۔[3]

اس اصول کے ماتحت مساجد میں تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ حلقہ ہائے درس قائم تھے اور اساتذہ غیر جانبداری کے ساتھ سب طلباء پر یکساں توجہ دیا کرتے تھے۔ لکھا ہے کہ معزز افسران اور اونچے طبقے کے لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کر محمد بن احمد کیسان (م ۲۹۹) کے درس میں آیا کرتے تھے، لیکن یہ لوگ غریب طلباء کے ساتھ ہی جماعت میں بیٹھتے تھے اور ابن کیسان کی توجہ سب کی طرف یکساں رہتی تھی اور لباس فاخرہ میں ملبوس طلباء اور پیوند لگے کپڑوں میں طلباء سب ان کی نظر میں یکساں تھے۔[4]

مزید براں اساتذہ نہ صرف اسی بات پر قانع تھے کہ مفت تعلیم دیں بلکہ اکثر اوقات وہ اپنے شاگردوں کی مالی امداد بھی کیا کرتے تھے۔ ابو یوسف کے والد کارخانے میں کپڑے کو صاف کرنے اور دبیز بنانے کا کام کرتے تھے۔ یہی ابو یوسف بعد میں ہارون رشید کے ندیم اور اسلامی حکومت کے قاضی القضاۃ ہوئے۔ اپنے استاد ابوحنیفہ کے ممنون احسان تھے۔ وہ انھیں پڑھاتے بھی تھے اور ان کی مالی امداد بھی کرتے تھے۔ ابویوسف کو اپنی روزی کے لیے محنت مزدوری کرنی پڑتی تھی لیکن امام ابو حنیفہ کے درس میں شریک ہونے کی تمنا بھی تھی اور روزانہ شریک درس ہونا چاہتے تھے لیکن ان کی ماں محنت مزدوری کرنے پر مجبور کرتی تھیں۔ اس وجہ سے بعض اسباق میں مسلسل کئی کئی دن تک حاضری نہ ہوسکی تھی۔ ایک مرتبہ جب غیر حاضری کے بعد وہ

---

۱ - "الاحیاء" صفحہ ۵۷ - ۵۹ -
۲ - "محاضرات الادباء" جلد ۱، صفحہ ۲۰؛ "المدخل" صفحہ ۱۵۸ -
۳ - "الاحیاء" صفحہ ۴۷ -
۴ - "معجم الادباء" جلد ۶، صفحہ ۲۸۲ -

Marfat.com

درس میں آئے تو امام صاحب کے دریافت کرنے پر انھوں نے بتایا کہ بوجہ مالی مشکلات کے غیرحاضری ہوتی ہے ۔ امام صاحب نے اسی وقت انھیں ایک سو درہم عطا کیے اور اس وقت سے برابر وہ انھیں روپیہ پیسہ دیتے رہے اور ابو یوسف نے کپڑے کی صفائی اور دباغت کا کام ترک کر دیا ۔[1]

غریب طبقے میں سے بے شمار ہونہار لڑکوں کو تعلیم حاصل کرنے کا موقع مل گیا جنھوں نے بعد میں بہت شہرت پائی اور خوش حالی کی زندگی بسر کی ۔ اس قسم کے حضرات میں سے ہم صرف معدودے چند کی مثالیں بیان کرتے ہیں ۔

ابوتمام الطائی نامور شاعر مسجد عمر میں ایک غریب اور معمولی سقہ تھا ۔[2]

الجاحظ روئی اور مچھلی کا بیوپار کرتا تھا لیکن ایک بہت بڑا عالم ہوا ۔[3]

امام الشافعی یتیم تھے اور ان کی ماں مفلسی کے باعث اپنے بچے کے لیے قلم و کاغذ تک نہ خرید سکتی تھیں ۔[4]

جب مدارس قائم کیے گئے تو نظام الملک نے جو مدرسوں کے سب سے پہلے بانی تھے یہ اعلان کر دیا کہ تعلیم بالکل مفت ہوگی اور طلباء کو وظائف بھی دیے جائیں گے ۔[5]

امام غزالی اور ان کے بھائی احمد کو ان کے باپ کی وصیت کے مطابق کسی صوفی کی نگرانی میں دے دیا گیا تھا ۔ ان صوفی صاحب کی مالی حالت ایسی نہ تھی کہ ان بچوں کی ضروریات پوری کرسکتے چنانچہ انھوں نے دونوں کو ایک ایسے مدرسے میں داخل ہونے کا مشورہ دیا کہ جہاں ان کی تعلیم اور دیگر اخراجات کا انتظام ہوگا ۔ انھوں نے اس مشورے پر عمل کیا اور اس طرح تعلیم حاصل کرکے شہرت و نیک نامی حاصل کی ۔[6]

نورالدین نے بھی نظام الملک کے نقش قدم پر چل کر جو مدارس قائم کیے ان میں تعلیم مفت تھی اور طلباء کی مالی امداد بھی کی جاتی تھی ۔[7]

مصر کے متعلق لین پول نے جامعہ ازہر کا حال لکھا ہے کہ ''یہاں آج بھی بے شمار طلباء اسلامی دنیا کے اطراف سے آکر جمع ہوتے ہیں۔ گھانا سے لے کر ملایا کی ریاستوں تک سے طلباء آتے ہیں اور ہرملک کے طلباء کے لیے مخصوص رواق ہیں ۔ جامعہ ازہر میں یہ سب طلباء نصاب تعلیم کے مختلف شعبوں میں فاضل شیوخ سے تعلیم حاصل کرتے ہیں ۔ طلباء کے لیے یہ رعایت ہے کہ کوئی فیس نہیں لی جاتی بلکہ ان کے طعام و قیام کا انتظام بھی اوقاف سے ہوتا ہے ۔ مفت تعلیم کی یہ نہایت قابل قدر مثال ہے جس سے غریب سے غریب بھی

---

۱ ۔ ابن خلکان، جلد ۲ ، صفحہ ۳۵۱ ۔
۲ ۔ ایضاً ، جلد صفحہ ۱۷۲ ۔
۳ ۔ ''معجم الادباء'' صفحہ ۳۶۹ ۔
۴ ۔ ایضاً ، صفحہ ۵۶ ۔ ۸۰ ۔
۵ ۔ ''طبقات الشافیعة الکبریٰ'' صفحہ ۱۳۷ ۔
۶ ۔ دیباچہ ''الاحیاء'' صفحہ ۲ ۔
۷ ۔ ''تاریخ المدارس'' صفحہ ۱۰۰ ۔

Marfat.com

مستفیض ہوتے ہیں خواہ کسی قوم سے اُن کا تعلق ہو، کوئی زبان ہو اور کسی طبقے سے تعلق ہو''۔[1]

عہد ایوبی میں ہر طالب علم کے قیام و طعام کا انتظام مفت ہوتا تھا اور جس مضمون سے اسے دلچسپی ہو اسی حلقۂ درس میں اس کا داخلہ ہو جاتا تھا ۔[2] صلاح الدین نے المدرسة السیوفیه میں مجد الدین الجیبی کا تقرر کیا ۔ وہ مدرس بھی تھے اور وقف کا انتظام بھی کرتے تھے ۔ وقف کی آمدنی سے اپنی تنخواہ لینے کے بعد تمام بقیہ رقم طلباء میں تقسیم کر دیا کرتے تھے ۔ تقسیم کا کام ان کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تھا ۔[3]

حقیقت یہ ہے کہ علی بن رضوان (متوفی ۴۶۰ھ) جو ایک طبیب تھا اور نجم الدین جفوشانی (متوفی ۵۸۷ھ) جو ایک مشہور قانون دان تھا ایسی مثالیں ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غریب طلباء کس طرح مستفیض ہوتے تھے اور ترقی کر جاتے تھے ۔ برخلاف اس کے جماعت امراء میں بمشکل ایسی مثالیں ملتی ہیں جنھوں نے علم و فضل اور ناموری میں وہ بات پیدا کی ہو جو غریب طبقے سے تعلق رکھنے والے فضلائے متبحر کو حاصل ہوئی ۔

قبل اس کے کہ یہ فصل ختم ہو ہم یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ اعلیٰ تعلیم کے علاوہ جو مساجد و مدارس کے حلقہ ہائے درس میں دی جاتی تھی ابتدائی تعلیم بھی مفت تھی ۔ تحریری ثبوت موجود ہے کہ بے شمار مکاتب غریب اور یتیم بچوں کے لیے قائم کر دیے گئے تھے تاکہ اس طبقے کے ہونہار بچوں کو شروع ہی سے تعلیم کے مواقع حاصل ہو سکیں ۔ ہم ایسے مکاتب کی چند مثالیں درج کرتے ہیں ۔

سب سے پہلے میسوپوٹیمیا میں یحییٰ بن خالد نے ایک مکتب یتیموں کے لیے جاری کیا ۔[4] بعد ازاں شمس الدین بن نظام الملک نے ایک درس گاہ نادار اور یتیم بچوں کے لیے قائم کی اور اس کے لیے بہت بڑی جائیداد وقف کی ۔[5] نورالدین کے عہد میں بہت سے مدارس نادار طلباء کے لیے ملک شام میں قائم کیے گئے تھے جو اوقاف کی آمدنی سے چلتے تھے ۔[6] مصر و شام میں صلاح الدین نے اسی قسم کی متعدد درس گاہیں قائم کی تھیں ۔[7] اندلس میں الحکم ثانی نے بھی ایسے ستائیس مدارس قائم کیے تھے جہاں نادار بچے مفت تعلیم حاصل کرتے تھے ۔[8] ان میں بیشتر اقامتی درس گاہیں تھیں جہاں طلباء کے لیے کتابیں،

۱- ''قاہرہ'' از لین پول، صفحہ ۱۲۱ -
۲- ''الرحلہ'' صفحہ ۴۲ -
۳- ''الخطط'' صفحہ ۳۶۵ -
۴- ''کتاب الوزراء والکتّاب'' صفحہ ۲۱۲ -
۵- ''تاریخ السلجوق'' صفحہ ۱۳۶ -
۶- ''مفرج الکروب فی اخبار بنی ایوب'' -
۷- ''الرحلہ'' صفحہ ۵۲ -
۸- ''ہسپانوی اسلام'' صفحہ ۳۵۵ -

Marfat.com

کھانا ، کپڑا سب کچھ مفت تھا ۔

طلباء کی نگرانی و رہنمائی

الاصفہانی کا قول ہے کہ جس طرح ایک شخص اپنی لڑکیوں کے لیے دیکھ بھال کر بر کا انتخاب کرتا ہے اسی طرح استاد کو لازم ہے کہ وہ اپنے شعبۂ علم کے لیے لائق شاگردوں کا انتخاب کرے ۔[1]

الزرنوجی طلباء کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ مضمون کے انتخاب میں صرف اپنی رائے سے کام نہیں لینا چاہیے بلکہ یہ کام استاد پر چھوڑ دینا چاہیے جس کا تجربہ بے حد مددگار ثابت ہوگا ۔[2]

بوعلی سینا کی رائے ہے کہ قرآن مجید اور زبان کی ابتدائی تعلیم کے بعد لڑکے کو اس کی صلاحیتوں کے مطابق تعلیم دی جائے اور اسے وہی پیشہ اختیار کرنا چاہیے جس کے لیے قدرت نے اسے موزوں کیا ہے ۔ اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کرنی چاہیے ۔[3] آگے چل کر بوعلی سینا کہتے ہیں : ''استاد کا فرض ہے کہ طالب علم کی مخصوص صلاحیتوں کا مطالعہ کرے اور جو مضمون اس کے لیے بہترین ہو اس کی تحصیل کا مشورہ دے ۔[4]

لیکن اگر طالب علم اس مضمون میں کامیاب نہ ہو تو استاد کو چاہیے کہ کسی دوسرے مضمون کے متعلق ہدایت کرے جس میں وہ کامیابی کے ساتھ ترقی کر سکے ۔[5] یونس بن حبیب نے اپنی تعلیم الخلیل بن احمد کے حلقۂ درس میں شروع کی جہاں علم عروض کی تعلیم دی جاتی تھی ۔ یونس اصول عروض کے سمجھنے میں ناکام رہا ۔ پس الخلیل نے اس سے دریافت کیا کہ یہ شعر کس بحر میں ہے :

اذا لم تستطع شیئاً فدعۃ وجاوزہ الی ما تستطیع

اور کہا کہ اگر تم کچھ سیکھنے میں ناکام رہو تو اسے چھوڑ دو اور کسی اور چیز کے لیے کوشش کرو جو تمھاری استعداد کے مطابق ہو ۔ یونس نے خلیل کا مطلب سمجھ لیا اور ان کے حلقۂ درس کو چھوڑ کر صرف و نحو کی طرف توجہ کی اور اس میں انھوں نے شہرت حاصل کی ۔[6]

امام بخاری نے پہلے محمد بن الحسن کے حلقۂ درس میں داخلہ لیا تاکہ دینیات پڑھیں لیکن انھوں نے اندازہ لگا لیا کہ بخاری کو علم حدیث میں کامیابی ہوگی چنانچہ یہی مشورہ دیا اور اس طرح امام بخاری اسلامی دنیا میں ایک نہایت ممتاز محدث ہوئے ۔[7]

۱۔ ''محاضرات الادباء'' صفحہ ۲۵ ۔
۲۔ ''تعلیم المتعلم'' صفحہ ۱۳ ۔
۳۔ ''رسالۃ المشرق'' جلد ۹ ، صفحہ ۲۲ مضمون السیاسہ ۔
۴۔ ''القانون'' صفحہ ۲۷ ۔
۵۔ ''تذکرۃ السامع'' صفحہ ۵۷ ۔
۶۔ ''محاضرات الادباء'' صفحہ ۲۵ ۔
۷۔ ''تعلیم المتعلم'' صفحہ ۱۳ ۔

Marfat.com

حاجی خلیفہ اور ابو یحییٰ الانصاری کا مشورہ یہ ہے کہ ہر شخص کو پہلے تو مروجہ عموسی تعلیم حاصل کرنی چاہیے تاکہ وہ ایک اچھا شہری بن جائے بعد ازاں نوجوانی میں اپنی ذہنی و دماغی قابلیت کے لحاظ سے اعلیٰ تعلیم کی اگر صلاحیت رکھتا ہو تو کسی ایسے شعبے میں داخلہ لے جس میں کامیاب ہو سکے۔[1]

استاد کو بھی یہ ھدایت کی گئی ہے کہ شاگرد کی ذہانت کا امتحان لے اور اسے وھی کچھ سکھائے جسے وہ سمجھ سکے۔ طالب علم کی قابلیت سے باھر تفصیلات کا بیان کرنا بالکل بے کار ھوتا ہے اور ممکن ہے اس کا انجام مایوسی اور الجھن ہو۔ ذہانت کا امتحان ایک اور نظر سے بھی مفید ہوگا کیونکہ اسی کے لحاظ سے طلباء کی جماعت وار تقسیم ھوسکے گی تاکہ ایک تیز اور ذھین طالب علم ایک معمولی اور کند ذھن کے ساتھ نہ رہ سکے کیونکہ اس قسم کی جماعت بندی دونوں کے لیے مضر ثابت ہوگی۔[2]

تعلیم کے لیے بچے کی عمر

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''مہد سے لحد تک علم جاری رکھو'' للهذا حصول علم کے لیے مسلمان عمر کی قید سے آزاد ہے۔ حدیث کے مضمون کے مطابق مسلمان کو تمام عمر حصول علم میں صرف کرنی چاہیے۔ چنانچہ جب ابو عمرو بن العلاء سے سوال کیا گیا کہ تعلیم کے لیے مناسب عمر کیا ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ جب تک انسان زندہ ہے علم حاصل کرتا رہے۔[3] یہ بھی لکھا ہے کہ عالم کو اسی وقت عالم کہا جا سکتا سکتا ہے جب تک کہ وہ برابر حصول علم میں مصروف رہے اور اگر وہ مطمئن ہو جائے کہ بس علم حاصل کر چکا تو یہ جہالت کا مظاھرہ ہے۔ کسی بھی شخص کے لیے جو صحت مند ہو اور جس کا دماغ درست ہو یہ امر قابل معافی نہیں ہے کہ حصول علم کو ترک کر دے خواہ عمر اس کی کچھ بھی ہو۔[4] ان ھدایات کے تحت صحابہ کرام کافی بڑی عمر میں بھی حصول علم میں منہمک رہا کرتے تھے۔ مزید برآں ایک عالم کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بستر مرگ پر بھی ایک سوال کے صحیح جواب معلوم کرنے میں کوشش کرتے دیکھے گئے۔[5]

بہر حال جس قدر جلد تعلیم شروع کی جائے اتنا ھی اچھا ہے۔ ابن جماعہ بڑے زوردار الفاظ میں کہتے ھیں کہ کم عمری ھی میں تعلیم شروع کر دینی چاھیے کیونکہ جو وقت گزر گیا وہ لوٹ کر نہیں آئے گا۔[6]

ایک نوجوان طالب علم سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے کام میں مستغرق رہے

۱- ''کشف الظنون'' صفحہ ۲۹ -

۲- ''منہاج المتعلم'' -

۳- ''ابن خلکان'' صفحہ ۵۵۱ -

۴- ''تعلیم المتعلم'' صفحہ ۲۵ -

۵- ''معجم الادباء'' صفحہ ۳۰۹ -

۶- ''تذکرۃ السامع والمتکلم'' صفحہ ۷۰ -

Marfat.com

کیونکہ صحت اور جوانی کی قوت ممد و معاون ثابت ہوگی اور چونکہ اس پر اور ذمہ داریاں نہیں ہوتیں تو اس کے لیے ممکن ہے کہ حصول علم میں تمام کوششیں صرف کرے[1] اور اگر وہ تعلیم میں لیت و لعل کرے گا تو ممکن ہے کہ اس کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں پیدا ہو جائیں اور دماغ دنیاوی الجھنوں میں پھنس جائے اور گھر بار کی اور قوم کی ذمہ داریاں پیدا ہو جائیں۔[2]

ان پند و نصائح پر ہر طرف عمل کیا گیا اور والدین اپنے بچوں کو بہت چھوٹی عمر میں مکاتب میں داخل کرنے لگے اور لڑکوں میں بھی ایسا شوق پیدا ہو گیا کہ وہ بھی چھوٹی عمر میں حلقۂ درس میں شامل ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ چنانچہ جب ایک محدث نے طے کیا کہ نوجوان طلباء کو حلقۂ درس میں داخل نہ کیا جائے گا تو ایک لڑکے نے داخلہ لینے کے لیے اپنے چہرے پر مصنوعی داڑھی لگا لی۔[3]

حقیقت میں یہ پڑھ کر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ امام شافعی اور سہل التستری نے سات برس کی عمر میں قرآن مجید ختم کر لیا تھا اور امام شافعی نے "موطا" دس سال کی عمر میں ختم کر لی تھی[4] اور پندرہ سال کی عمر میں انہیں فتویٰ دینے کی اجازت دے دی گئی تھی۔[5]

بو علی سینا نے دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور ادبی مسائل، مبادیات دین، الجبرا، اور ارتھمیٹک پر کافی عبور حاصل کر لیا تھا۔[6] الکندی اور ابن العدیم نے دس برس کی عمر تک قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور اس کے دس دور بھی کر لیے تھے۔[7] مسلمان طلباء کی محنت اور جوش و خروش کی ایک اور مثال بیان کر کے ہم اس فصل کو ختم کرتے ہیں اور وہ مثال یہ ہے کہ قتادہ نے صرف سات سال میں تمام قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔[8]

کمرہ جماعت کا طول و عرض

اس معاملے میں مساجد مدارس سے مختلف تھیں۔ مساجد کھلی ہوئی تھیں اور ہر شخص کو آزادی تھی کہ جس حلقہ درس میں چاہے شریک ہو جائے۔ چنانچہ جو اساتذہ بہت مشہور تھے ان کے حلقے میں طلباء کی کثرت ہوتی تھی اور جو اساتذہ کم لیاقت یا کم مشہور ہوئے ان کے یہاں طلباء کی تعداد کم ہوتی تھی۔ ابوطیب الصعلوکی مشہور نیشاپوری

۱۔ "تذکرۃ السامع" صفحہ ۴۳؛ "محاضرات الادباء" صفحہ ۲۶۔
۲۔ "کشف الظنون" صفحہ ۲۳۰۔
۳۔ *Die Renaissance des Islam*، جلد ۱، صفحہ ۲۰۳۔
۴۔ "حسن المحاضرہ" صفحہ ۱۲۴؛ "الاحیاء" صفحہ ۵۹۔
۵۔ "ابن الخلکان" صفحہ ۶۳۷۔
۶۔ ایضاً، صفحہ ۲۱۴۔
۷۔ النعیمی، صفحہ ۴۸۳۔
۸۔ "عقد الفرید" صفحہ ۲۶۱۔

Marfat.com

عالم کے حلقۂ درس میں ۲۳ محرم ۳۸۷ کو پانچ سے زیادہ طلباء تھے[1] اور ابو حامد الاسفرائینی (م ۴۰۶ھ) کے حلقۂ درس میں جو مسجد عبد اللہ بن المبارک میں بمقام بغداد درس دیا کرتے تھے طلباء کی تعداد تین سو سے سات سو تک رہا کرتی تھی۔[2] مصر میں محمد النعالی (م ۳۸۰ھ) کی کلاس مسجد میں اس قدر وسیع ہوتی تھی کہ مسجد کے سترہ ستونوں تک پھیلی ہوتی تھی۔[3]

مسجد میں علاوہ باقاعدہ مستقل طلباء کے بیشتر غیر مستقل طلباء اور زائرین بھی گاہ بگاہ شریک درس ہوا کرتے تھے۔

برخلاف اس کے بیشتر مدارس میں تعداد طلباء محدود رہتی تھی۔ عموماً طلباء کی تعداد کا انحصار مدرس کی شخصیت پر ہوتا تھا۔ القرافہ میں مدرسۃ الناصریہ کے متعلق المقریزی اور السیوطی کا بیان ہے کہ صلاح الدین نے نجم الدین الخبوشانی کو معہ چند معیدین کے مقرر کیا تھا۔ وہاں طلباء کی خاصی تعداد تھی۔[4] لیکن دوسری کتابوں میں طلباء کی صحیح تعداد بھی دی گئی ہے۔

مثال کے طور پر ابن العبری کا بیان ہے کہ مدرسۃ المستنصریہ میں الگ الگ فقہ کے چار اسکول تھے جن کا تعلق سنی مسلمانوں کے چاروں فرقوں سے تھا۔ ہر اسکول ایک صدر مدرس کے زیر نگرانی تھا جہاں پچھتر طلباء داخل کیے جاتے۔[5] مدرسۃ المجیدیۃ الخلیلیہ میں بھی اس کے بانی نے ایک پروفیسر اور دو معید مقرر کیے تھے اور طلباء کی تعداد فی مدرس بیس مقرر کی تھی۔[6]

بعض حالات میں مدرسوں میں بھی مشہور اور فاضل اساتذہ کا درس سننے کے لیے طلباء کثرت سے جمع ہو جایا کرتے تھے۔ نیساپور کے مدرسۃ النظامیہ میں امام الحرمین کے حلقۂ درس میں قریباً تین سو طلباء تھے۔[7]

لیکن اگر کسی طالب علم کو مدرسے میں داخلہ نہ ملتا تو وہ مسجد کے درس میں شریک ہو جاتا تھا کیونکہ مسجد کا دروازہ علم کے ہر متلاشی کے لیے کھلا رہتا تھا۔

جسم و دماغ

قرون وسطیٰ کے مسلمان جسم و دماغ کے تعلق کو اچھی طرح جانتے تھے۔ انھیں نصیحت کی گئی تھی کہ مذہبی عبادات میں بھی مبالغہ نہ کریں اور کوئی ایسا کام نہ

---

۱ - ''طبقات الشافعیۃ الکبری'' صفحہ ۱۷۰ -
۲ - ایضاً ، صفحہ ۲۵ -
۳ - ''حسن المحاضرہ'' صفحہ ۲۱۲ -
۴ - ''الخطط'' صفحہ ۴۰۰ -
۵ - ''تاریخ مختصر الدول'' صفحہ ۴۲۵ -
۶ - ''الخطط'' صفحہ ۴۰۰ -
۷ - ''طبقات الشافعیۃ الکبری'' صفحہ ۱۷۰ -

Marfat.com

کریں جس سے قوائے جسمانی کمزور ہوں ۔ اگر کسی شخص نے علاوہ رمضان المبارک کے لگاتار روزے رکھنے یا کثرت سے نوافل پڑھنے کی کوشش کی تو رسول اکرم صلعم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ۔ وہ حدیث یہ ہے : ''تحقیق تمھارا فرض اپنی آنکھوں اور جسم کے متعلق بھی ہے'' ۔[۱]

یہی اصول اسلامی درس گاہوں میں بھی برتا جاتا تھا ۔ الاصفہانی کا قول ہے کہ دماغ و جسم کو بھی کچھ وقفے کے بعد سکون و تفریح کی ضرورت ہے ۔ تھکا ہوا دماغ یا جسم ہو تو مطالعہ جاری نہیں رہ سکتا ۔ اگر ان حالات میں مطالعہ کی کوشش کی بھی گئی تو بے نتیجہ ہوگی۔[۲]

ایک مرتبہ شمالی افریقہ کے جید عالم ابو القاسم عبداللہ بن محمد نے سعیقب بن ابی الازہر سے سوال کیا کہ ''آپ کے مکتب میں جو طلباء ہیں ان کے متعلق آپ کا خیال کیا ہے ؟'' انھوں نے جواب دیا ''وہ سب کھیل کود کے بڑے شوقین ہیں'' ۔ ابوالقاسم بولے ''اگر وہ کھیل کود کے شوقین نہ ہوں تو ان کے گلے میں اس کے لیے تعویذ ڈالنا چاہیے'' ۔[۳]

''کتاب التعلیم والارشاد'' میں لکھا ہے ''جوں جوں جسم میں قوت پیدا ہوگی دماغ ترقی کرے گا اور دل و دماغ کو نئی قوت اور تیزی حاصل ہوگی'' ۔

امام غزالی بھی یہی مشورہ دیتے ہیں کہ مدارس میں مناسب کھیل کود کا انتظام کیا جائے تاکہ طلباء دماغی کاوش کے بعد تازہ دم ہو جائیں ۔ اس کی ضرورت اس وجہ سے بھی ہے کہ طالب علم کی یادداشت تازہ ہو جاتی ہے اور اس میں نئی طاقت پیدا ہوجاتی ہے اور دماغی کام سے اکتاہٹ نہیں ہوتی ۔[۴]

العبدری بھی نہایت پر زور الفاظ میں کھیل اور تفریح کے اوقات مقرر کرنے پر زور دیتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر طالب علم کو کھیل سے روکا جائے اور مسلسل مطالعہ کے لیے مجبور کیا جائے تو اس کا حوصلہ پست ہو جائے گا ، اس کی قوت فکر اور دل کی تازگی برباد ہو جائے گی اور مطالعہ اس کے لیے بیماری بن جائے گا اور اس کی زندگی پر فکر و پریشانی کے بادل چھا جائیں گے اور وہ ہر ممکن کوشش کرے گا کہ سبق سے جان بچائے''۔[۵]

بہرحال کی طلباء کی صحت اور جسمانی حالت کا ہر طرح خیال رکھا جاتا تھا اور استاد کے فرائض میں یہ بات داخل تھی کہ اس کا خیال رکھے کہ طالب علم جماعت میں سیدھا بیٹھتا ہے اور لکھتے وقت بے جا طور پر جھکا ہوا نہیں ہے ۔[۶]

۱- البخاری ، صفحہ ۳۸۹ ۔
۲- ''محاضرات الادباء'' صفحہ ۲۸ ۔
۳- ''المعلم الجدید'' (مضمون عراقی میگزین) ، جلد ۴ ، ۵ ، صفحہ ۲۵ ۔
۴- ''الاحیاء'' صفحہ ۵۹ ۔
۵- ''المدخل'' صفحہ ۳۱۲ ۔
۶- ''کتاب الارشاد و التعلیم'' صفحہ ۵۴۰ ۔

Marfat.com

طلباء کو عموماً ہفتے میں ایک دن تعطیل ہوتی تھی ۔ جمعرات کو نصف دن اور جمعہ کو پورے دن مدارس بند رہتے تھے ۔ تہواروں پر بھی تعطیلات ہوتی تھیں اور موسم گرما میں تعطیل کلاں کا بھی دستور تھا ۔

جسمانی تربیت کے لیے کھیلوں کا انتظام کیا جاتا تھا ۔ حضرت عمر نے ہدایات بھیجی تھیں کہ بچوں کو تیرنا ، نیزہ بازی ، اور شہ سواری سکھائی جائے ۔[1] دوڑیں بھی طلباء کے ورزشی کھیلوں میں شامل تھیں ۔[2]

طلباء کا کردار اور فرائض

طالب علم کا کردار اور اس کے فرائض ایسے مضامین ہیں جن پر بارہا علماء نے لکھا ہے ۔ ہم ذیل میں مختلف ماخذوں سے چند اقتباسات درج کرتے ہیں ۔

طالب علم کو چاہیے کہ :

(۱) اس کا کردار اور اخلاق اچھے ہوں کیونکہ ایسا ہی کردار عموماً بزرگی اور برتری کی بنیاد ہوتا ہے ۔ امام غزالی اور العبدری کو یقین ہے کہ جس طالب علم کے طور طریقے خراب ہوں گے کبھی علم سے مستفیض نہیں ہوگا ۔[3]

(۲) وہ دنیاوی تعلقات کو محدود رکھے اور گھر اور گھر والوں کو چھوڑ کر چلا جائے تاکہ حصول علم میں کوئی چیز حائل نہ ہو ۔ امام غزالی تو یہ کہتے ہیں کہ ''علم خود کو تمہاری سپردگی میں نہیں دے گا جب تک کہ خود کو قطعی طور پر اس کے سپرد نہ کر دو''۔[4]

(۳) وہ اپنے استاد کی تعظیم و تکریم کرے اور اس کی نصیحت پر اس طرح عمل کرے جیسے بیمار طبیب کے مشورے پر عمل کرتا ہے ۔[5]

اپنے والدین سے بھی زیادہ استاد کی عزت کرے کیونکہ والدین تو اسے اس دنیا میں لانے کا باعث ہوتے ہیں جو فنا ہونے والی ہے لیکن استاد کی تعلیم و تربیت اسے حیات سرمدی بخشتی ہے ۔[6] ''منہاج المتعلم'' میں لکھا ہے : ''ہر شخص کے تین باپ ہوتے ہیں ۔ ایک وہ جس نے اسے پیدا کیا ، دوسرا رضاعی باپ اور تیسرا وہ جس نے اسے تعلیم دی اور یہ آخری بہترین باپ ہے''۔[7]

(۴) مفید و کارآمد علوم کے ہر شعبے سے اسے واقفیت عمومی ہونی چاہیے ۔[8] اور اسی میں سے کسی ایک شعبے کو کامل طور پر تحصیل کرنے کے لیے منتخب کر

---

۱ ۔ ''الکامل'' صفحہ ۱۵۰ ۔
۲ ۔ ''کتاب الارشاد و التعلیم'' صفحہ ۵۴۰۔
۳ ۔ ''الاحیاء'' جلد ۱ ، صفحہ ۰۴ ؛ ''المدخل'' جلد ۲ ، صفحہ ۹۸ ۔
۴ تا ۶ ۔ ''الاحیاء'' صفحہ ۱۴ - ۹۴ ۔
۷ ۔ میرا ذاتی مسودہ ۔
۸ ۔ ''تذکرۃ السامع'' صفحہ ۱۱۳ ۔

Marfat.com

لینا چاہیے ۔[1]

(۵) تحصیل علم کے دوران حضور سرور کائنات صلعم کے اس فرمان کو یاد رکھے کہ "خود بینی کی غرض سے علم حاصل نہ کرو اور نہ اس لیے کہ حکمران طبقہ تمھاری طرف توجہ دے"[2] اور نہ دنیاوی نمود و نمایش کے لیے حاصل کرے ۔[3]

(۶) اس درجے پر پہنچنے کی کوشش کرے جہاں علم سے اسے لطف و تفریح حاصل ہونے لگے ۔[4]

(۷) اپنے مطالعے میں صبر کے ساتھ منہمک رہے اور استاد کے ساتھ بھی تحمل و بردباری کا برتاؤ کرے اور اس کی عنایات اور مہربانی کے حصول میں کوشش کرے ۔[5]

(۸) استاد کا احترام کرے ۔ اس کے ساتھ چلے تو آگے نہ نکلے اور نہ بغیر اجازت گفتگو کا آغاز کرے اور اس کی نصائح سننے کے لیے مناسب وقت منتخب کرے ۔[6]

(۹) جو لکھے خوش خط لکھے اور حاشیہ چھوڑے ۔[7]

(۱۰) کسی معمولی سے معمولی آدمی سے بھی حصول علم میں ہرگز نہ ہچکچائے کیونکہ بیش قیمت موتی کو محض اس لیے کون چھوڑ سکتا ہے کہ اسے حقیر غوطہ خور نے نکالا ہے ۔[8]

(۱۱) محنت اور جوش و خروش کے ساتھ کام میں لگا رہے ۔[9]

(۱۲) استاد کے منتخب کرنے میں عجلت نہ کرے کیونکہ اس انتخاب میں استاد کے کردار اور تبحر علمی کا لحاظ بھی ضروری ہے ۔ استاد کا مشہور ہونا ہی ضروری نہیں کیونکہ بہت سے کم شہرت والے حضرات میں اچھے اور مفید استاد نکل آتے ہیں ۔[10]

طلباء کے تعلقات آپس میں

امام شافعی کا قول ہے کہ "تعلیم یافتہ اور اہل علم حضرات کے درمیان علم ہی قریبی رشتہ ہے"[11] اور ایک ہی استاد کے شاگردوں کے متعلق امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس طرح ایک باپ کی اولاد کو آپس میں محبت اور تعاون کرنا چاہیے اسی طرح ایک استاد کے شاگردوں کو بھی یہی چاہیے ۔[12]

---

۱ - ۲ "الاحیاء" صفحہ ۳۲ - ۳۸ -
۳ - "تذکرۃ السامع" صفحہ ۱۳ -
۴ - ۵ - "تعلیم المتعلم و طریق التعلم" صفحہ ۷ - ۱۰ ، ۱۲ -
۶ - "الادب الکبیر" (ابن المقفع) ، صفحہ ۳ از رسائل البلغاء -
۷ - "تعلیم المتعلم" (الزرنوجی) ، صفحہ ۱۳ -
۸ - "الادب الصغیر" (ابن المقفع) ، صفحہ ۲۲ ، رسائل البلغاء -
۹ - "کشف الظنون" جلد ۱ ، صفحہ ۲۹ -
۱۰ - "تذکرۃ السامع" صفحہ ۸۵ -
۱۱ - "الاحیاء" صفحہ ۳۹ -
۱۲ - "ایضاً ، صفحہ ۳۹ -

Marfat.com

حاجی خلیفہ اور الزرنوجی ہم جاعت کو ''رفیق''[۱] کے نام سے پکارتے ہیں ۔ میرے خیال میں اس کا سبب یہ ہے کہ اس رفاقت میں دونوں کا فائدہ مضمر ہے ۔ الزرنوجی کا مشورہ یہ ہے کہ طالب علم کو ایسا رفیق منتخب کرنا چاہیے جو محنتی ہو، صالح ہو اور اعلیٰ کردار کا مالک ہو ۔[۲]

اس امر کا خیال بھی ضروری ہے کہ طالب علم کو اپنی دولت یا وقار کی بنا پر مغرور نہ ہونا چاہیے اور اگر کوئی اقتدار حاصل ہے تو اس بنا پر اپنے رفیقوں پر دھونس نہ بٹھانا چاہیے اور نہ ان کے جذبات کو ٹھیس لگانا مناسب ہے ۔ طالب علم کو لازم ہے کہ اپنے ہم جاعتوں کے ساتھ سرد مہری کا برتاؤ نہ کرے بلکہ ان کے دل میں گھر پیدا کرے اور اگر کوئی ذرا سی بھی مدد کرے تو اس کا شکر گزار ہونا ضروری ہے۔[۳]

حصول علم میں طلباء کی جد و جہد

عربی اور فارسی لٹریچر میں ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ عربوں نے تلاش علم میں انتہا درجے کا جوش و خروش دکھلایا ہے ۔ یہاں صرف چند مثالیں بطور نمونہ درج کی جاتی ہیں ۔

(۱) الجاحظ نے اپنی تصنیف ''الحیوان'' جلد اول میں صفحہ ۳ سے ۱۲ تک اپنی تمام تصانیف کے نام درج کیے ہیں - ان میں سے ایک کتاب ''فرق مابین النبی و المتنبی'' ہے ۔ ابو بکر ابن الاخشاد نے اس کتاب کا ایک نسخہ حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن ناکامی ہوئی - جب وہ حج کے لیے مکۂ معظمہ گئے تو میدان عرفات میں ایک نقیب اس کام پر مقرر کیا جو تمام میدان میں یہ اعلان کرتا پھرتا تھا کہ ''خدا کی رحمت نازل ہو اس شخص پر جو ہمیں الجاحظ کی کتاب ''فرق مابین النبی و المتنبی'' کی نشان دہی کرے''۔[۴]

(۲) ابن المقفع طلباء کو ہدایت کیا کرتے تھے کہ تحصیل علم میں ہر قسم کی بے آرامی اور سختی کو جھیلنا چاہیے ۔ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اگلے لوگ تحصیل علم کے ایسے شیدائی تھے کہ علم کو محفوظ کرنے کے لیے اگر کچھ نہ ملتا تو پتھر ہی پر کندہ کرا دیا کرتے تھے ۔[۵] یونس ابن حبیب نے ایک دفعہ ایک شخص ابو المحلم کو نظم پڑھتے ہوئے سنا ۔ اس وقت اس کے پاس کوئی چیز نہ تھی جس پر اسے لکھتا ۔ لہٰذا اس نے نظم کو اپنے بازو پر لکھ لیا ۔[۶]

(۳) ابو اسحاق الکزرونی نے بے حد اشتیاق ظاہر کیا کہ محمد ابن اسحاق ابو علی

---

۱ - ''کشف الظنون'' صفحہ ۲۹ -
۲ - الزرنوجی، صفحہ ۱۰ -
۳ - ''تہذیب الاخلاق'' (ابن مسکویہ)، صفحہ ۲۱ -
۴ - ''معجم الادباء'' صفحہ ۲-۷-۳ -
۵ - ''الادب الکبیر''، رسائل البلغاء، صفحہ ۴۰ -
۶ - ''ضحی الاسلام'' (احمد امین) جلد ۲، صفحہ ۳۱۸ -

کے مدرسہ میں داخلہ لے لیکن اس کے والد نے کہا کہ ہم بہت غریب ہیں لہٰذا تمہیں روزی کے لیے کوئی پیشہ اختیار کر لینا چاہیے ۔ لڑکے نے اپنے باپ کے مشورہ کو قبول کر لیا لیکن محنت مزدوری کرنے کے علاوہ علی الصباح حلقۂ درس میں شرکت کرتا اور سورج نکلنے تک وہاں رہتا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک نہایت مشہور و معروف عالم ہوا ۔[1]

(۴) ابراھیم الزجاج (۳۱۶ھ) کی روزانہ آمدنی ڈیڑھ درھم تھی ۔ وہ روزانہ المبرد سے سبق لینے جاتا اور ایک درھم اسے دے دیا کرتا تھا اور یہ ایک درھم کا نذرانہ تعلیم کے ختم کرنے کے بعد بھی تمام عمر جاری رہا ۔[2]

(۵) ابو بکر بن الانباری (۳۲۷ھ) خلیفہ الراضی باللہ کے دربار میں جا رہا تھا ۔ راستے میں بازار غلاماں سے اس کا گزر ہوا ۔ وہاں اسے ایک حسین و جمیل کنیز نظر آئی جس نے اس کا دل موہ لیا ۔ جب وہ خلیفہ کی خدمت میں پہنچا تو اس کنیز کا بھی تذکرہ کیا ۔ خلیفہ نے بغیر اس کی اطلاع اپنے ایک ملازم کو حکم دیا کہ اس کنیز کو خرید کر الانباری کے گھر پہنچا دیا جائے ۔ شام کو جب ابوبکر گھر واپس آیا تو اس وقت اس کا دماغ ایک مسئلے میں الجھا ہوا تھا جسے تلاش کرنا مقصود تھا ۔ لیکن گھر پر اسے کنیز نظر پڑی ۔ جس مسئلے کے حل کی جستجو تھی اس طرف سے دماغ ہٹ کر کنیز کے حسن میں الجھ گیا۔ جب اس نے اصل مقصود سے توجہ کو اس طرح ہٹا ہوا پایا تو فوراً اپنے ملازم کو حکم دیا کہ اس کنیز کو فروخت کر دیا جائے اور کہا ”جب میں ازدیاد علم میں مصروف ہوں تو پھر میرے دل و دماغ میں کوئی اور بات نہیں آنی چاہیے“۔[3]

(۶) شیخ علی ابن عیسیٰ الوالواجی یہ قصہ لکھتے ہیں :

”میں نے ابو الریحان البیرونی سے اس وقت ملاقات کی جب کہ وہ بستر مرگ پر تھے۔ اس وقت انھوں نے مجھ سے ایک قانونی نکتے کی تشریح چاہی ۔ میں نے ان کی حالت زار پر رحم کھا کر کہا ”کیا اس قسم کے سوالات کا یہی وقت رہ گیا ہے ؟“ انھوں نے جواب دیا ”بھلے آدمی اس نکتہ کے نہ جاننے سے بہتر ہے کہ میں مرنے سے پہلے اسے جان لوں اور اس سے واقف ہو جاؤں ۔“[4]

(۷) ھارون رشید کے باڈی گارڈ میں ایک سپاھی الاحمر بھی تھا ۔ اسے علم سے بے حد لگاؤ تھا لیکن اتنا وقت نہ ملتا تھا کہ کسی حلقۂ درس میں شریک ہوسکے ۔ اسی زمانے میں الکسائی محل شاھی کی علمی مجالس میں شرکت کے لیے آتے جاتے تھے ۔ الاحمر کو اپنی علمی پیاس بجھانے کا اس سے بہتر موقع کیا ہو سکتا تھا ۔ حقیقت میں اس نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ۔ جب الکسائی آتے تو وہ فوراً حاضر ہو کر الویر

---

۱ - *Di Vita Des Scheich*، صفحہ ۱۴ ۔

۲ - ”معجم الادباء“ صفحہ ۴۷ ۔

۳ - ایضاً، صفحہ ۷۵ ۔

۴ - ایضاً، صفحہ ۳۰۹ ۔

Marfat.com

سواری سے اتارتا اور سرا پردہ تک ان کے ہمراہ جاتا کیونکہ پردے کے اندر اسے جانے کی ممانعت تھی ۔ جب الکسائی آتے تو پھر وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوجاتا اور جب تک سوار نہ ہو لیتے ساتھ رہتا ۔ اس آنے جانے کے وقت میں وہ الکسائی سے ان تمام مسائل کو سمجھ لیتا تھا جو دوران مطالعہ اس کی سمجھ میں نہیں آتے تھے ۔ اس طرح تعلیم حاصل کرکے الاحمر اپنے زمانے کا بہترین عالم ہوا[۱] اور ایک دن ہارون رشید کے بیٹے امین کا استاد مقرر کیا گیا ۔[۲]

اگر الکسائی اس طرح دلی خوشی کے ساتھ الاحمر کی مدد نہ کرتے تو اس کا سارا جوش و خروش ٹھنڈا ہوگیا ہوتا ۔ حقیقت یہ ہےکہ اگر ایک طرف طلباء میں تحصیل علم کا جوش لازمی ہے تو دوسری طرف اساتذہ میں بھی اسی قسم کا جذبہ ہونا ضروری ہے ۔ بے موقع نہ ہوگا اگر ہم چند مثالیں اساتذہ کی بھی پیش کر دیں ۔

(۱) احمد بن طولون کے دربار میں بکّار بن قتیبہ ایک نہایت نامور عالم تھا ۔ ابن طولون اور الموفق میں جب جھگڑا ہوگیا تو ابن طولون نے بکّار سے کہا کہ خطبے الموفق پر تبرا کہیں ۔ لیکن بکّار نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جیل میں ڈال دیا گیا ۔ جیل میں بکّار نے دو سال گزارے لیکن اس دوران میں بھی درس جاری رکھا ۔ اس کام کے لیے جیل کی دیوار میں ایک سوراخ کر لیا تھا ۔ لوگ باہر جمع ہو جاتے تھے اور وہ اس سوکھے میں سے درس دیا کرتا تھا ۔[۳]

(۲) علامہ ابوالحسن الزیّات اپنے شاگردوں کے حلقے میں بیٹھے تھے کہ ایک خاتون نے آ کر ایک سوال کیا ۔ خاتون جواب سن کر واپس چلی گئی ۔ تھوڑی دیر بعد ہی ابو الحسن کو خیال آیا کہ جواب میں غلطی ہوئی ۔ فوراً اپنی جگہ سے کھڑے ہوگئے اور دوڑتے ہوئے اس خاتون کے پیچھے گئے، یہاں تک کہ اسے راستے میں جا لیا اور غلطی درست کر دی ۔ جب واپس آئے تو شاگردوں کو سارا واقعہ سنایا جس کے لیے وہ بے چین بیٹھے تھے ۔ شاگردوں نے کہا یہ کام تو ہم بھی آپ کی بجائے کر سکتے تھے لیکن انھوں نے جواب دیا ''مجھے تو اس بھاگ دوڑ میں بڑا لطف آیا ۔ علاوہ ازیں غلطی تو میری تھی اور اس کی درستی بھی میرا ہی فرض تھا ۔[۴]''

تحصیل علم کے لیے سفر

اس مضمون کو ہم حدیث نبوی سے شروع کرتے ہیں ۔ حضور سرور کائنات نے فرمایا ہے کہ ''تحصیل علم جسمانی راحت اور آرام طلبی کے ساتھ ناممکن ہے'' ۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ ''جو تحصیل علم کے لیے سفر کرتا ہے تو جب تک

---

۱ - ''معجم الادباء'' صفحہ ۱۰۹ ۔
۲ - ''المقدمہ'' صفحہ ۳۹۹ ۔
۳ - ''رفع الاصر'' (ابن حجر)، صفحہ ۲۶ ۔
۴ - ''المدخل'' صفحہ ۱۰۸ ۔

Marfat.com

واپس نہ آئے گویا راہ خدا میں سفر کرتا ہے اور اس سفر میں جاں بحق ہوجائے وہ شہید ہوتا ہے۔[1]" ان احادیث کے مضامین کا تذکرہ جا بجا کہیں نظم میں اور کہیں نثر میں ہوتا رہا ہے تاکہ یہ بات طلباء کے ذہن نشین رہے کہ اگر علم کی لگن ہے تو سفر اور مصائب سفر یقینی ہیں۔ ایک شاعر اسی مضمون کو اس طرح بیان کرتا ہے: "تحصیل علم آسان کام نہیں ہے۔ اگر شہد لینا ہے تو مکھی کے ڈنک کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"[2] الاصفہانی کا قول ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کر سکتا جب تک اپنے عیش و آرام کو نہ بیچ دے اور اپنے آرام دہ فرنیچر کو چھوڑ دے[3] چنانچہ مسلم طلباء کی ایک کثیر تعداد وطن کو خیر باد کہہ کر تلاش علم میں چاروں طرف پھیل گئی۔ ایک ایسے زمانے میں جب نہ تو آج جیسی جدید سڑکیں تھیں اور سفر نہایت مشکل تھا، نہ باقاعدہ قافلوں کی آمد و رفت تھی، مسلم طلباء کبھی طویل سفر سے نہ ہچکچاتے تھے۔ وسیع اسلامی دنیا ان کی نظر میں ایک ہی ملک تھی۔ اسلامی دنیا میں وہ جہاں بھی گئے خود کو نہ اجنبی تصور کیا اور نہ غیر ملکی۔

اس قسم کی سیاحتوں کا تاریخ وار مطالعہ کرنے سے قبل ہم ابن خلدون سے ایک اقتباس درج کرتے ہیں۔ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ:

"تحصیل علم کے لیے سفر کرنا اور نامور علماء سے ملاقاتیں کرنا طلباء کے لیے ایک لازمی منصوبہ ہونا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی ایک شخص ایسا متبحر عالم نہیں ہو سکتا جو علوم کے متعدد شعبوں سے واقفیت رکھتا ہو یا ایک ہی شعبۂ علم کے تمام مسائل پر عبور رکھتا ہو۔ لہٰذا علم میں وسعت اور عمق حاصل کرنے کے لیے طالب علم کے لیے سفر لازمی ہے اور دوران سفر میں جس قدر زیادہ مشہور علماء سے ملاقات ہوسکے ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ علاوہ ازیں ایک یہ بات بھی ہے کہ اساتذہ کی تعداد بھی ایک طالب علم کی قابلیت کی ضمانت بن جاتی ہے۔ لہٰذا طالب علم کو انتہائی کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے عہد کے زیادہ سے زیاد اساتذہ سے تعلق قایم کرے۔"[4]

مسلمانوں میں قرن اول ہی سے تعلیمی سیاحت شروع ہوگئی تھی۔ پھر جب فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوا تو کثیر علماء نے دارالخلافہ چھوڑ کر مفتوحہ مقامات میں اپنے ثقافتی مرکز قائم کر لیے تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رض نے مدینہ میں، حضرت عبداللہ بن عباس نے مکہ میں، حضرت معاذ بن جبل نے یمن میں، حضرت ابوموسیٰ الاشعری نے بصرہ میں، حضرت عبداللہ بن مسعود نے کوفہ میں، حضرت عبداللہ بن الصامت اور حضرت ابو الدرداء نے شام میں اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے مصر میں مسند درس و ارشاد قائم کی تھی۔

۱۔ "منہاج المتعلم" (غیر مطبوعہ)۔
۲۔ "تذکرۃ السامع و المتکلم" صفحہ ۲۷۔
۳۔ "محاضرات الادباء" صفحہ ۲۸۔
۴۔ "المقدمہ" صفحہ ۳۹۹؛ نیز "کشف الظنون" صفحہ ۲۷۔

Marfat.com

ان صحابہ کرام رض میں سے ہر ایک کی شخصیت اور طرز فکر جدا جدا تھا ۔ مزید براں اکثر احادیث کا علم براہ راست چند صحابہ ہی کو تھا ۔ چونکہ مسلمان احادیث نبوی جمع کرنے کے بے حد شائق تھے لہٰذا اس کا مستند طریقہ یہی تھا کہ براہ راست حدیث ان صحابہ سے سنی جائے جنھوں نے براہ راست خود آنحضرت صلعم سے اسے سنا ہو ۔ اس طرح سفر و سیاحت کی بنیاد پڑی ۔

قرن دوم میں بے شمار مختلف قابلیت کے علماء پیدا ہوگئے ۔ ان کے رجحانات اور خیالات میں بے حد تفاوت تھا اور اس کی بدولت مختلف مراکز علم میں اختلافات وسیع ہوتے گئے ۔ مندرجہ ذیل علماء کے ناموں پر ایک نظر ڈالنے سے قاری کو ہر مرکز تعلیم کے رجحان کا پتہ چل جائے گا ۔ سعید بن المسیب نے مدینہ میں ، ربیعۃالرئی نے قبا میں ، عطاء بن رباح نے مکہ میں ، عطاء بن عبداللہ الخراسانی نے خراسان میں ، حسن البصری نے بصرہ میں ، النخعی نے کوفہ میں ، مکحول نے شام میں ، یحییٰ بن کثیر نے یمامہ میں ، طاؤس نے یمن میں یزید بن ابی حبیب نے مصر میں مراکز قائم کیے تھے ۔[۱]

یہ حالات تھے کہ مسلم طلباء میں احادیث جمع کرنے اور علماء سے ملنے کے لیے سفر کرنے کا شوق پیدا ہوا اور ان کی ہمت افزائی کی گئی ۔ علاوہ ازیں ان طلباء نے بھی سفر کیے جنھیں زبان ، فلسفہ اور طب میں قابلیت پیدا کرنے کا خیال تھا ۔ پروفیسر نکلسن لکھتے ہیں کہ ''یہ علم کے متلاشی تین براعظموں میں گھوم گئے اور اپنے وطن کو اس طرح لوٹے جیسے شہد کی مکھی شہد سے بھری ہوئی اپنے چھتے میں آتی ہے اور علم کی یہ بیش بہا دولت جو وہ جمع کرکے لائے تھے اپنے بے شمار شاگردوں میں تقسیم کر دی اور حیرت انگیز محنت و مشقت برداشت کرکے 'قاموس' جیسی کتابیں تصنیف کر ڈالیں ۔ ان ہی تصانیف سے علوم جدیدہ نے بے حد و بے حساب استفادہ کیا ۔''[۲]

اس قابل تعریف سرگرمی کی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں ۔

جابر بن عبداللہ مدنی نے جب یہ سنا کہ عبداللہ جہانی مصری نے ایک حدیث آنحضرت صلعم سے سنی تھی تو انھوں نے ایک اونٹ خریدا اور ایک ماہ کے سفر کے بعد مصر پہنچ کر جہانی سے ملاقات کی اور وہ حدیث ان سے سنی ۔[۳]

جابر کو تو اونٹ خریدنے کی استطاعت تھی لیکن الخطیب التبریزی کے لڑکے کے پاس تبریز سے معرّہ تک جانے کے لیے سواری کا کرایہ تک نہ تھا جہاں اسے ابوعلی معری سے ایک کتاب پر نظر ثانی کرانے کے لیے جانا ضروری تھا ۔[۴] لیکن پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے اس نے ہمت نہ ہاری ۔ اس نے کتاب تھیلے میں ڈال کر اسے پشت پر لٹکا لیا

---

۱ - ''معجم البلدان'' صفحہ ۲۱۴ ؛ ''حسن المحاضرہ'' صفحہ ۱۳۴ -

۲ - *Literary History of the Arabs* ، صفحہ ۲۸۱ -

۳ - ''حسن المحاضرہ'' صفحہ ۸۸ -

۴ - یہ کتاب ابو منصور الازہری کی تصنیف ''کتاب التہذیب'' کئی جلدوں میں تھی -

Marfat.com

اور پیدل سفر کیا ۔ تھیلا بہت بھاری تھا اور سفر طویل ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ معرّہ پہنچا تو کتابیں پسینے سے پسیج گئی تھیں ۔[۱]

یحییٰ بن یحییٰ اللیثی (متوفی ۲۳۴ھ) ساکن قرطبہ نے علمائے مغرب کے درس سے مستفیض ہونے کے بعد جانب مشرق رخ کیا اور امام مالک رض سے مدینہ میں ، سفیان بن عیینہ سے مکہ میں استفادہ کیا اور اللیث بن سعد ، عبداللہ بن وہب اور عبدالرحمان بن قاسم سے مصر میں مستفیض ہوئے اور پھر اندلس واپس آئے ۔[۲]

امام بخاری کو کون نہیں جانتا کہ انھوں نے حادیث جمع کرنے کے لیے طویل سیاحت کی - انھوں نے خراسان ، الجبال ، العراق ، الحجاز ، شام اور مصر کا سفر اسی مقصد سے کیا ۔[۳]

سہیل بن عبداللہ التستری اپنے وطن اور اپنے اعزاء سے تیرہ سال کی عمر میں جدا ہوگئے تھے۔ ایک مسئلے کا حل مقصود تھا - پہلے بصرہ گئے۔ وہاں قابل اطمینان جواب نہ ملا - پھر آبادان گئےجہاں حمزہ بن ابی عبداللہ نے ان کے سوال کا شافی جواب دیا جس سے یہ نوجوان طالب علم ایسا متاثر ہوا کہ عرصۂ دراز تک استاد کی خدمت میں رہ کر ان کے تبحر علمی سے استفادہ کیا ۔[۴]

متعلم طب حنین بن اسحاق کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا ”میں نے مختلف مقامات کے بارہا سفر کیے یہاں تک کہ میں سلطنت بزنطینی کے سرحدی شہروں تک پہنچ گیا - میرا مقصد ترجمے کے لیے طب کی کتابیں جمع کرنا تھا اور اپنے علم میں اضافہ کرنا ۔“[۵]

جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں کہ متعلمین زبان نے بھی صحرا کا سفر کیا تھا تاکہ بدوی عربوں سے خالص زبان سیکھیں ۔ تپتے ہوئے بے آب و گیاہ ریگستان میں بھی انھوں نے بے حد جوش و خروش ظاہر کیا ۔

ابوالعباس جو الاسمعی کے چچیرے بھائی تھے جب وہ بادیہ میں مقیم تھے تو انھیں وطن کی یاد نے بہت ستایا اور وطن کی واپسی کا ارادہ کر لیا لیکن ان کی ملاقات ایک بدو سے ہوگئی جس نے انھیں ایک نظم سنائی جسے سن کر وہ اس قدر محظوظ ہوئے کہ گھر بار سب بھول گئے ۔[۶]

محمود غزنوی اور مسعود کے عہد میں البیرونی خوارزمی نے ہندوستان کا سفر کیا ۔ ہنود میں رہ کر ان کی زبان ، ان کے علوم ، ان کے فلسفہ اور ادب کا مطالعہ کیا ، ان

---

۱ - ابن خلکان صفحہ ۳۴۶ -
۲ - ایضاً ، صفحہ ۳۲۰ -
۳ - ایضاً ، صفحہ ۶۴۹ -
۴ - ”الاحیاء“ صفحہ ۵۹ -
۵ - ”عیون الانباء“ (ابن ابی اصیبعہ) ، صفحہ ۱۸۷ ؛ ”تاریخ الحکماء“ صفحہ ۱۷۳ -
۶ - ”ضحی الاسلام“ صفحہ ۳۱۸ -

Marfat.com

کے طور طریقے ، رسم و رواج ، ان کے قوانین و آئین ، ان کا مذہب اور ان کی اوہام پرستی کا مشاہدہ کیا ۔ ملک کی جغرافیائی اور طبعی حالت ملاحظہ کی اور اپنے ان تجربات اور مشاہدات کو ایک کتاب کی صورت میں قلمبند کیا اور اپنی اس کتاب میں جا بجا ہومر ، افلاطون اور دیگر یونانی فلاسفہ و مصنفین کے اقوال و اقتباسات سے تنوع پیدا کیا ۔[1]

چوتھی صدی سے سیر و سیاحت کی اہمیت کم ہوگئی ۔ اس کا سبب یہ تھا کہ احادیث کو قلمبند کیا جانے لگا اور طلباء حدیث کی کتابوں پر تکیہ کرنے لگے ۔ انھوں نے راویان حدیث سے ملنا ترک کر دیا ۔[2] پانچویں صدی میں مدارس قائم ہو گئے اور علماء کو ان مدارس میں درس دینے کی دعوت دی گئی ۔ اب سیاحوں کا رخ ان مدارس کی طرف ہوگیا جہاں اساتذہ بھی اعلیٰ درجہ کے تھے اور انتظام بھی بہت عمدہ تھا ۔ چنانچہ آخری علمی سیاح محمد بن اسحاق بن منده (متوفی ۳۵۵ ھ) تھے ۔[3] انھوں نے اس سیاحت میں بہت زیادہ وقت صرف کیا اور سترہ سو اساتذہ سے استفادہ کیا ۔ جب اس سیاحت سے وطن واپس آئے تو ان کی کتابیں چالیس اونٹوں پر لدی ہوئی تھیں ۔[4]

سیاحوں کی ایک قسم اور بھی تھی ۔ وہ طالب علم تو نہ تھے جو اساتذہ کی تلاش میں نکلے ہوں بلکہ خود علماء تھے جو بہ چشم خود مشاہدے کے بعد اپنے تاثرات قلمبند کرنے کی غرض سے سفر کرتے تھے ۔ ان کی دلچسپیاں مختلف تھیں جو سیاحت کا باعث ہوتی تھیں - مثلاً مذہب ، عمرانیات ، جغرافیہ ، نقشہ کشی وغیرہ ۔ ان حضرات نے نہایت مفید کتابیں تصنیف و تالیف کیں جن پر زمانۂ حال کی اکثر تصانیف کی بنیاد ہے ۔ اس قسم کے سیاحین میں سے مشتے نمونہ از خروارے چند نام یہ ہیں : یعقوبی ، اصطخری ، مقدسی ، ابن حوقل ، ناصر خسرو ، ابن جبیر ، اور ابن بطوطہ ۔

ان مسلمان سیاحوں کو ہر جگہ جو سہولتیں اور اعانت مہیا تھی اسے سن کر حیرت ہوتی ہے ۔ ابن بطوطہ کے سفر نامے میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں ۔ چنانچہ یہاں چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں ۔

ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ”جب ہم اقصرہ پہنچے جو شاہ عراق کے زیر نگیں تھا تو وہاں شہزادہ شریف حسین سے ملاقات ہوئی جنھوں نے ہمارا نہایت پرتپاک خیر مقدم کیا اور ایسی خاطر و مدارات کی جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا ۔[5] عراق کے ایک اور شہر سیواس میں ہمیں اخی جلبی نے مدعو کیا ۔ اور لوگ بھی بہ کثرت ہمیں دعوت

---

۱ - *A Short History of the Saracens* ، صفحہ ۳۶۳ ۔

۲ - ”تقیید العلم“ (الخطیب البغدادی)، صفحہ ۱۰۱ ۔

۳ - اس بیان کو پورے طور پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا ۔ ہمارے علم میں ہے کہ اس کے بعد بھی اکثر علماء نے علمی سیاحت کی ۔ مثلاً علی بن عساکر (متوفی ۵۷۱) نے تحصیل علم کے لیے عراق ، مکہ ، مدینہ ، کوفہ ، اصفہان ، الیہودیہ ، مرو ، الشہمن نیشاپور ، ہرات ، سرخس ، ابورد ، طوس ، بسطام ، رے اور زنجان کی سیاحت کی ۔ (”معجم الادباء“ صفحہ ۱۴۰) ۔

۴ - ”تشریح مواہب الدنیہ“ (زرقانی) ، قسطلانی صفحہ ۲۳۰ ۔

۵ - ”تحفة النظار“ صفحہ ۲۸۶ ۔

Marfat.com

دینے آئے لیکن جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ ہمارے قیام کا انتظام اخی جابی نے کیا ہے تو وہ بہت مایوس ہوئے۔ ادھر اخی جلبی خود ہماری میزبانی سے بے حد خوش تھے۔[1] اس صوبے کے حکمران نے ہمیں ایک گھوڑا اور خلعت اور نقد روپیہ نذر کیا۔ علاوہ ازیں مختلف صوبے داروں کو پروانے بھیجے کہ ہمارا خیر مقدم کیا جائے اور ہماری تمام ضروریات پوری کی جائیں۔[2] ارض روم میں ہمارے میزبان ایک شیخ تھے جن کی عمر ایک سو تیس سال سے بھی اوپر تھی لیکن جب ہم کھانا کھانے بیٹھتے تو بذات خود ہمارے لیے چیزیں لا لا کر رکھتے۔ دوسرے دن جب ہم نے آگے سفر کا ارادہ کیا تو شیخ موصوف نے اجازت نہ دی اور فرمایا کہ مہمان کا قیام کم سے کم تین دن ہوا کرتا ہے۔[3] جب ہم برکی پہنچے تو جو شخص ہمیں سب سے پہلے ملا اس سے ہم نے اپنے میزبان کا پتہ دریافت کیا۔ وہ شخص ہمارے ساتھ ہو لیا اور اس نے ظاہر تو یہ کیا کہ ہمیں ہمارے میزبان کے گھر لے جا رہا ہے لیکن اپنے گھر لے گیا اور ہماری خوب خاطر و مدارات کی اور پھر دوسرے دن ہمیں ہمارے میزبان کے گھر پہنچا دیا۔[4]

ہم اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے اس طول طویل نصیحت کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جو امام ابو حنیفہ نے اپنے شاگرد یوسف السمتی کو کی تھی جب کہ وہ تعلیم کی تکمیل کے بعد اپنے وطن بصرہ جا رہے تھے۔ جب وہ امام صاحب سے رخصت ہونے کے لیے گئے تو انھوں نے روک لیا اور کہا ''رخصت کی کیا جلدی ہے؟ میں کسی مناسب وقت تمھیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم کو کیسا رویہ رکھنا چاہیے جس سے علم تمھارا زیور بن جائے نہ کہ عیب اور کس طرح تم ایک عالم کی حیثیت سے عوام میں مقبول ہو نہ کہ غیرمقبول''۔ چنانچہ السمتی نے سفر ملتوی کر دیا۔ پھر امام ابو حنیفہ نے انھیں یہ نصیحت کی: ''میرا خیال ہے تم بصرہ میں بڑے فخر کے ساتھ داخل ہوگے اور تمھارے دل میں یہ خیال ہوگا کہ تم سب لوگوں سے مرتبے میں بلند ہو اور تم یہ بھی توقع کروگے کہ ہر مختلف فیہ مسئلے میں سب لوگ تمھاری رائے پر آمنا و صدقنا کہیں''۔ السمتی نے جواب دیا ''آپ صحیح فرماتے ہیں۔ میرا عمل تو یہی ہوتا''۔ امام صاحب نے فرمایا ''جب تم بصرہ میں داخل ہو گے تو لوگ گرم جوشی سے تمھارا استقبال کریں گے اور تمھاری زیارت کے لیے جمع ہو جائیں گے۔ اس حالت میں تمھیں چاہیے کہ ہر شخص سے اس کے درجے کے مطابق سلوک کرو۔ اہل منصب کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا۔ اہل علم کی عزت کرنا۔ بوڑھوں سے شفقت اور عزت کا برتاؤ کرنا اور نوجوانوں سے خندہ پیشانی اور بے تکلفی سے ملنا جلنا۔ عوام سے رابطہ رکھنا، نیک لوگوں سے دوستی کرنا اور

---

۱ - ''تحفتہ النظار'' جلد ۲، صفحہ ۲۹۰ - ۲۹۲ - ۲۹۵ -
۲ - ایضاً -
۳ - ایضاً -
۴ - ایضاً -

Marfat.com

بر سر اقتدار حکام اور عہدہ داروں سے بے التفاتی نہ کرنا ۔

''سخاوت اور دریا دلی اپنا شعار بنانا کیونکہ بخیل آدمی سے نہ تو کوئی محبت کرتا ہے نہ اس کی عزت ہی ہوتی ہے ۔ جو تم سے ملاقات کو آئے تم بھی باز دید کے لیے جانا ۔ اگر تم سے کوئی سلوک کرے تو اس کا شکریہ ادا کرنا اور دوسرے کی تقصیر معاف کر دینا ۔ اپنے دوستوں سے ہمیشہ ملتے رہنا ۔ بیماروں کی عیادت کرنا ۔ خوش حالی میں لوگوں کو مبارک باد دینا اور بد حالی میں اظہار ہمدردی کرنا ۔

''تعلیم و علم کے بارے میں مشورہ یہ ہے کہ کوئی ایسی بات نہ کہنا جو لوگوں کی سمجھ سے بالا ہو ۔ دوسروں کی رائے کی ترش روئی سے مخالفت نہ کرنا ۔ اختلاف کی صورت میں اگر تمھاری رائے دریافت کی جائے تو اپنی رائے کا اظہار کر دینا اور اپنا علم دوسروں تک پہنچانے میں محتاط رہنا'' ۔[1]

تعلیم نسواں

قرون وسطیٰ میں تعلیم نسواں سے متعلق جس قدر کتابیں مطالعے میں آئیں ان سے یہ نتیجہ نکلا کہ اس عہد کی خاتون کو مشرق اور مغرب دونوں جگہ مرد کے مقابلے میں تعلیم کے بہت مواقع میسر آئے ۔

اسلامی دنیا میں تعلیم نسواں پر بحث کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ چند اقتباسات پیش کریں جن سے اس عہد کے دنیائے عیسائیت میں عورت کے ذہنی معیار کا اندازہ ہو جائے ۔

قرون وسطیٰ کے یورپ میں عورت کی مطلق کوئی وقعت نہ تھی ۔ اس کی وجہ یہ کہ رومن کیتھولک مذہب عورت کو دوم درجے کی مخلوق گردانتا تھا ۔ جیسا کہ وتھ نڈسن (Wieth Knudsen) لکھتا ہے کہ ''قرون وسطیٰ کے لوگوں نے نہایت ہوشیاری سے کام لیا کہ عورت کو مطلق کوئی اختیار نہیں دیا ، کسی طاقت کا تو کیا ذکر ہے ۔ بس اگر کچھ اختیار تھا تو یہ کہ وہ گھر داری کے تنگ دائرے میں پھنسی رہے'' ۔

اسی نقطۂ نظر کو ''انسائکلو پیڈیا آف ایجوکیشن'' میں ذرا تفصیل سے یوں بیان کیا گیا ہے : ''فرانسسکو ڈا باربرینو (Francesco da Barberino) کے نزدیک صرف امیرزادی کو نوشت وخواند سیکھنے کی محض اس وجہ سے اجازت دی گئی تھی کہ وہ بالغ ہو کر اپنی جائداد کی دیکھ بھال کر سکے ۔ جہاں تک دیگر معززین ، اطباء ، ججوں اور دیگر شرفاء کی لڑکیوں کا سوال ہے وہ کافی بحث و مباحثے کے بعد یہ طے کرتا ہے کہ بہتر ہے وہ لکھنا پڑھنا نہ سیکھیں ۔ علاوہ بریں تاجروں اور اہل حرفہ کی لڑکیوں کو تعلیم حاصل کرنے کی قطعی ممانعت تھی''۔[2]

---

۱ - ''وصیت ابو حنیفہ'' (غیر مطبوعہ) استنبول ۔

۲ - ''انسائکلو پیڈیا آف ایجوکیشن'' جلد ۴ ، صفحہ ۱۶۹۰ ۔

Marfat.com

جون لینگڈن ڈیوس (John Langdon Davies) بھی اپنی کتاب ''مختصر تاریخ خواتین'' (*A Short History of Women*) میں طبقۂ امراء کی خواتین کی کچھ ایسی ہی تصویر کھینچتا ہے۔ پہلے وہ یہ سوال کرتا ہے کہ ''عہد شجاعت کی خاتون اپنی محل سرائے میں کس قسم کی زندگی گزارتی تھی؟'' پہلی چیز تو یہ ہے کہ تعلیم میں اسے کچھ شدبد آجاتی تھی۔ غالباً بچپن میں اس کا زیادہ وقت کسی اتالیق کے ساتھ یا کسی اتائی قسم کے مدرسے میں گزرتا تھا جہاں اسے صرف پڑھنا سکھایا جاتا تھا۔ وہ داستانیں اور عشقیہ افسانے پڑھ سکتی تھی جو وہ خانہ بدوش میراثیوں سے خرید لیا کرتی تھی۔ اسی واقعے سے ہم بلا جھجک یہ کہ سکتے ہیں کہ ادنیٰ طبقے کی عورت کو ایسی تعلیم بھی میسر نہ تھی۔

انگلستان میں اواخر قرون وسطیٰ کے متعلق اے۔ ابرام (A. Abram) نے یوں لکھا ہے: ''مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی تعلیم کو کچھ اہمیت حاصل نہ تھی اور معمولی شدبد کے علاوہ ان سے کچھ توقع بھی نہ کی جاتی تھی''۔ لاٹور لینڈری کا نائٹ (The Knight of La Tour-Landry) جو اس مضمون پر مستند استاد مانا جاتا تھا صرف یہ چاہتا تھا کہ اس کی لڑکیاں صرف پڑھنا سیکھ لیں۔ اس کا خیال تھا کہ لڑکیوں کو مدرسے میں صرف اس لیے داخل کیا جائے کہ وہاں دین کی اچھی اچھی باتیں سیکھ لیں اور اس طرح اپنے فرائض اچھی طرح جان لیں اور بری باتوں سے بچی رہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بس اس سے زیادہ وہ ان کی ذہنی تربیت کا خواہش مند نہیں۔ لوگ اپنے وصیت ناموں میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے کچھ رقم نہیں چھوڑتے تھے بلکہ بجائے اس کے شادی کے اخراجات کے لیے وصیت کیا کرتے تھے۔ غالباً اکثر والدین اس سے مطمئن تھے کہ ان کی بیٹی تھوڑی سی ابتدائی تعلیم حاصل کر کے امور خانہ داری میں کافی مہارت رکھتی ہو اور اس میں ایک اچھی بیوی بننے کی صلاحیت ہو۔[1]

یہ تھی قرون وسطیٰ کی یوروپی لڑکی جس کا خاکہ وہاں کے علماء نے کھینچا ہے۔ اب ہم مسلم خاتون کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ہمیں ان مصنفین سے اتفاق نہیں ہے جو یہ کہتے ہیں کہ تعلیم نسواں بھی عام تھی۔ یہ ماننا پڑے گا کہ اکثر خواتین نے تعلیمی سہولتوں سے فائدہ اٹھایا لیکن جہاں تک ہمارا اندازہ ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ خواتین میں تعلیم عام تھی۔ اس میں شک نہیں کہ مردوں کے مقابلہ میں عورتوں میں پڑھی لکھی عورتیں ان پڑھ عورتوں سے بہت کم ہیں۔ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اس کا کیا سبب تھا جب کہ اسلام کے مذہبی نقطۂ نگاہ سے تحصیل علم میں جنس حائل نہ تھی۔ ہمارے خیال میں اس کا سبب وہ مشکلات تھیں جن سے عموماً طلبا کو دو چار ہونا پڑتا تھا۔ تحصیل علم کے لیے سفر قریب قریب لازمی تھا اور اکثر طویل سفر کرنے پڑتے تھے اور طلبا کو مختلف قسم کے مصائب کا سامنا ہوتا تھا۔ عرب خاتون کو ایسی مشکلات سے واسطہ نہ تھا کیونکہ معاشرے میں اس کا ایک مقدس مقام تھا۔ ایسا مقام جس کے متعلق

۱۔ *English Life and Manners in the Later Middle Ages*، صفحہ ۲۱۸۔

Marfat.com

ایک عرب شاعر لکھتا ہے :''یہ فرض تو ہمارا ہے کہ ہم لڑیں اور مرتے دم تک اپنی قوم کی حفاظت کریں اورصنف نازک کو یہ حق نہیں ہے کہ ان کے پرے کے پرے شان و شوکت اور تکلف کے ساتھ خراماں خراماں ادھر ادھر گشت کرتے پھریں ۔'' یہی وجہ تھی کہ مسلمان مردوں کے مقابلے میں خواتین تعلیم میں پس ماندہ تھیں ۔ لیکن ان میں سے ایک کثیر تعداد کو مواقع حاصل ہوئے اور انہوں نے اس عہد کی ثقافت کے ہر شعبے میں نمایاں حصہ لیا ۔

اسلام کے قرن اول سے شروع کریں تو ہمیں البلاذری کا یہ بیان ملتا ہے کہ ابتدائی دور اسلام میں پانچ عرب خواتین ایسی تھیں جو لکھنا پڑھنا جانتی تھیں ۔ ان کے نام یہ ہیں : حفصہ بنت عمر ، ام کلثوم بنت عقبہ ، عائشہ بنت سعد ، کریمہ بنت مقداد اور سب سے بڑھ کر الشفاء بنت عبداللہ عدویہ جنہوں نے حضرت حفصہ کو بھی پڑھایا تھا اور آنحضرت صلعم نے ان سے کہا تھا کہ وہ آنحضرت سے شادی کے بعد بھی حفصہ کو پڑھاتی رہیں۔ ازواج مطہرات میں سے حضرت عایشہ اور حضرت ام سلمیٰ پڑھ سکتی تھیں لیکن انہیں لکھنا نہیں آتا تھا ۔[1]

الشفاء کا حضرت حفصہ کو پڑھانا لڑکیوں کی تعلیم کے لیے ایک مثال قائم ہو گیا ۔ ہمیں کوئی مثال ایسی نہیں ملی کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ لڑکیاں مکاتب میں پڑھتی تھیں یا لڑکے و لڑکیاں ساتھ ساتھ پڑھا کرتے تھے ۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ خواتین کی ایک جماعت آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور درخواست کی کہ ہفتہ میں کم سے کم ایک دن آنحضرت صلعم ان کی تعلیم و تربیت کے لیے بھی مقرر فرمائیں ۔ چنانچہ آنحضرت صلعم باقاعدہ خواتین کو جمع کرکے ان کو تعلیم دیتے اور پند و نصائح فرمایا کرتے تھے ۔ بعض مصنفین نے اس معاملے میں غلطی کی ہے ۔ خلیل طوطہ نے اپنی تصنیف ''التربیت و التعلیم عندالعرب'' کے صفحہ ۶۹ پر بحوالہ الاغانی تین اقتباسات دے ہیں جن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ لڑکیاں لڑکوں کے ساتھ مکتب میں پڑھتی تھیں لیکن یہ اقتباسات اصل ماخذ میں اس طرح نہیں پائے جاتے ۔ الاھوانی اس نقطے پر متضاد بیانات دیتا ہے ۔ پہلے تو وہ یہ لکھتا ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم مکاتب میں ہوتی تھی[2] اور پھر لکھتا ہے کہ لڑکیوں کو گھر پر تعلیم دینے کا دستور تھا ۔[3]

ہم اس بات سے متفق ہیں کہ قرون وسطیٰ میں مسلم لڑکی کو گھر پر ہی تعلیم دی جاتی تھی ۔ یہی خیال ابن سحنون کی تصنیف ''آداب المعلمین'' کے دیباچہ میں ظاہر کیاگیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں : ''اکثر و بیشتر باپ اپنی بیٹی کو پڑھایا کرتا تھا جیسا کہ

---

۱ ۔ ''فتوح البلدان'' (بلاذری) ، صفحہ ۴۵۸ ۔
۲ ۔ ''التعلیم عندالقابسی'' صفحہ ۸۷ ۔
۳ ۔ ایضاً ، صفحہ ۱۶۳ ۔

عیسیٰ بن مسکین (متوفی ۲۷۸ھ) نے کیا جو ظہر کے وقت تک تو اپنے شاگردوں کو درس دیا کرتے تھے اور اس کے بعد اپنی بیٹیوں اور بھتیجیوں ، پوتیوں اور نواسیوں کو قرآن مجید اور دیگر علوم کی تعلیم دیا کرتے تھے ۔[1]

شہرۂ آفاق شاعر الاعشاء اپنی بیٹی کو پڑھایا کرتا تھا ۔ وہ ایسی تربیت یافتہ اور مہذب خاتون ہوئی اور اس نے ایسا ذوق سلیم پایا تھا کہ باپ اپنی تازہ نظموں پر اس کی تنقید و تبصرے پر اعتماد کیا کرتا تھا ۔[2]

بعض حالات میں امراء اور خاندان شاہی کی لڑکیوں کے لیے اتالیق مقرر کیے جاتے تھے ۔[3]

گھر کی چار دیواری میں تعلیم حاصل کرکے بہت سی عورتوں نے اعلیٰ علمی قابلیت حاصل کی خصوصاً فلسفہ و قانون میں بہت نام پیدا کیا ۔

ام المؤمنین حضرت عایشہ انصاری خواتین کی تعریف کیا کرتی تھیں کہ وہ اس مضمون پر عبور حاصل کرنے میں ذرا بھی نہیں ھچکچاتیں ۔[4]

مسلم خاتون نے نہ صرف اسلامی علوم حاصل کیے بلکہ اسلامی کردار اور شرافت میں بھی نام پیدا کیا ۔ اس ضمن میں ہم ایک قصہ بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتے جس سے ایک مسلم خاتون کا اعلیٰ کردار ظاہر ہوتا ہے ۔

۷۳ھ میں الحجاج کی افواج نے حضرت عبداللہ بن زبیر کو شکست دی اور ان کے ساتھیوں نے جن میں بہت سے قبائلی سردار تھے ہتھیار ڈال دیے ۔ مایوسی کی حالت میں حضرت عبداللہ بن زبیر اپنی والدہ حضرت اسماء بنت ابوبکر کے پاس گئے اور اس وقت ان دونوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ یہ ہے :

ابن زبیر : اماں ! میرے ساتھیوں نے میرے ساتھ دغا کی ۔ اب صرف چند آدمی میرے ساتھ ہیں ۔ وہ بھی عنقریب کسی نہ کسی وقت اپنی امداد سے دست کش ہو جائیں گے ۔ اگر میں شکست مان لوں تو دشمن میری شرائط ماننے کے لیے تیار ہے ۔ براہ کرم مجھے مشورہ دیجیے ۔

اسماء : بیٹے ! مجھ سے زیادہ تمھیں اپنے حالات کی خبر ہے ۔ اگر تمھیں یقین ہے کہ تم حق پر ہو اور تم نے بدعت کے خلاف جہاد کیا ہے تو پھر جب تک جان میں جان ہے اسے جاری رکھو اور بنی امیہ کی اطاعت قبول نہ کرو ۔ اگر تمھیں دنیا کی خواہش ہے تو پھر تم سے بد تر کوئی غلام نہیں کہ تم خود کو اور اپنے ساتھیوں کو ایک معمولی چیز کے لیے تباہ کر رہے ہو ۔ ساتھیوں کی کمزوری کے باعث ہتھیار نہ ڈالو کیوں کہ یہ نیکوں کا شیوہ نہیں ہے - یاد رکھو کہ جس مقصد کے لیے تمھارے دوستوں نے جان دی

---

۱ ۔ ''التعلیم عندالقابسی'' صفحہ ۲۲ ۔
۲ ۔ الاغانی ، صفحہ ۱۰۶ ۔
۳ ۔ ''آداب المعلمین'' صفحہ ۲۳ ۔
۴ ۔ البخاری، صفحہ ۳۶ ۔

Marfat.com

ہے تم اسی مقصد کے لیے جہاد جاری رکھو جب تک کہ فتح یا شہادت نصیب نہ ہو۔
عبداللہ : اماں ! مجھے ڈر ہے کہ شامی مجھے پھانسی پر لٹکا دیں گے میری لاش گھسیٹیں گے اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے ۔
اسماء : بیٹے ! بھیڑ جب ذبح ہو جاتی ہے تو کھال کھینچنے سے نہیں ڈرتی ۔[1]
رفتہ رفتہ جوں جوں تہذیب و ثقافت پھیلتی گئی مسلم خواتین ہر قسم کی ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لیتی رہیں ۔ اب ہم ان سطور میں مختصر طور پر یہ دکھائیں گے کہ مسلم خواتین نے مختلف مضامین میں کیسے کیسے کارنامے انجام دیے ۔

دینیات

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خواتین کے دل پسند مضامین حدیث و فقہ تھے ۔ ہمیں کثیر تعداد میں ایسی خواتین ملتی ہیں جنھوں نے محدثین اور فقہاء میں ناموری حاصل کی ۔
ابن حجر نے اپنی تصنیف ''الاصابہ فی تمیز الصحابہ'' میں اسلام کے قرون اولیٰ کی پندرہ سو تینتالیس محدث خواتین کے سوانح حیات جمع کیے ہیں ۔ النووی نے اپنی کتاب ''تہذیب الاسماء'' میں ، الخطیب البغدادی نے ''تاریخ بغداد'' میں اور السخاوی نے ''الضوء الامع'' میں بہت سا حصہ ان خواتین کے حالات کے لیے وقف کیا ہے جنھوں نے علم و فضل میں کمال حاصل کیا ۔
ہم یہاں صرف چند ایسی خواتین کا حال درج کرتے ہیں جنھوں نے دینیات میں کمال حاصل کیا ۔
سب سے زیادہ افضلیت ام المؤمنین حضرت عایشہ کو حاصل ہے ۔ رسول اکرم صلعم نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ اپنی نصف دینی تعلیم کے لیے انھیں حضرت عایشہ پر بھروسہ کرنا چاہیے ۔ ان سے ایک ہزار احادیث مروی ہیں جن کو انھوں نے براہ راست آنحضرت سے سنا ہے ۔[2]
حضرت علی کی اولاد میں نفیسہ ایسی مستند محدث تھیں کہ فسطاط میں امام شافعی ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوا کرتے تھے حالانکہ اس وقت انھیں بھی شہرت اور عروج حاصل تھا ۔[3]
فاطمہ بنت الاقرع ایک مشہور زمانہ عالم و فاضل تھیں اور نہایت اعلیٰ درجہ کی خوش نویس ۔ انھوں نے کثرت سے قابل اساتذہ کے حلقہ ہائے درس میں شرکت کی تھی اور اپنے بے شمار شاگردوں کے علم سے بھی استفادہ کیا تھا ۔[4]
شیخا شہدا ملقب بہ فخر النساء جامع مسجد بغداد میں ایک کثیر مجمع کے سامنے ادب ، خطابت اور مشاعری پر لیکچر دیا کرتی تھیں ۔ وقائع اسلام میں ممتاز علماء کے ساتھ

---

۱ - ''تہذیب تاریخ دمشق'' صفحہ ۴۱۵-۴۱۶ ؛ ابن اثیر ، صفحہ ۱۴۷ -
۲ - ''تہذیب الاسماء'' صفحہ ۸۴۸ -
۳ - ابن خلکان ، صفحہ ۲۵۱ -
۴ - ''الکامل'' صفحہ ۱۰۷ -

Marfat.com

اس خاتون کا بھی نام لیا جاتا ہے ۔[1]

ایک ممتاز خاتون زینب بنت الشعری نے اپنے زمانے کے ناسور علمائے دین سے تعلیم حاصل کرکے سندات حاصل کی تھیں ۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ جب وہ دو سال کا تھا تو ان خاتون نے اسے بھی ایک سند دی تھی ۔ اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ بچوں کی ہمت افزائی اور ان کی سعادت مندی کے لیے اس قسم کی سندیں عطا کی جاتی تھیں تاکہ بچہ اپنی ذاتی محنت و قابلیت سے ایسی سندات حاصل کرنے کی کوشش کرے ۔

سب سے آخر میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ تقریباً پانچ سو طلباء ابوالخیر الاقطع کی دادی عنیدہ کے حلقۂ درس میں شریک ہوا کرتے تھے ۔[2]

ان عالم و فاضل خواتین کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جن کی تعلیم و تربیت کے ممنون احسان بے شمار مرد علماء ہیں ۔

مشہور زمانہ الخطیب البغدادی کریمہ بنت احمد المروزی کے شاگرد تھے ۔ موصوفہ نے انہیں صحیح بخاری کا درس دیا تھا ۔[3]

علی بن عساکر کے اساتذہ میں اسی سے زیادہ خواتین تھیں ۔[4]

غرناطہ کے ابوحیان اپنے اپنے اساتذہ میں تین خواتین کا بھی نام لیتے ہیں یعنی مینہ بنت الملک الکامل ، شامیہ بنت الحافظ اور زینب بنت عبدالطیف لبغدادی ۔[5]

دو ممتار خواتین عایشہ بنت محمد اور زینب بنت کمال الدین نے مشہور زمانہ سیاح ابن بطوطہ کو سندات عطا کی تھیں ۔[6]

ادب

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اکثر خواتین نے شاعری اور خطابت میں نام پیدا کیا ۔ اکثر حالات میں وہ اپنے ہم‌عصر مردوں کے برابر اور بعض حالات میں ان سے بڑھ کر ثابت ہوئیں ۔ یہاں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں :

النضر ابن الحارث ہجرت سے قبل رسول اکرم پر حملے کیا کرتا تھا اور حضور کو تنگ کیا کرتا تھا ۔ جب غزوۂ بدر میں وہ گرفتار ہوا تو اسے قتل کر دیا گیا ۔ اس کی بہن قتیلہ نے ایک درد ناک مرثیہ لکھا جسے سن کر آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ مرثیہ ایسا ہے کہ اگر اس کی زندگی میں سنا جاتا تو ممکن تھا کہ اس مجرم کی معافی کا باعث ہوتا ۔[7]

۱- امیر علی ، *The Spirit of Islam* ، صفحہ ۲۵۵ -

۲- ''کتاب الشکوا'' صفحہ ۵۰ ، ''جرنل ایشیاٹک'' ۱۹۳۰ -

۳- ''معجم الادباء'' صفحہ ۲۴۷ -

۴- ایضاً ، صفحہ ۱۴۰ - النعیمی ، صفحہ ۱۰۱ -

۵- ''نفح الطیب'' (المقری) ، صفحہ ۶۰۷ -

۶- ''تحفۃ النظار'' صفحہ ۲۴۲ -

۷- ابن ہشام ، صفحہ ۱۱۹ -

Marfat.com

الفرزدق کی بیوی کو ادب میں اس قدر درک حاصل تھا کہ خود اس کا شوہر اور شاعری میں اس کا حریف جریر دونوں فیصلہ کے لیے اس کی طرف رجوع کیا کرتے تھے ۔ اس کا فیصلہ یہ تھا کہ اعلیٰ درجے کی نظموں میں دونوں کا پلہ برابر ہے لیکن ادنیٰ درجہ کی نظموں میں جریر کا کلام فرزدق سے بہتر ہے ۔[۱]

صفیہ جو سویل (*Seville*) کی رہنے والی تھی خطابت اور شاعری کی صلاحیتوں میں ممتاز تھی لیکن علاوہ ازیں وہ خوش نویسی میں سب سے سبقت لے گئی تھی ۔ اس کی تحریر کی ہر شخص مدح و ثنا کرتا تھا اور وہ ماہر محررین کے لیے ایک نمونہ تھی ۔[۲]

زینب اور مجیدہ بنات زیاد اعلیٰ درجہ کی شاعر تھیں ۔ علم و فن کے ہر شعبہ میں انھیں کمال حاصل تھا اور دونوں حسین و جمیل بھی تھیں ، دولت مند تھیں ، دل نواز تھیں اور منکسرالمزاج ۔ علم کی محبت انھیں علماء و فضلاء کی جماعت میں لے آئی تھی جن سے وہ نہایت شان و شوکت اور اطمینان سے مساویانہ ملتی جاتی تھیں لیکن خواتین کے طور طریقوں کا لحاظ رکھتی تھیں ۔[۳]

مریم بنت یعقوب انصاری نہایت ممتاز شاعرہ اور ادب کی استاد تھی ۔ اس کا حلقۂ درس عورتوں کے لیے تھا جو اس کے علم سے استفادہ کرنے آیا کرتی تھیں ۔[۴]

بدانیہ نے اپنے استاد ابو المطرف عبد الرحمان سے پڑھا تھا لیکن وہ استاد سے بڑھ گئی ۔ اس نے المبرد کی تصنیف ''الکامل'' اور القالی کی ''النوادر'' پر عبور حاصل کرلیا تھا اور علم عروض میں مسلم استاد تھی ۔[۵]

حفصہ الرکونیہ ساکن غرناطہ اپنی شرافت ، اپنے حسن اور دولت و قابلیت کے باعث مشہور تھی ۔ اس کی شاعری میں محبت کے جذبات بھرے ہوئے تھے جیسا کہ ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے جو یاقوت اور ابن الخطیب نے نقل کیے ہیں ۔ وہ خلیفہ کے محل میں خواتین کی استاد و اتالیق تھی ۔[۶]

ایک بیش قیمت مخطوطہ موسومہ ''نزہت الجلداء فی اخبار النساء'' مصنفہ السیوطی دمشق کے کتب خانہ الظاھریہ میں ہے ۔ اس میں ستائیس خواتین شعراء کے سوانح حیات درج ہیں جن میں سے ہم صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں ۔

تقیہ ام علی بنت ابی الفرج (متوفی ۵۷۷ھ) نہایت قابل خاتون تھی ۔ ایک مرتبہ اس نے صلاح الدین کے بھتیجے تقی الدین عمر کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا جو ساقی نامہ کے طرز پر لکھا گیا تھا ۔ اس میں شاعرہ نے نہایت خوبی سے ایک مجلس مے نوشی کا

۱- ''البیان و التبیین'' صفحہ ۹۲ -

۲- *A Short History of the Seracens* ، صفحہ ۵۶۹ -

۳- ''نفح الطیب'' صفحہ ۱۱۴۲ -

۴- ایضاً ، صفحہ ۱۱۴۳ -

۵- ایضاً ، صفحہ ۱۰۷۸ -

۶- ''ارشاد'' (یاقوت) ، صفحہ ۱۹۹ -

بے کم و کاست نقشہ کھینچا تھا ۔ ساغر و مینا اور دیگر کوائف اس طرح بیان کیے تھے کہ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ شاعر خود ایک عادی مے خوار ہے۔ قصیدہ پڑھ کر تقی الدین نے بالاعلان کہا کہ شاعر کو ضرور مے نوشی کا ذاتی تجربہ ہے ۔ اس خاتون نے ایک رزمیہ قصیدہ لکھ ڈالا جس میں اس نے جنگ کی کل جزئیات نہایت تفصیل سے بیان کی تھیں اور میدان جنگ میں جنگجو بہادروں کا نقشہ کھینچا تھا۔ جب اس نے یہ رزمیہ نظم تقی الدین کو بھیجی تو ایک خط میں لکھا کہ مجھے جتنا تجربہ بزم کا ہے اتنا ہی رزم کا ہے ۔ اس نظم کو پڑھ کر تقی الدین نے اس کے اعلیٰ تخیل کا لوہا مان لیا اور اس کی بے حد تعریف کی ۔

موسیقی و نغمہ

ایچ ۔ جی ۔ فارمر کا قول ہے کہ ''مہد سے لحد تک اور لوری سے مرثیہ تک ایک عرب اور موسیقی لازم و ملزوم ہیں ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی زندگی کے ہر لمحہ کے لیے ایک خاص موسیقی ہے ۔ خوشی و غم میں ، کام کاج میں ، کھیل کود میں ، میدان جنگ اور مراسم مذہبی میں قرون وسطیٰ کے ہر عرب گھرانے میں ایک مغنیہ کا ہونا ایسا ہی لازمی تھا جیسا آج کل ہر گھر میں پیانو'' ۔[۱]

اس بیان سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس دور میں ارباب نشاط کی کتنی تعداد ہوگی ۔ ہم قارئین کی توجہ مشہور زمانۂ کتاب ''الاغانی'' کی طرف مبذول کراتے ہیں جس میں ایسی متعدد لڑکیوں کا حال درج ہے ۔ یہاں ہم اس کتاب سے اور ''نہایت الارب'' اور ''نفح الطیب'' سے چند گانے والی لڑکیوں کے مختصر حالات درج کرتے ہیں ۔

مسلمان مغنیوں کے اولین دور میں جمیلہ کا نام ملتا ہے ۔ اسی سے معبد ابن عایشہ ، حبابہ ، سلامہ ، عقیلہ ، خالدہ اور ربیحہ نے گانا سیکھا ۔ نامور مغنی معبد کو اس بات کا اقرار ہے کہ وہ خود اور اس کے ساتھی جمیلہ ہی کے علم و فن کے پھل ہیں اور بغیر اس کی تعلیم کے وہ ہرگز شہرت حاصل نہ کر سکتے تھے ۔ اس دور میں جب ابن صریح الفرید ، معبد اور دیگر موسیقاروں میں مقابلہ ہوتا تو جمیلہ ہی جج مقرر ہوا کرتی تھی ۔[۲]

دنانیر جو خاندان برامکہ سے متعلق تھی نہایت نامور مغنیہ تھی ۔ علاوہ اس کے کہ اس نے گانے میں شہرت حاصل کر لی تھی وہ اپنے حسن و جمال ، بذلہ سنجی ، اور ادبی واقفیت کے باعث بھی مشہور زمانہ تھی ۔ اصفہانی کا بیان ہے کہ اس نے فن موسیقی پر ایک کتاب بھی لکھی تھی ۔[۳]

خلیفہ مہدی کی بیٹی علیہ ایک مشاق شاعر ، ایک ممتاز مغنیہ اور ایک نامور موسیقار تھی ۔ وہ اور اس کا بھائی ابراہیم دونوں اس فن میں لاثانی تھے اور کہا جاتا ہے

۱- Aronld ، *Legacy of Islam* ، صفحہ ۳۵۸ ۔
۲- الاغانی ، صفحہ ۱۲۴ ؛ ''نہایت الارب'' صفحہ ۹۴ ۔
۳- الاغانی ، صفحہ ۱۳۶ ۔

کہ وہ بھائی پر سبقت لے گئی تھی ۔ نامور مغنیہ غریب اس دن کو اپنی زندگی کا بہترین دن بتاتی ہے جس روز اس نے علیہ کا گانا سنا اور اس کے ساتھ اس کے بھائی نے نوازی کی ۔[۱]

متیم ہاشمیہ جو اسحاق اور اس کے باپ کی شاگرد اپنے حسن و جمال ؛ نغمہ سرائی اور ادبی واقفیت میں مشہور تھی ایک مرتبہ خلیفہ المعتصم کے سامنے گا رہی تھی اور ابراہیم بن مہدی بھی موجود تھا ۔ جب وہ گیت ختم کر چکی تو ابراہیم نے اسی کو دوبارہ گانے کی فرمائش کی لیکن اس نے اپنے آقا سے کہا کہ ابراہیم اس طرح سر سیکھ لے گا ۔ اس لیے اس نے اپنے آقا سے اجازت حاصل کی کہ وہ گیت دوبارہ گایا جائے ۔ کچھ دن بعد یہ ہوا کہ ابراہیم اپنے گھر کو جا رہا تھا متیم وہی گیت اپنے گھر میں گا رہی تھی ۔ ابراہیم چپکے سے کھڑا ہو گیا اور اس نے تمام کا تمام نغمہ یاد کر لیا بعد ازاں دروازہ پر دستک دی اور اکڑ کر کہا کہ میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا ہے ۔[۲]

خدیجہ بنت المامون نہایت اعلیٰ درجہ کی شاعر اور مغنیہ تھی ۔ ایک روز بوقت شب شاریہ نے ایک نہایت عمدہ گیت خلیفہ المتوکل کے سامنے گایا ۔ خلیفہ نہایت خوش ہوا اور اس نے دریافت کیا کہ یہ پیارا گیت تو نے کہاں سے سیکھا۔ اس نے جواب دیا کہ گیت اور لے دونوں خدیجہ بنت المامون کی تخلیق ہیں ۔[۳]

خلیفہ عبدالرحمان ثانی کے محل کا ایک حصہ دارالمدنیات کہلاتا تھا جہاں مدینہ کے تین گویے قلم ، علم اور فضل رہا کرتے تھے۔ ان سب سے فضل اپنے فن میں سب سے ممتاز تھا ۔[۴]

عبیدہ الطمبوریہ کمال حسن صورت و حسن سیرت اور طباعی کی مالک خاتون تھی ۔ وہ نہایت نفاست سے طمبورہ بجایا کرتی تھی اور اسی وجہ سے اس کا یہ لقب پڑ گیا تھا ۔ علاوہ ازیں اس کے گلے میں بڑا لوچ تھا ۔[۵]

طب

خدمت خلق کے دو فرائض جو اس مہذب یافتہ دور میں صلیب احمر کے ادارے انجام دیتے ہیں اکثر اسلامی لڑائیوں میں خواتین اسلام انجام دیا کرتی تھیں ۔ جب فتح خیبر کے لیے اسلامی افواج تیاری کر رہی تھیں آسیہ بنت قیس الغفاریہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں معہ ایک جماعت خواتین حاضر ہوئیں اور افواج کے ساتھ چلنے کی اجازت چاہی تا کہ زخمیوں کی مرہم پٹی کریں اور دیگر ممکن خدمات بجا لائیں ۔ آنحضرت

۱- الاغانی ، صفحہ ۸۳-۹۵ ؛ "نہایت الارب" صفحہ ۲۳۱ ۔
۲- الاغانی ، صفحہ ۳۱-۳۸ ۔
۳- ایضاً ، صفحہ ۱۱۴ ۔
۴- "نفح الطیب" (المقری) صفحہ ۵۷۸ ۔
۵- *A Short History of the Saracens* ، صفحہ ۴۵۵ ۔

Marfat.com

معصم نے اجازت دے دی اور انھوں نے یہ فرائض انجام دے۔[1] الربیع بنت معودہ کے متعلق بھی روایت ھے کہ انھوں نے بیان کیا کہ اسلامی افواج کے ساتھ خواتین بھی رہا کرتی تھیں تاکہ زخمیوں کی دیکھ بھال کریں اور پانی پلائیں اور زخمیوں کو واپس مدینہ پہنچائیں۔[2]

علاوہ ازیں ایسی خواتین کے حالات بھی ملتے ھیں جنھوں نے علمائے طب کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔

قبیلہ بنی اود میں زینب بہت مشہور طبیبہ اور ماہر امراض چشم تھی۔

ام الحسن بنت القاضی ابی جعفر الطنجالی مختلف مضامین میں بہت وسیع علم کی مالک تھی لیکن وہ بہ حیثیت طبیب بہت مشہور تھی۔[3]

الحفیظہ بن زھر کی بہن اور اس کی بیٹی جو المنصور بن ابی عامر کے زمانے میں مشہور تھیں بہت اچھی طبیب تھیں اور امراض نسوانی میں ماھرین خصوصی میں سے تھیں اور محل شاھی کی خواتین کے علاج معالجہ کے لیے ان ھی کو بلایا جاتا تھا۔[4]

فوجی خدمت

اسلام نے بہت سی ایسی خواتین پیدا کی ھیں جنھوں نے عسکریت میں نام پیدا کیا ھے۔ تاریخ میں ھمیں نصیبہ زوجہ زید ابن عاصم کا حال ملتا ھے جس نے غزوہ احد میں حصہ لیا تھا۔ جب غنیم نے ایک ساتھ ھلہ بولا تو اس نے اس حملہ کو روکا اور اپنی تلوار سے گیارہ اشخاص کو زخمی کیا۔[5]

جنگ یرموک میں مسلم خواتین بڑی بے جگری سے لڑیں۔ ھند بنت عتبہ بار بار دیگر خواتین کو تلقین کرتی تھی کہ اپنی تلواروں سے مردوں کی مدد کریں[6] اسی جنگ میں جب گھمسان کا رن پڑا تو جویریہ بنت ابی سفیان اپنے شوہر کے ساتھ شانہ بہ شانہ لڑتی ھوئی نظر آئی۔[7]

جنگ صفین میں ایک "سرخ اونٹ" بہت نمایاں تھا۔ اس پر الزرقاء بنت عدی سوار تھی۔ اس کی مستعدی اور جوشیلی تقریر پیروان علی رض کی ھمت افزائی اور جنگ کے نتائج پر بے حد اثر انداز ھوئی[8] ایک دوسری خاتون عکرشہ بنت الاطرش نے بھی اس جنگ میں حصہ لیا۔ میدان جنگ میں سامان حرب اٹھائے ھوئے اسے نہایت جوش و خروش سے

۱۔ "المرأۃ العربیہ" (عبداللہ عفیفی) صفحہ ۳۴-۳۶۔
۲۔ "الاصابہ" (ابن حجر) صفحہ ۵۷۵۔
۳۔ "لاحاطہ فی اخبار غرناطہ" (ابن الخطیب)، صفحہ ۲۶۵-۲۶۶
۴۔ "طبقات الاطباء" (ابن ابی اصیبعہ) صفحہ ..۔
۵۔ *The Arab Woman*، صفحہ ۲۵۔
۶۔ "فتوح البلدان" (بلاذری)، صفحہ ۱۴۱۔
۷۔ الطبری، صفحہ ۲۱۰۰-۲۱۰۱۔
۸۔ "العقد الفرید" (ابن عبدربہ)، صفحہ ۲۱۳۔

Marfat.com

جاتے ہوئے دیکھا گیا ۔۱

عہد منصور میں ہمیں دو شہزادیوں کے حالات ملتے ہیں جن کے نام ام عیسیٰ اور لبابہ تھے ۔ یہ دونوں لباس حرب میں ملبوس اسلامی افواج کے ساتھ بازنطینی علاقہ کی طرف مارچ کر رہی تھیں ۔

دیگر سرگرمیاں

ملکہ زبیدہ نہایت مہذب اور شایستہ خاتون تھی لیکن یہاں ہم اس کا تذکرہ بطور ایک مصلح معاشرت کریں گے جب اس نے ۱۸۶ھ میں حج کا فریضہ ادا کیا تو اسے معلوم ہوا کہ مکہ والوں کو پانی کی قلت کے باعث سخت تکالیف ہیں لہذا اس نے اپنے صرف خاص سے ایک نہر کھدوائی جو آج بھی موجود ہے ۔ اس نے دیکھا کہ اخراجات کثیر کے باعث خزانچی کو کچھ ہچکچاہٹ ہے تو حکم دیا کہ کام فوراً شروع کر دیا جائے خواہ کدال کی ایک ضرب پر ایک دینار صرف ہو غرض اخراجات ساڑھے دس لاکھ دینار سے زائد ہوئے جو سب کے سب ملکہ نے اپنے صرف خاص سے ادا کیے ۔۳

ایک اور خاتون لبانہ نامی ساکن قرطبہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ خلیفہ الحکم کی معتمد ذاتی تھی اور یہ عہدہ اس وقت تک کسی اور عورت کو نہ ملا تھا ۔۴

ایک کنیز ہارون رشید کی خدمت میں پیش کی گئی جس کی قیمت دس ہزار دینا تھی ۔ خلیفہ نے قیمت منظور کر لی مگر اس شرط پر کہ کنیز کا امتحان لیا جائے ۔ چنانچہ نہایت مشہور علمائے دینیات ، فقہ ، تفسیر ، طب ، فلکیات ، فلسفہ ، خطابت اور شطرنج نے یکے بعد دیگرے اس کا امتحان لیا اور ہر مرتبہ اس نے نہ صرف یہ کہ ہر سوال کا جواب اطمینان بخش دیا بلکہ ان میں سے ہر ایک عالم سے اس نے خود ایک سوال کیا جس کا وہ جواب نہ دے سکے ۔

---

۱ - ''العقدالفرید'' (ابن عبدربہ) ، صفحہ ۲۱۵ ۔
۲ - ''الکامل'' (ابن الاثیر) ، صفحہ ۳۷۲ ۔
۳ - ''حضارت الاسلام فی دارالسلام'' (جمیل نخلہ) ، صفحہ ۹۷ ۔
۴ - ''اسلامک سولزیشن'' (خدا بخش) ، صفحہ ۲۹۵ ۔

Marfat.com

باب پنجم

موسسین ، اوقاف ، تنظیم

(۱) مؤسسین

قرون وسطیٰ کے اسلامی عہد میں سب سے زیادہ نمایاں شخصیتیں جنھوں نے علم کی سرپرستی کی اور درسگاہیں قائم کیں وہ مامون ، نظام الملک ، نورالدین اور صلاح الدین تھے علمی اور تعلیمی میدان میں ان حضرات نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں ان کا تذکرہ جا بہ جا اس کتاب میں آیا ہے - یہاں مختصر طور پر ان علمی سرگرمیوں کو بیان کیا جائے گا جن کی سر پرستی مامون ، نورالدین اور صلاح الدین نے کی اور اس کے بعد نظام الملک کی مختصر سوانحعمری درج کی جائے گی -

المامون متوفی ۲۱۸ھ

به قول خدا بخش ''جہاں تک کہ ادبی سر گرمیوں کا تعلق ہے مامون کا عہد اسلام کا نہایت درخشاں دور ہے یہ بات بالکل حقیقت پر مبنی ہے کہ اسلامی ممالک کی تمام تحریکوں کی ابتدا عہد مامون سے ہوتی ہے'' -۱

مسلمانوں کا سب سے پہلا تعلیمی ادارہ بیت الحکمت تھا جس کی مامون نے بے انتہا امداد کی اور فیاضی سے اس کے لیے جائیدادیں وقف کیں - اسی ادارہ کی بدولت عربی زبان و ادب کے خزانے میں فارسی و یونانی کتابوں کے تراجم کا اضافہ ہوا - قرون وسطیٰ میں جو کچھ بھی ثقافتی ترقی ہوئی اور یونان کا جو کچھ بھی علمی سرمایہ ہم تک پہنچا اس سب کے لیے ہم اسی ادارہ کے ممنون ہیں -

نورالدین متوفی ۵۶۹ھ

سلجوقی سلطنت کے زوال کے بعد شام میں نورالدین کی بادشاہت سب سے مستحکم تھی - نورالدین کی تعلیمی سر گرمیاں ایسی ہی تھیں جیسی اس کی سیاسی اور جنگی قابلیت تھی - نورالدین ہی پہلا شخص تھا جس نے دمشق اور شام کے دیگر شہروں میں مدارس

---

۱ - ''اسلامک سولزیشن'' صفحہ ۳۷۶ -

قائم کیے ۔ بہ قول ابو شامہ نورالدین نے ملک کو متعدد مدارس تحفے میں دیے ۔ اور اسی کی بدولت ملک شام جسے اہل علم چھوڑ کر چلے گئے تھے ۔ دوبارہ علماء کا مرکز بن گیا ۔[۱]

صلاح الدین متوفی ۵۸۹ ھ

سب سے پہلے صلاح الدین ہی نے مصر میں باقاعدہ مدارس جاری کیے ۔[۲] الصلاحیہ کے متعلق ابن جبیر کا بیان ہے کہ صلاح الدین نے اس درگاہ کی تمام ضروریات نہایت دریا دلی سے پوری کیں اور حکم دیا کہ درس گاہ کی نگہداشت اور تزئین کے لیے دل کھول کر روپیہ صرف کیا جائے ۔[۳] مصر اور شام دونوں ملکوں میں علم کی ترویج کے لیے نہ تو اس نے روپیے پیسے کی پروا کی اور نہ مشکلات کو گردانا ۔[۴] چنانچہ صلاح الدین کے عہد میں تعلیم کو اولیت حاصل رہی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف اقوام کے اہل علم وہاں جمع ہوگئے جہاں وہ اس کی سرپرستی اور دریا دلی سے بہرہ اندوز ہوتے تھے ۔ عبداللطیف البغدادی کہتے ہیں کہ جب وہ دمشق پہنچے تو وہاں ان کی ملاقات بے شمار مشہور افراد سے ہوئی جو بغداد اور دیگر بلا سے صلاح الدین کی عنایات بے پایاں کی بدولت آکر وہاں جمع ہو گئے تھے ۔[۵]

نظام الملک متوفی ۴۸۵ ھ

نظام الملک کے متعلق دو نہایت اہم سوالات میرے دماغ میں ہیں جنھوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس کی شخصیت پر تفصیلی روشنی ڈالوں ۔ ان دونوں سوالات کے جوابات سے نظام الملک کی علمی سر پرستی پر کافی روشنی پڑے گی ۔

(۱) اسلامی دنیا میں مدارس کا سب سے پہلا بانی کون تھا ؟

یہ امر متنازعہ فیہ ہے ۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ اسلامی دنیا میں نظام الملک ہی سب سے پہلا شخص ہے جس نے مدارس کی بنیاد ڈالی اور اس کے بعد دوسروں نے اس کی پیروی کی ۔[۶] السبکی اور المقریزی کہتے ہیں کہ نظام الملک سے بھی پہلے نیشاپور میں چار مدارس قائم ہو چکے تھے ۔[۷] السبکی ان دونوں بیانات کو ہم آہنگ کرنے کی غرض سے فرماتے ہیں کہ مدرسہ نظامیہ ہی میں سب سے پہلی مرتبہ طلباء کے لیے وظائف کا باقاعدہ

---

۱ - ''الروضتین'' صفحہ ۱۴ -
۲ - ''الخطط'' صفحہ ۳۶۳ -
۳ - ''الرحلہ'' (ابن جبیر) ، صفحہ ۴۸ ؛ ''قاہرہ'' (لین پول)' صفحہ ۱۸۴ -
۴ - 'ابن جبیر' صفحہ ۵۲ -
۵ - الافادہ والاعتبار'' صفحہ ۱۶ -
۶ - ''وفیات الاعیان'' صفحہ ۲۰۲ -
۷ - ''طبقات الشافعیہ'' صفحہ ۱۳۷ -

Marfat.com

انتظام کیا گیا[1] لیکن ہم اسے ماننے کو تیار نہیں کہ نظام الملک ہی پہلا شخص تھا جس نے طلبا کے لیے باقاعدہ وظائف کا انتظام کیا ۔ کیوں کہ فاطمی خلیفہ العزیزباللہ نے نظام الملک کے عہد سے ایک صدی قبل ایسا ہی انتظام کیا تھا ۔[2] علاوہ بریں مدارس کا قیام اس بات پر منحصر نہیں ہے کہ طلبا کو باقاعدہ بہ طور تنخواہ وظیفہ دیا جائے ۔ اگر ابن خلدون کا یہ مطلب ہوتا کہ نظام الملک مدارس کا سب سے پہلا بانی نہ تھا بلکہ پہلا شخص تھا جس نے باقاعدہ تنخواہ مقرر کی تو وہ اس واقعہ کو اسی طرح بیان کرتا ۔ ابن خلدون کی طرح ہمارا بھی یہی خیال ہے کہ صحیح معنی میں مدارس کا سب سے پہلا بانی نظام الملک ہی ہے ۔ اس سے قبل جو مساعی کی گئیں وہ محدود تھیں اور دیر پا بھی نہ تھیں اور ان کا پتہ نیشا پور کے مدارس سے پہلے زمانے میں بھی لگایا جا سکتا ہے ۔

نظام الملک سے جو چیز منسوب کی جاتی ہے وہ در اصل وہ تحریک ہے جو ختم نہیں ہوئی اور عامتہ المسلمین کے لیے ایک طریقہ تعلیم وضع کیا گیا اور اسلامی دنیا کے طول و عرض میں مدارس کا جال پھیلا دیا گیا اور اس کار نمایاں میں کوئی شخص بھی نظام الملک سے سبقت لے جانے کا دعویٰ نہیں کر سکتا ۔

(۲) مدارس نظامیہ کا نام وزیر کے نام پر کیوں ہے اور سلطان کے نام پر کیوں نہیں ہے ؟

اس عالی مرتبہ وزیر کی مختصر سوانحعمری سے اس سوال کا جواب مل جائے گا ۔ اور اس سے ظاہر ہو گا کہ اس کے سلاطین بھی اس کے سامنے ماند پڑگئے تھے ۔ نظام الملک کی حیات کے لیے ہمارے پاس متعدد ماخذ ہیں ان میں سب سے اہم السبکی کے وہ گیار صفحات ہیں جن کا اسلوب نہایت اعالی درجہ کا خطیبانہ ہے اور السبکی نظام الملک کو دنیائے اسلام کا سب سے بڑا مصلح اور سب سے بڑی شخصیت کہتا ہے ۔[3]

نظام الملک بروز جمعہ ۲۱ ذی قعدہ ۴۰۸ ھ (۱۰ اپریل ۱۰۱۸ ع) صوبہ طوس کے شہر نوقان میں پیدا ہوا تھا ہمیں اس کے بچپن کے حالات سے کوئی دلچسپی نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی ابتدائی زندگی کا کوئی قابل اعتماد حال بھی معلوم نہیں ۔ ایسے خود ساختہ انسان کی ابتدائی زندگی کے حالات بعد ہی میں لکھے جاتے ہیں اور ان پر اس کی شان و شوکت کا اثر انداز ہونا ضروری ہے ۔

نظام الملک نے تقریباً ۴۳۴ ھ میں خاندان سلجوق کی ملازمت اختیار کی ۔ اس کی ذاتی قابلیت اور خلوص نے اسے اس مرتبہ پر پہنچا دیا کہ اس کے تمام حریف ماند پڑ گئے طغرل بیگ نے اپنے بھتیجے الپ ارسلان سے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا تھا کہ ''اسے اپنے باپ کے برابر سمجھنا اور اس کی نصیحت پر عمل کرنا''[4] طغرل بیگ کی وفات (۴۵۵ھ)

---

۱ - ''طبقات الشافعیہ'' صفحہ ۱۳۷ -
۲ - ''الخطط'' صفحہ ۳۴۱ -
۳ - ''طبقات الشافعیہ الکبریٰ'' صفحہ ۱۳۵ -
۴ - ابن خلکان ، صفحہ ۲۰۲

Marfat.com

کے بعد نظام الملک نے الپ ارسلان کی تخت نشینی کے لیے بے حد کوشش کی حالانکہ طغرل بیگ نے اپنی وصیت میں الپ ارسلان کے بھائی سلیمان کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا[1] الپ ارسلان نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے چچا کے وزیر الکندری کو معزول کر دیا کیونکہ اس نے سلیمان کے لیے کوشش کی تھی۔[2] اب دربار میں سب سے زیادہ مختار شخصیت نظام الملک ہی کی تھی۔ اس نے الکندری کا قلمدان وزارت سنبھال لیا تھا اور نہایت جوش اور قابلیت کے ساتھ کام شروع کر دیا تھا وہ نہ صرف ایک قابل مدبر تھا بلکہ اعلیٰ درجہ کا سپاہی بھی تھا قریب قریب تمام فوجی مہمات میں وہ الپ ارسلان کے ساتھ رہتا تھا نوجوان شہزادہ ملک شاہ کے ساتھ میدان جنگ میں دشمن سے لڑتا رہا یہاں تک کہ دشمن کے بہت سے قلعے تسخیر کر لیے۔[3] اور اکثر لڑائیوں میں اس نے تن تنہا فوج کی کمان کی۔

جب ٤٦٥ھ میں الپ ارسلان قتل کر دیا گیا تو اس وقت بھی نظام الملک نے اٹھارہ سالہ ملک شاہ کے لیے تخت و تاج حاصل کرنے میں بڑا زبردست کام کیا۔[4] اس مقصد کے حصول کے لیے نظام الملک نے بہت سے دشمنوں سے جنگ کی اور بہت سی بغاوتیں دبائیں جن میں سے بعض کے سر براہ شاہی خاندان کے افراد تھے۔[5] بہت سے معاملات میں نظام الملک کی دانش مندی سے مشکلات رفع ہو گئیں اور امن و امان قائم ہو گیا۔[6]

جب امن و امان قائم ہو گیا تو نظام الملک کو سلطنت کے تمام امور میں آزادی سے اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کا موقع ملا یہاں تک کہ سلطان سے بھی مشورہ کی ضرورت نہ رہی ملک شاہ نے وزیر کے ساتھ مخلص رہنے کی قسم کھائی تھی اور وہ علی الاعلان اسے اپنا باپ کہتا تھا اور ''اتابک'' کا خطاب عطا کیا تھا یہ وہ خطاب تھا جو پہلی مرتبہ وزیر کے لیے استعمال کیا گیا جس کے معنی ہیں ''شاہ باپ''۔[7]

سلطنت کا اصلی حکمران نظام الملک ہی تھا۔ اور اس کی وزارت حقیقت میں سلطنت سے بھی بڑھ گئی تھی۔ سلطان بس اپنے خطاب سے خوش تھا اور اپنا سارا وقت عیش و عشرت میں صرف کرتا تھا۔[8]

سچ یہ ہے کہ نظام الملک نہایت قابل تھا اور کوئی شخص اس کے اقتدار و اختیار پر انگشت نمائی کرنے والا نہ تھا۔ اپنی وزارت کے ابتدائی دور میں وہ اکثر کامیاب مہمات و فتوحات میں مصروف رہا بعد ازاں اندرون ملک کے معاملات کی طرف متوجہ

---

۱ - ''الکامل'' (ابن الاثیر) صفحہ ۱۸-۱۹؛ ابن خلکان، صفحہ ٦٦ - ٦٧ -
۲ - ''الکامل'' صفحہ ۱۸-۱۹ - بعد ازاں اس وزیر کو قتل کر دیا گیا -
۳ - ایضاً، صفحہ ۲۵ -
٤ - ''المنتظم''(ابن الجوزی)، صفحہ ٦٥ -
۵ - ابن الاثیر، صفحہ ۲۵ -
٦ - ابن خلکان، صفحہ ۱۸۱ -
۷ - ابن الاثیر، صفحہ ٤۵ -
۸ - ''طبقات الشافعیۃ الکبریٰ'' صفحہ ۱۳۹ -

Marfat.com

ہو کر اس نے غیر منصفانہ ٹیکس منسوخ کر دیے فرقہ وارانہ جھگڑے طے کیے[1] اور رعایا کے ساتھ وہ نہایت لطف و کرم کا برتاؤ کرتا تھا ۔[2]

علاوہ سیاسی سوجھ بوجھ کے وہ نہایت اعلیٰ علمی قابلیت کا بھی مالک تھا وہ علمی سر پرستی ہی نہ کرتا تھا بلکہ خود بھی عالم تھا ۔ اس نے اصفہان ۔ نیشا پور اور بغداد کے نامور علما سے تعلیم حاصل کی تھی[3] اس نے متعدد مضامین کی تکمیل کی تھی اور علم حدیث میں اسے ماہر کا درجہ حاصل تھا ۔ بغداد میں خراسان میں اور اکثر دیگر شہروں میں وہ بڑے بڑے مجامع میں احادیث کا درس دیا کرتا تھا اور اس عہد کے بڑے بڑے علما اس کے حلقہ درس میں شریک ہوا کرتے تھے[4] نامور علمائے دینیات امام الحرمین اور ابوالقاسم القشیری جو فرقہ وارانہ ظلم و تعدی کے باعث جلاوطن کر دیے گئے تھے نظام الملک ہی کی بدولت وطن واپس آئے اور اپنے علمی کام میں مصروف ہو گئے[5] باقاعدہ مدارس قائم کرنے کی ابتدا نظام الملک ہی نے کی ان کے لیے اوقات قائم کیے اور کتب خانوں میں مفید و کارآمد کتابیں جمع کیں ۔ اساتذہ کی بڑی معقول تنخواہیں مقرر کیں اور تمام طلبہ کے لیے وظائف کا انتظام کیا[6] پس یہ حقیقت ہے کہ علمی سرگرمیوں کا دوبارہ زندہ ہونا اسی کی تدابیر اور ہمت افزائی کا مرہون منت ہے ۔

جب اسی کے کارہائے خیر میں سے مدارس کا قیام بھی ہے تو پھر مدارس اگر اس کے نام سے منسوب کیے گئے تو کوئی بے جا بات نہیں ۔ علاوہ ازیں جب ان مدارس کو ایک ایسے شخص سے منسوب کیا گیا تھا جو سلطنت میں سب سے اعلیٰ عہدہ پر متمکن تھا تو یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ نظام الملک کی وزارت کے سامنے سلطان کی سلطنت ماند پڑ گئی تھی ۔[7]

کسی معاملہ میں اختلاف پیدا ہو گیا تو ملک شاہ نے یہ دھمکی دی کہ وہ نظام الملک کی میز پر سے دوات اٹھوا دے گا جو اس کے عزل کی علامت ہوگی اس پر نظام الملک نے فوراً جواب دیا کہ اگر میری دوات میری میز سے اٹھوا دی جائے گی تو سلطان کا تاج بھی اس کے سر پر نہ رہے گا[8] اور اس نے سلطان کو جتلا دیا کہ اسی کی کوششوں سے اسے تخت و تاج نصیب ہوا تھا[9] اس درشت جواب سے سلطان کے

---

۱ - ''الکامل'' صفحہ ۱۴۱ -
۲ - ابن الاثیر' صفحہ ۵۴ -
۳ - ''طبقات الشافعیہ'' صفحہ ۱۴۰ -
۴ - ایضاً ، صفحہ ۱۴۱ -
۵ - ابن الاثیر ، صفحہ ۱۴۱ -
۶ - ابن خلکان ، صفحہ ۳۲۰ -
۷ - السبکی ، صفحہ ۱۳۹ -
۸ - ''المنتظم'' (ابن الجوزی) ، صفحہ ۶۷ -
۹ - ابن الاثیر ، صفحہ ۱۳۸ -

Marfat.com

دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور اس نے ۱۰ رمضان ۴۸۵ھ کو اسے قتل کرا کر اپنا راستہ صاف کر لیا[1] لیکن سلطان بھی اپنے اس وفادار اور قابل اعتماد وزیر کے بعد زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکا بلکہ اگلے مہینہ کے وسط میں اس کا انتقال ہو گیا۔ ان اموات نے ملک میں بدنظمی پھیلا دی اور نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت ہی ختم ہو گئی اور پہلی جنگ صلیبی میں بھی بڑی زبردست شکست اسی باعث ہوئی۔

(۲) اوقاف

مامون رشید کے عہد تک تعلیم کے اعلیٰ مقاصد کے لیے کوئی خاص ادارہ تعمیر نہیں ہوا تھا۔ تعلیم کا انتظام یا تو ان مقامات پر تھا جہاں کتابیں فروخت ہوا کرتی تھیں یا عبادت گاہوں میں۔ لیکن جب تعلیم کی غرض سے کوئی عمارت تعمیر کی جاتی تھی تو اس کی کفالت کے لیے سیر حاصل فیاضانہ اوقاف مقرر کیے جانے لگے۔ جہاں تک ہمیں علم ہے اس قسم کا سب سے پہلا ادارہ ''بیت العلم'' تھا۔ مامون رشید یہ نہیں چاہتا تھا کہ علم کی ترویج و ترقی کا انحصار انفرادی طور پر خلفاء یا امرائے دربار کی ہنگامی فیاضی و سخاوت پر ہو۔ اس کے دل میں علم و فضل کا سچا احترام تھا اس لیے اس نے اس کی ترقی و کفالت کے لیے مستقل اوقاف قائم کر کے تعلیم کو ہنگامی عطیات سے بے نیاز کر دیا[2] علم کے تمام سرپرستوں نے مامون رشید کے اس نظریے کو اپنا لیا تھا کہ جب کوئی مدرسہ قائم کیا جائے اس کے ساتھ اخراجات کے لیے اوقاف بھی قائم کیے جائیں۔ علاوہ ازیں جب کوئی مسجد تعلیم کے لیے مخصوص کر دی جاتی تھی تو اس کے لیے بھی جائداد وقف کر دی جاتی تھی حتیٰ کہ مسجد کے گوشوں کے لیے بھی جدا جدا اوقاف قائم کیے جاتے تھے یہاں مختصراً اوقاف کا جائزہ لیا جائے گا۔

نظام الملک

معلوم ہوتا ہے کہ جو مصائب مدرسہ نظامیہ پر نازل ہوئے اور صفحہ ہستی سے اس کے مٹ جانے کا باعث ہوئے ان ہی مصائب کی بدولت اس کے اوقاف کی دستاویزات وحسابات بھی مٹ گئے۔ دیگر مدارس کے اوقاف کی تفصیلات حاصل کرنے میں تو ہمیں کامیابی ہوئی لیکن باوجود بے انتہا کوشش کے مدرسہ نظامیہ کے اوقاف کی تفصیلات حاصل نہ ہو سکیں بہرحال جو کچھ مسالہ مل سکا وہ ان بیش بہا اوقاف کی تصویر پیش کر دے گا۔

ابن الجوزی کا بیان ہے کہ ۲٦ جمادی الثانی ۴٦۲ھ کو (نظامیہ بغداد کے جاری ہونے کے تین سال بعد) رؤسا و امرا و حکام اور اعلیٰ طبقہ کے دیگر افراد کو مدرسہ میں مدعو کیا گیا اور سب کے رو برو وقف نامہ بغرض توثیق پڑھا گیا۔ ابن الجوزی آگے چل کر لکھتا ہے کہ اس وقف نامہ میں کچھ املاک جاگیریں اور گرد و نواح کے بازار

۱ - ابن الاثیر، صفحہ ۱۳۹ -

۲ - *A Short History of the Saracens*، صفحہ ۲۷۳ -

درج تھے -[1]

ابو شامہ نے اپنی تصنیف الروضتین میں لکھا ہے کہ جب نظام الملک نے وہ مشہور درس گاہیں جو اس کے نام سے منسوب ہیں تعمیر کرائیں تو ان کے اخراجات کے لیے کافی و وافی وقف قائم کیا - مزید براں ابن جبیر کا بیان ہے کہ اس کے دور میں بغداد میں تیس مدرسے تھے اور ہر ایک کی عمارت خوش حالی اور خوب صورتی میں محلات سے بڑھ کر تھی لیکن مدرسہ نظامیہ سب سے عمدہ تھا - ان تمام مدارس کے اخراجات کے لیے وسیع اراضی اور جائیداد وقف تھی -[2]

محمد عبدہ فرماتے ہیں کہ نظامیہ بغداد کے اوقاف کی سالانہ آمدنی پندرہ ہزار دینار تھی-[3] الالوسی کا بیان ہے کہ یہ اس کثیر آمدنی کا باعث تھا کہ طالبان علم کو حصول علم کے مواقع حاصل تھے کیوں کہ ان کے قیام و طعام اور کپڑے اور سواری تک کے لیے مفت انتظام تھا - ان سہولتوں ہی کی وجہ سے اس درس گاہ نے ایک کثیر تعداد متبحر علما و فضلا کی پیدا کی -

نورالدین

ہم نے جہاں نورالدین کے مدرسہ النوریہ الکبریٰ کا حال درج کیا ہے وہیں مدرسہ کے اوقاف کا بھی مستند حال لکھا ہے اسی سے مدرسے کے اخراجات پورے ہوتے تھے اور مدرسین کو تنخواہیں اور طلبا کو وظائف دیے جاتے تھے - یہاں ہم ایک اور مثال پیش کرتے ہیں جس سے اس پرستار علم کی فیاضی کا پتہ چلتا ہے - ابن جبیر کا بیان ہے کہ منجملہ بے شمار عنایات کے اس کی ایک نوازش یہ بھی تھی کہ اس نے جامع دمشق میں مالکی زاویہ کے لیے جو مغربی طلباء کے لیے مخصوص تھا جائیداد وقف کی تھی جس میں آٹے کی دو چکیاں ، پھلوں کے سات باغات ، عمدہ اراضی ، حمام اور دو دوکانیں تھیں مجھے ایک مغربی نے جو اس وقف کا منتظم تھا بتایا کہ اس کی سالانہ آمدنی پانچ سو دنیار تھی-[4،5]

مصرؔ

نظام الملک اور نورالدین سے بہت پہلے مصر میں اوقاف کا وجود تھا - ۳۷۸ ھ (۹۸۸ ع) میں عہدالعزیز میں جامع از ہر اہل علم کے لیے مخصوص کر دی گئی تھی[6] اور اس واقعہ کے چند سال بعد اس کے جانشین الحاکم نے جو ''دارالحکمۃ'' کا بانی تھا

---

۱ - ''المنتظم'' صفحہ ۲۵۶ -
۲ - ''الرحلہ'' صفحہ ۲۲۹ -
۳ - ''الاسلام و النصرانیہ مع العلم والمدینہ'' صفحہ ۹۸ -
۴ - ''الرحلہ'' صفحہ ۲۸۵ -
۵ - یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ اس عہد میں مصر و شام ایک ہی حکومت کے تحت تھے - لہٰذا شام کی مثالوں کا اطلاق مصر پر بھی ہو سکتا ہے -
۶ - ''قاہرہ'' (لین پول) ، صفحہ ۱۲۳ - ۱۲۴ -

متعدد دوکانیں ، عمارتیں ، سرائیں ، کوٹھیاں اور مکانات ان دونوں درس گاھوں اور مسجد کے لیے وقف کر دی تھیں اس وقف نامہ کی دستاویز کو المقریزی نے نقل کیا ھے۔[1]

عہد ایوبی مصر میں تعلیمی ترقی کا سنہری زمانہ ھے جیسا کہ ھم پہلے کہہ چکے ھیں کہ اس دور میں شہزادوں ، شہزادیوں ، وزیروں ، عالموں ، تاجروں اور ملازمین نے بہ کثرت مدرسے قائم کیے تھے - یہاں ھم عہد ایوبی کے اوقاف کی چند مثالیں درج کرتے ھیں -

بہ قول ابن جبیر جب کوئی مسجد یا مدرسہ قائم کیا جاتا تو سلطان صلاح الدین کی عادت یہ تھی کہ اس کے شایان شان وقف بھی قائم کر دیتا تھا جو ملازمین اور طلباء کے اخراجات کے لیے مکتفی ھوتا تھا اور ادارہ اس کی بدولت بہ خیر و خوبی چلتا رھتا تھا[2] اپنے قائم کردہ اداروں کے متعلق صلاح الدین کی یہ پالیسی تھی جو ھم نے بیان کی - اس کی ایک مثال کو ذرا تفصیل سے واضح کرنے کے لیے ھم المقریزی سے اقتباس درج کرتے ھیں صلاح الدین نے مدرسہ الناصر یہ قائم کیا تو اس کے لیے وقف کیا جس میں چند حمام - ایک بیکری جو اس کے بالمقابل تھی - اور دوکانیں جو اس کی پشت پر اور جزیرہ فیل شامل تھا۔[3]''

خاندان ایوبی کے شہزادوں اور شہزادیوں نے سلاطین کا اتباع کیا - اس قسم کی بے شمار مثالوں میں سے ھم صرف ایک شہزادے اور ایک شہزادی کی مثال پیش کرتے ھیں شہزادہ تقی الدین عمر بن شاھنشاہ نے جو صلاح الدین کا بھتیجہ تھا ایک شان‌دار فاطمی حویلی موسومہ ''منزل العز'' خریدی اور شافعی طلباء کے لیے اس میں ایک مدرسہ قائم کر دیا - اس مدرسہ کے لیے اس نے ''حمام الذھب'' - ایک سرائے موسومہ ''فندق النخلہ'' اور جزیرہ ''الروضہ'' وقف کر دیے-[5] شہزادی ست الشام ھمشیرہ صلاح الدین نے متعدد مدارس قائم کیے - اس خاتون کا وصیت نامہ ان ھی صفحات میں آگے آتا ھے -

نہ صرف خاندان شاھی کے افراد نے بلکہ بے شمار دیگر اشخاص نے بھی ایسا ھی کیا - مثلاً عائشہ زوجہ شجاع الدین بن الاماغ (متوفی ۶۱۴ھ) نے اپنے شوھر کی وفات کے بعد اس کے مکان میں ایک مدرسہ شافعی اور حنفی طلباء کے لیے جاری کر دیا اور اس کے اخراجات کے لیے ایک تہائی حصہ دماغیہ فارم کا - ایک حصہ رجم الحیات کا - کچھ حصہ سرائیلی حماموں کا - ایک حصہ چراگاہ کا سرخب فارم اور دیگر جائیدادیں وقف کر دیں۔[6]

المقریزی نے مسجد عمر کے آٹھ زاویوں کا ذکر کیا ھے جو ترقی تعلیم کے لیے

---

۱ - ''الخطط'' جلد ۲ ، صفحہ ۲۷۳ - ۲۷۵ - ۲۸۳
۲ - ''الرحلہ'' صفحہ ۲۷۵
۳ - ''الخطط'' صفحہ ۴۰۰
۴ - ایضاً ، صفحہ ۳۶۴ ؛ ''الروضتین'' صفحہ ۱۹۱ -
۵ - ''تاریخ المدارس'' (النعیمی) ، صفحہ ۲۳۶ - ۲۳۷ -

تھے اور ہر زاویہ کے لیے وقف تھا ان میں چند درج کیے جاتے ہیں :

زاویہ امام شافعی جس کے لیے سلطان العزیز بن صلاح الدین سند بیس میں اراضی وقف کر دی تھی ۔[1]

زاویہ کمالیہ کے لیے قاہرہ میں کمال الدین السمنودی نے ایک سرائے وقف کر دی تھی ۔[2]

زاویہ تاجیہ کے لیے تاج الدین السطحی نے قاہرہ میں کئی مکان وقف کر دیے تھے۔[3]

اگرچہ اسلامی دنیا میں عموماً مدارس کے اخراجات اوقاف کی آمدنی سے چلتے تھے لیکن درس گاہوں کے اخراجات براہ راست خزانہ شاہی سے ہوتے تھے ۔ خلیفہ العزیز نے یعقوب بن کلس کو چند علماء کے متعلق ہدایات کر دی تھی کہ ان میں ہر ماہ ایک ہزار دینار تقسیم کیے جایا کریں ۔[4] ابن بطوطہ نے علم کے ایک سر پرست کی حیرت انگیز فیاضی کا ذکر کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ احمد بادشاہ لیزج اپنی حکومت کے میزانیہ کا ایک تہائی تعلیم پرخرچ کرتا تھا ۔[5]

ہم اس مضمون کوست الشام کے وصیت نامہ پر ختم کرتے ہیں جو کچھ تو کتبہ سے اخذ کیا گیا ہے اور کچھ دیگر ماخذوں سے ۔

وصیّت نامہ بہت مفصل ہے جس میں جائداد ، اخراجات اور اخلاقی حالات سے بحث کی گئی ہے ۔ مدرسہ کا نام ''المدرسۃ الشامیۃ الجوانیہ'' تھا ۔ مدرسے کی اصل عمارت تو معدوم ہوچکی ہے اس کی جگہ ایک اور مکان بن گیا ہے لیکن باہر کا قدیم داخلی دروازہ اب تک موجود ہے جس کے بالائی حصے میں ایک کتبے کی صورت میں وصیت نامے کندہ ہے اس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے :

بسم اللہ الرحمن الرحیم ، یہ مدرسہ اس شہزادی اعظم ست الشام کا ہے جو حسام الدین کی ماں اور ایوب کی بیٹی تھی رحمہ اللہ علیہا ۔ اس نے یہ مدرسہ شافعی طلبااور علماء کے لیے قائم کیا ہے اور اس عمارت اور اس کے مکتبوں کے لیے حسب ذیل جائداد وقف کی ہے :

کل مزروعہ فارم موسومہ ''بزینہ'' ۔

فارم موسومہ ''جرمانا'' کے ۲۴ سہام میں سے ۱۱ ½ سہام ۔

فارم موسومہ ''التینہ'' کے ۲۴ سہام میں سے ۱۴ ½ سہام ۔

جاگیر موسومہ ''مجید السویدہ'' کا نصف حصہ ۔

کل فارم موسومہ ''مجید القریہ'' ۔

---

۱ - ''الخطط'' صفحہ ۲۵۵ - ۲۵۶

۲ - ایضاً ۔

۳ - ایضاً ۔

۴ - *Die Revaissance des Islams* ، صفحہ ۲۹۴ ۔

۵ - ''تحفۃ النظار'' صفحہ ۳۱ ۔

وصیت نامے میں آمدنی کو خرچ کرنے کے متعلق مندرجہ ذیل تفصیل درج ہے :

پہلی ضروری بات یہ ہے کہ مدرسے کو نہایت اچھی حالت میں رکھا جائے۔ شکست و ریخت کی مرمت برابر ہوتی رہے - تیل ، چراغ ، چٹائیاں ، قالین ، فانوس بتیاں اور دیگر تمام ضروریات نقد خریدی جایا کریں -

دوسری بات یہ ہے کہ ہر مدرس کو ماہانہ ایک بوری گندم ایک بوری جو اور ایک سو تیس ناصری درہم دیے جائیں -

تیسرے یہ کہ جو رقم بچے اس کا دسواں حصہ مدرسے اور وقف کے منتظم کو دیا جائے۔

چوتھے یہ کہ ۳۰۰ ناصری درہم شیرینی کے لیے دیے جائیں جو ہر سال وسط شعبان میں تقسیم کی جائے -

آخری بات یہ ہے کہ تمام اخراجات کے بعد جو کچھ بچ رہے وہ علماء و طلبا اور دیگر اراکین عملہ میں تقسیم کر دیا جائے اور مہتمم اپنی صواب دید کے مطابق ہر شخص کو اس کے استحقاق کے مطابق حصہ دے -

عملے کا ہر رکن نیک چلن ، پاک دامن ، اور سنی ہو اور اراکین عملہ کی مالی حالت درست رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ عملہ کے ارکان کی تعداد صرف بیس تک محدود رہنی چاہیے اور جب آمدنی بڑھ جائے تو اسی تناسب سے عملے میں اضافہ کرنے کا مہتمم ختیار ہے -[1]

(۳) تنظیم

حلقہ

حلقہ جو اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں وجود میں آیا تھا - آج بھی موجود ہے . یہ ایک ایسی تنظیم ہے جو ہمیں جامعہ ازہر کے ہال میں اور تمام دنیا کی مساجد میں ملتی ہے - استاد عموماً کسی دیوار یا ستون سے کمر لگا کر کسی شہ نشین یا گدے پر بیٹھ جاتا تھا - حاضران اس کے سامنے حلقہ بنا لیتے تھے - استاد کے دونوں جانب اور اس سے قریب خصوصی مہمان ایک طرف - اور املا کرنے والے دوسری طرف بیٹھتے تھے - مستقل طلبا حلقے کے ایک حصے میں جمع ہو جاتے تھے اور ہنگامی مہمانوں کے لیے جگہ چھوڑ دیا کرتے تھے - ہر شخص اس بات کا خواہش مند ہوتا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو استاد سے بالکل قریب اسے جگہ ملے لیکن کسی کو یہ اجازت نہ تھی کہ مہمانان خصوصی کی نشستوں پر قبضہ کرے -[2]

سبق شروع کرنے سے قبل استاد چند آیات قرآنی تلاوت کرتا تھا اور بعد ازاں رسول اکرم صلعم اور ان کے آل و اصحاب پر درود و سلام بھیجتا تھا - اس کے بعد اصل سبق شروع ہوتا تھا -

---

۱- ''تاریخ مدارس دمشق'' (النعیمی) ، صفحہ ۳۰۲ - ۳۰۳ -
۲- ''تذکرۃ السامع والمتکلم'' (ابن بطوطہ) ، صفحہ ۱۴۷ - ۱۵۱ -

Marfat.com

اگر استاد اپنی ذاتی یاد داشتوں کی مدد سے پڑھاتا تھا ، جن کی نقول طلبا کے پاس نہ ہوتی تھیں تو یہ طریقہ املا کہلاتا تھا ۔ اس حالت میں استاد ایک ایک حدیث کا متن پڑھتا تھا جسے طلبا لکھ لیا کرتے تھے ۔ ہر حدیث یا جملے کے بعد اس کی تشریح کی جاتی تھی اور اسے بھی طلبا حاشیے پر لکھ لیا کرتے تھے ۔ سبق کے ختم ہو جانے کے بعد استاد وقتاً فوقتاً ایک دو طلبا کے مسودات پر نظر ڈال لیا کرتا تھا یا ان سے پڑھوا کر سن لیتا اور اس وقت ضروری اصلاح کر دی جاتی تھی ۔[1] اور پسندیدگی کا اظہار کرنے کے لیے مسودے پر دستخط بھی کر دیا کرتا تھا بعض دفعہ دستخط کے ساتھ اجازت نامہ بھی لکھ دیا جاتا تھا کہ جس کا مقصد یہ تھا کہ جسے اجازت ملی ہے وہ اس مضمون کو پڑھا سکتا ہے اور اس طرح جہاں تک احادیث کا تعلق ہے ۔ ہر طالب علم رسول اکرم صلعم تک راویوں کا سلسلہ لکھ لیا کرتا تھا ۔ یہ امالی یا مسودات مسلمانوں کے ابتدائی دور کی کتابیں تھیں[2] جن میں سے اکثر موجود و محفوظ ہیں اور بعض ابھی تک شائع نہیں ہوئیں ۔

اگر کتاب دستیاب ہو جاتی تھی تو اس کا طریقہ یہ تھا کہ طلبا سبق سے ایک روز قبل خود مطالعہ کرتے تھے اور آپس میں مشکل مقامات پر بحث و مباحثہ بھی کرتے تھے ۔ سبق کے دوران ہر طالب علم کے پاس اپنی کتاب ہوتی تھی ۔ بہ قول ابن خلدون پہلے استاد طلبا کے سامنے مضمون متعلقہ پر ایک عام لکچر دیتا تھا ۔ پھر دوبارہ سبق کی تشریح و توضیح کرتا تھا اور نہایت تفصیلی بحث ہوتی تھی ۔ یہاں تک طلبا کو سبق خوب ذہن نشین ہو جاتا تھا پھر سہ بارہ سبق کے مشکل اور ادق مقامات کی مزید توضیح و تشریح کی جاتی تھی'' ۔[3] لیکن عموماً دوسرے درجے پر کتاب میں سے سبق پڑھایا جاتا تھا اور استاد پڑھنے کے دوران میں جگہ جگہ جملہ بہ جملہ تشریح کرتا جاتا تھا ۔[4] اور شاگرد ان توضیحی اشارات کو اپنی کتابوں کے حاشیے پر لکھ لیا کرتے تھے ۔ ان تشریحی اشارات کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے ۔ امام غزالی نے طوس سے جرجان تک طویل سفر محض اس لیے کیا کہ ابو نصرالاسماعیلی کے درس میں شریک ہو کر تشریحی اشارات حاصل کریں جب وہ اس کام سے فارغ ہو کر واپس جا رہے تھے تو راستے میں قزاقوں نے ان کا سب مال و متاع لوٹ لیا اس میں وہ تھیلا بھی تھا جس میں وہ تشریحی اشارات تھے ۔ امام صاحب نے یہ خطرہ مول لیا کہ قزاقوں کے پیچھے ہو لیے ان کے سردار نے مڑکر دیکھا توکہا فوراً واپس چلے جاؤ ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے ۔ انھوں نے جواب دیا مجھے صرف وہ تھیلا واپس کر دو کیوں کہ اس میں جو کچھ ہے وہ تمھارے مطلب کا نہیں ہے ۔ صرف چند تشریحات ہیں جن کے سننے ، لکھنے اور سیکھنے کے لیے میں نے طویل سفر کیا تھا ۔ خوش قسمتی سے قزاقوں کے سردار نے ان کی بات مان لی اور

۱۔ ''الوجازہ'' (الولید ن بکر) مخطوطہ مملوکہ العزازی (بغداد) ۔

۲۔ ''الاسلام و النصرانیہ مع العلم و المدنیہ'' (محمد عبدہ) ، صفحہ ۹۸ ۔

۳۔ ''المقدمہ'' صفحہ ۳۹۴ ۔

۴۔ ''ارشاد'' (یاقوت) صفحہ ۲۸۲ ۔

اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ تھیلا واپس کر دیا جائے۔[1]

سامعین میں سے ہر شخص کو حق حاصل تھا کہ سبق کے دوران میں یا اختتام سبق پر مضمون کے متعلق جس قسم کا سوال چاہے کرے۔ مستقل طلبا کی ہمت افزائی کی جاتی تھی کہ وہ استاد سے سوالات کرتے رہیں اور مختلف مسائل پر بحث کرتے رہیں اور اکثر یہ بھی ہوتا تھا کہ شاگرد مسئلہ پر اپنے استاد سے اختلاف رائے کا اظہار بھی کر دیا تھا۔[2]

تعلیم کے سلسلے میں سوال کرنے کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے ''علم ایک صندوق ہے جس کی کنجی سوال ہے'' یہی حدیث ہر طالب علم کو سوالات کرنے پر اکساتی تھی حضرت علی کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ''خوف کا نتیجہ ناکامیابی ہے اور جہاں جھجھک ہوگی وہاں جہالت ہوگی''[3] اس سے بھی بڑھ کر ایک بات یہ ہے کہ کسی بوڑھے نے مامون رشید سے پوچھا ''کیا سوال کرنا میرے لیے باعث شرم ہے؟'' مامون رشید نے جواب دیا کہ ''سوال نہ کرنا باعث شرم ہے''[4] اور جب دغفل سے پوچھا کہ اس نے اس قدر علم کیسے حاصل کیا تو اس نے جواب دیا ''سوال کرنے سے اور غور و فکر سے''[5]

لیکن حلقہ درس میں بحث مباحثہ کے بھی کچھ آداب تھے۔ مثلاً کوئی سوال بد نیتی سے نہیں کیا جاتا تھا جس سے ریا کاری کا اظہار ہو یا استاد کو پریشان کرنا مقصود ہو[6] یہ بھی ضروری تھا کہ طالب علم مناسب وقت پر سوالات کرے اور بلاوجہ دوران سبق میں دخل نہ دے اور یہ توقع بھی نہ رکھے کہ سوال کا جواب فوراً ہی مل جائے گا۔[7]

معیار سے گرے ہوئے سوالات ہمیشہ احمقانہ تصور کیے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ابو عبیدہ کے حلقہ درس میں کسی شخص نے احمقانہ سوال کیا جس سے اس کی بے وقوفی اور جہالت کا اظہار ہوتا تھا۔ جیسے ہی استاد نے اس کا جواب دیا کسی دوسرے نے اسی قسم کا سوال کر دیا اور پھر تیسرے شخص نے بھی ایسا ہی کیا۔ ابو عبیدہ اس قدر پریشان ہوئے کہ یہ کہتے ہوئے حلقہ درس سے اٹھ گئے کہ ''آج میرے حلقہ درس میں چوپائے کہاں سے جمع ہو گئے''[8]

بعض اوقات استاد بھی سوالات کیا کرتا تھا۔ سبق ختم ہونے کے بعد استاد سوال کرنا ضروری تصور کرتا تھا تاکہ شاگردوں کی استعداد کو جانچے اور اس تکرار سے

۱- سوانح امام غزالی مقدمہ ''الاحیاء'' صفحہ ۲۔
۲- ''الاسلام و حضارۃ العربیہ'' (محمد کرد علی) جلد ۲، صفحہ ۸۔
۳- ''عیون الاخبار'' (ابن قتیبہ) صفحہ ۱۲۳۔
۴- ''محاضرات الادبا'' (الاصفہانی)، صفحہ ۲۶۔
۵- ایضاً، صفحہ ۲۷۔
۶- ''عیوان الاخبار'' صفحہ ۱۲۳۔
۷- ''المدخل'' صفحہ ۹۰۔
۸- یاقوت، صفحہ ۲۷۲۔

Marfat.com

کم قابلیت والے طلباء کو فائدہ پہنچتا تھا ۔[1]

مدارج تعلیم

آپ نے یہ اندازہ لگا لیا ہوگا کہ جن مختلف مقامات پر اسلامی تعلیم جاری تھی معیار بھی مختلف تھا ۔ آج کل بیشتر ممالک میں تعلیم کے مختلف مدارج ابتدائی ، ثانوی ۔ جامعاتی اور تحقیقی ہیں یہی مدارج اسلامی سلطنت کے ابتدائی دور میں بھی موجود تھے ۔ ابتدائی تعلیم کے لیے جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں کتاب قائم تھے اعلیٰ تعلم کے مرکز کتب فروشی کی دوکانیں ۔ علما کے مکان اور ادبی نشستیں تھیں ان کے متعلق اوپر بیان کر آئے ہیں اور مثالیں بھی پیش کی جا چکی ہیں ۔ مساجد بھی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے مراکز تھے ۔ عموماً ایک ہی مسجد میں مختلف درجوں کے حلقہ ہائے درس قائم تھے اور طالب علم اپنی دماغی قابلیت کے لحاظ سے جس حلقہ میں چاہتا شریک ہو جاتا تھا ۔ علاوہ اس کے کہ جو کچھ ہم نے مختلف ماخذوں سے حاصل کر کے بیان کیا ہے ہم اپنے ذاتی مشاہدہ کی بناء پر بھی اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ علاوہ ان حلقوں کے جہاں اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی ثانوی تعلیم کے لیے بھی مساجد میں حلقے قائم کیے جاتے تھے ۔ المقریزی کا بیان ہے کہ مسجد عمر میں متعدد حلقے منعقد ہوتے تھے۔ ایک حلقہ امام شافعی کے نام سے موسوم تھا کیونکہ وہاں ان کا درس ہوا کرتا تھا ۔ دوسرے حلقے مثلاً مجدیہ ، صاحبیہ ، کمالیہ اور معینیہ بھی جو اپنے بانیوں کے نام سے منسوب تھے، اسی مسجد میں قائم تھے ۔ یہ اساتذہ کے نام سے منسوب تھے ۔[2] مسجد دمشق کے حلقوں کے متعلق بھی ابن جبیر نے یہی بات لکھی ہے ۔ علاوہ ازیں اسی مسجد میں ابن جبیر نے ابتدائی تعلیم کے مکتب کا بھی ذکر کیا ہے ۔[3]

ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مسلمان طالب علم اپنی ابتدائی تعلیم کسی کتّاب میں حاصل کرتا تھا جو اکثر مساجد کے باہر ہوتا تھا بعد ازاں ثانوی تعلیم کا انتظام مسجد کے اندر ہی ہوتا اس کے لیے وہاں مخصوص حلقے قایم تھے ۔ یہاں سے ترقی کرکے مسجد ہی کے اعلیٰ حلقوں میں شریک ہو جاتا تھا یا کسی دوسری مسجد میں چلا جاتا تھا جہاں اعلیٰ تعلیم کا انتظام ہو ۔

جب مدارس قائم ہو گئے تو ان معیار کا انحصار اساتذہ کی قابلیت پر تھا ۔ ان تمام اساتذہ کا جائزہ لینے کے بعد جو مختلف مدارس میں درس و تدریس کا کام کرتے تھے ہم تیقن کے ساتھ کہ سکتے ہیں کہ اکثر مدارس کا معیار ادلتا بدلتا رہتا تھا ۔ لیکن بعض مدارس مثل مدارس نظامیہ نے ہمیشہ ہی بلند معیار قائم رکھا کیونکہ وہاں اس دور کے بہترین علماء کا تقرر کیا جاتا تھا ۔

۱۔ 'تذکرة السامع و المتکلم' صفحہ ۵۳ ۔
۲۔ ''الخطط'' صفحہ ۲۵۵ ۔
۳۔ ''الرحلہ'' صفحہ ۲۶۵ - ۲۶۷ ۔

تمام اسلامی سلطنت کے طول و عرض میں علمی تحقیقاتیں جاری رہتی تھیں ۔ لکھا ہے کہ جب مامون رشید نے الفراء (متوفی ۲۰۷ھ) سے ایک کتاب لکھنے کی فرمائش کی تو اس کے قیام کے لیے شاہی محل میں نہایت آرام دہ مکان کا انتظام کیا گیا اور سارا کتب خانہ اسے سونپ دیا گیا اس کے طعام و قیام اور آسایش کا بہترین انتظام تھا اور اس کے ماتحت چند محرر مقرر کیے گئے تھے جن سے وہ لکھوایا کرتا تھا ۔ اس زمانے میں الفراء نے کتاب المعانی تصنیف کی جو بہت اونچی کتاب مانی جاتی تھی۔[1] ہم نے غیر زبانوں سے عربی میں تراجم کا بھی تذکرہ کیا ہے ان تراجم میں اضافہ اور تحشیہ کیا جاتا تھا یہ بھی اسی قسم کا کارنامہ ہے جسے ریسرچ میں شمار کیا جا سکتا ہے ۔

اقامتی تعلیم

مدارس کے قیام سے پہلے بھی اور بعد کو اقامتی تعلیم کا وجود تھا ۔ کوئی ہزار برس سے جامعہ ازہر قایم ہے جہاں علاوہ مقامی طلباء کے غیر ممالک کے طلباء کے قیام کا بھی انتظام ہے۔ ہر ملک کے نام پر اور مصر کے ہر صوبہ کے نام پر ایک رواق تھا جہاں طلبا نہایت آزادی سے اور بعض اوقات شیخ رواق کی نگرانی میں رہا کرتے تھے ۔ طعام کے علاوہ مختلف اوقات میں انھیں شیرینی بھی دی جاتی تھی[2] ابن جبیر بہ حیثیت ایک عینی شاہد ان تمام سہولتوں کو جو مصر میں طلبا کو حاصل تھیں اس طرح بیان کرتا ہے :—''ہر طالب علم کے لیے ایک قیام گاہ ہے ۔ استاد اس کے منتخب کردہ مضمون میں اسے تعلیم دیتا ہے ، اور اس کی تمام ضروریات کے لیے وظیفہ مقرر ہے'' ۔[3]

مدرسہ الناصریہ میں جسے صلاح الدین نے مصر میں قایم کیا تھا اساتذہ و طلبا کے مکانات مدرسہ کے ساتھ ملحق تھے ۔ علاوہ ازیں متعدد کمرے تعلیم کے لیے ۔کتب خانے کے لیے اور معمل کے لیے مخصوص تھے۔[4] اساتذہ کے لیے مکان کا اس قدر خیال تھا کہ جب الملک الاشرف (متوفی ۶۳۵ھ) نے قائیماز کا مکان خرید کر اسے مدرسے کے لیے درست کیا تو جس جگہ حمام تھا وہاں مدرس کے لیے مکان بنوایا ۔[5]

اس قسم کی قیام گاہوں کا انتظام نہ صرف مصر میں تھا بلکہ بغداد اور شام میں بھی تھا ۔ عمادالدین الاصفہانی کا بیان ہے کہ مدرسہ نظامیہ کے ساتھ مکانات بھی ملحق تھے جہاں اساتذہ اور طلباء رہا کرتے تھے[6] اور خدا بخش نے لکھا ہے کہ مدرسہ مستنصریہ کے مطبخ سے روزانہ تمام مکینوں کو کھانا ملا کرتا تھا ۔[7]

۱۔ ''طبقات الادباء'' (ابن الانباری) صفحہ ۱۲۷ ۔
۲۔ ''الخطط'' صفحہ ۲۷۶ ۔
۳۔ ''الرحلہ'' صفحہ ۴۲ ۔
۴۔ ''قاہرہ'' (لین پول) صفحہ ۱۹۰ ۔
۵۔ النعیمی' صفحہ ۱۹ ۔
۶۔ ''زبدۃ النصرہ'' صفحہ ۵۲ ۔
۷۔ ''اسلامک سولزیشن'' صفحہ ۲۷۸ ۔

قرون وسطیٰ کے شامی مدارس میں عمارت کے ساتھ ھوسٹل کا ھونا لازمی تھا۔ شام کے مختلف شہروں میں ہم نے کچھ پرانے بچے کھچے مدرسے دیکھے لیکن کوئی ایسا نہ ملا جس کے ساتھ ھوسٹل نہ ھو، ان میں سے اکثر مدرسہ نوریۃ الکبریٰ سے ملتے جلتے ھیں جس کے متعلق ھم تفصیل سے اوپر بیان کر آئے ھیں۔

ابن جماعہ نے اپنی تصنیف ''تذکرۃ السامع'' میں اقامتی مدارس میں قیام کے قواعد و ضوابط اس طرح درج کیے ھیں: ''صرف اعلیٰ کردار کے طلباء کو ان اداروں میں داخلہ ملنا چاھیے۔ مدارس نسواں علیحدہ ھوں جہاں مردوں کا گزر نہ ھو۔[1] جو طلباء بالائی منزل میں رھتے ھوں انھیں لازم ھے کہ آھستہ چلیں پھریں اور فرش پر بھاری چیزیں نہ پھینکیں تاکہ نیچے والوں کے آرام میں خلل نہ پڑے[2] کسی طالب علم کو مناسب نہیں ھے کہ وہ دروازہ میں کھڑا رھے اور نہ ھال میں۔ یہ بھی مناسب نہیں ھے کہ بار بار اندر باھر آئے جائے[3] طالب علم کو دوسروں کے کمروں میں جھانکنا نہیں چاھیے[4] اور اسے تمام بری عادات و خصائل سے پرھیز لازم ھے۔''[5]

---

۱ تا ۵۔ ''اسلامک سولزیشن'' صفحہ ۲۲۹ تا ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۴۔

Marfat.com

ضمیمہ و کتابیات

مضامین

جب ہم اپنے مقالہ کے اس باب تک پہنچے تو ہمیں دو باتوں نے متاثر کیا :

(۱) اس مقالہ میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ ان تمام مضامین پر مفصل بحث کی جائے جو اسلامی مدارس میں پڑھائے جاتے تھے یعنی اسلامی فلسفہ ، طب ، ریاضیات ، دینیات ، اور زبان ۔ ان میں سے ہر مضمون کے لیے ایک الگ مقالہ کی ضرورت ہے مزید بران بیشتر مضامین پر قدیم و جدید تصانیف میں جدا جدا بحث کی جا چکی ہے ۔[۱]

(۲) باب اول ''مقامات تعلیم'' میں متفرق مثالیں دی گئی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کس قسم کی تعلیم ہوتی تھی جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ تعلیم گاہ کے لحاظ سے مضامین بھی مختلف ہوتے تھے ۔

اس لیے میں نے یہ خیال کیا تھا کہ مضامین کے متعلق زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہیے لیکن مصر میں فاطمی حکومت کے تحت تعلیم کے لئے نظریے اور نئی نئی تجاویز بروئے کار آئیں اور اگرچہ اکثر علماء نے ان کی توضیح و تشریح کی کوشش کی لیکن اب تک پردہ خفا میں ہیں ۔ اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ چند مواقع پر

۱۔ طب عربی پر جدید تصانیف یہ ہیں :

(۱) ''قوانین الصحت عندالمسلمین'' از ڈاکٹر محمود صدق (مصر ۱۹۱۰) ۔

(۲) ''فضل العرب علی الجراحت'' از ڈاکٹر الحراری (مصر ۱۹۱۷) ۔

(۳) ''عربین مڈیسن'' از ایڈورڈ براؤن (لندن ۱۹۲۱) ۔

(۴) آلات الطب والجراحت والکحالہ عندالعرب از ڈاکٹر عیسیٰ (مصر ۱۹۲۵) ۔

(۵) ''عربین میڈیسن'' از کیمبل (لندن ۱۹۲۶ع) ۔

(۶) ''الطب العربی والآثارہ'' از ڈاکٹر علی (مصر ۱۹۳۱) ۔

(۷) ''انسائیکلوپیڈیا برٹینکا'' ، میڈیسن ۔

ریاضیات :

(۱) *History of Physics in its Elementary Branches*, Cajoria, N.Y. 1926.

(۲) علوم العرب الریاضیہ و انتقالہا الی اروپہ از ابوالخیر ۔

(۳) *Mathematical Recreations*, Rouse Ball, London 1944 ۔

(۴) ''انسائیکلو پیڈیا برٹینکا'' ، میتھیمیٹکس ؛ ''انسائیکلوپیڈیا'' صفحہ ۱۰۳۱ ۔

Marfat.com

اسماعیلی تصانیف تباہ و برباد کر دی گئیں اور جو کتابیں بچ رہیں انھیں بالکل مخفی رکھا گیا۔ جب ہم نے بغرض ریسرچ مشرق وسطیٰ کا سفر کیا تو بعض مشہور اسماعیلی علماء سے ملاقات کے مواقع حاصل ہوئے۔ اور چند اہم مخطوطات بھی نظر سے گزرے چنانچہ ہمارا خیال ہے کہ ہم اس مسئلہ پر زیادہ روشنی ڈال سکتے ہیں۔

مصر میں اسماعیلی مذہب

جب فاطمیوں نے ۳۵۸ھ (۹۶۹ع) میں مصر فتح کر لیا تو اسماعیلیوں کو بمقابلہ شمالی افریقہ کے یہاں ایک زیادہ اعلیٰ تعلیم یافتہ قوم سے دو چار ہونا پڑا۔ سیاسی طور پر تو مصریوں نے ہتھیار ڈال دیے لیکن مذہب کے معاملے میں انھوں نے روز اول سے مخالفت کی۔[1]

پھر فاطمیوں نے اپنے عقاید کو تمام ملک میں پھیلانے کی تدابیر شروع کیں۔ مذہبی پروپیگنڈا حکومت کی پالیسی تھی اور آبادی کے ہر طبقے کی صلاحیتوں کے مطابق اس کا معیار قائم کیا گیا تھا۔ عوام میں تو صرف مذہب کے موٹے موٹے عام اصولوں کی تبلیغ کی جاتی تھی لیکن منتخب لوگوں کو ہر اسماعیلی مذہب کی باطنی خفیہ تعلیم دی جاتی تھی چنانچہ تبلیغ و تعلیم کے دو الگ الگ راستے تھے۔ خفیہ تعلیم اور تعلیم عامہ اپنی تحقیق کو تعلیم ہی تک محدود رکھتے ہوئے ہم ذرا تفصیل کے ساتھ المقریزی کے حوالے سے تعلیم عامہ پر بحث کریں گے۔[2] جن لوگوں کو خفیہ تعلیم سے دلچسپی ہے انھیں المقریزی سے کافی مسالہ مل سکتا ہے۔ جب سے کہ فاطمی خاندان کو عروج حاصل ہوا تعلیم عامہ مکمل طور پر داعی الدعات کی نگرانی میں دے دی گئی تھی اور اس ہی کے فرمان و اقوال کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی۔ ہم مندرجہ ذیل عنوایات کے تحت اس مضمون پر بحث کریں گے:

(۱) فاطمی عہد میں اسماعیلی عقاید و نظریات
(۲) ان عقاید و نظریات کی تبلیغی مساعی
(۳) اہالیان مصر اور اسماعیلی مذہب

اسماعیلی عقاید[3]

وصی اور امام

اسماعیلیوں کا عقیدہ ہے کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے جو نبی کی وفات کے بعد

---

(۱) ملاحظہ ہو میثاق سلامتی جو گوہر نے مصریوں سے ان کے مطالبہ کے جواب میں کیا تھا "الفاظ الحنفاء" (المقریزی)، صفحہ ۶۷ - ۷۰ -

۲- "الخطط" صفحہ ۳۹۱ — ۳۹۷ -

۳- "دعائم الاسلام"؛ "تاویل دعائم الاسلام"؛ "اساس التاویل الباطن"؛ "المجالس المستنصریہ"؛ "المجالس الموئدیہ" اور دیگر کتب جن کا یہاں ذکر کیا گیا ہے

Marfat.com

اس کا جالشین ہوا کرتا ہے۔[1] وصی کا انتخاب خدا کرتا ہے اور اسی نے حضرت علی کو محمد رسول اللہ صلعم کا وصی منتخب کیا۔ آیت قرآنی : یاایہاالرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ط و ان لم تفعل مما بلغت رسالتہ (مائدہ ۶۷) کا مطلب کہ ''لوگوں میں اعلان کر دو کہ دین اسلام کا وصی علی ہے۔''[2] چنانچہ رسول اکرم صلعم نے فوراً ۱۸ ذی الحجہ کو غدیر خم پر اس کا اعلان کر دیا اور انھوں نے اسلام کا نہایت اہم اور آخری عقیدہ لوگوں کو پہنچا دیا اور آیت الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی (مائدہ—۳) نبی اکرم کے اس اعلان کے بعد ہی نازل ہوئی یہی اکملیت اور نعمت ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔

حضرت علی کے بعد حضرت امام حسن بہ حیثیت امام اول ان کے جانشین ہوئے اور ان کی وفات کے بعد حضرت امام حسین کو امامت ملی اور یکے بعد دیگرے ان کی اولاد میں منتقل ہوتی رہی۔[3]

(حاشیہ صفحہ سابقہ)

اسماعیلی مذہب کے سمجھنے کے لیے مستند کتابیں ہیں کیونکہ ان میں سے ہر کتاب اس وقت کے داعی الدعاۃ کی تصنیف ہے۔ عباس العزاوی وکیل ساکن بغداد کے کتب خانے میں ایک بیش قیمت مخطوطہ موسومہ سمط الحقائق ہے جس میں اس مصنف الداعی علی بن حنظلہ نے اسماعیلی عقاید کو نظم کیا ہے۔ وکیل صاحب نے از راہ کرم یہ مخطوطہ ہمیں دکھایا۔ یہاں ہم اس کے چند اشعار نقل کرتے ہیں :

الحمدللہ العلی السامی　　عن صفۃ انکمال والتمام

بلند و برتر خدا کی تعریف ہے جو کامل صفت والا ہے

وقادنا الی ولی الوصی　　من بعدہ مولی الوری علی

اس نے اپنے بعد ہمیں مولا علی کی قیادت میں سپرد کیا جو ولی اور وصی ہیں

واوجدو انفوسنا من العدم　　تحنناً منہم علینا والکرم

وہ ہمیں عدم سے وجود میں لائے یہ ان کا ہم پر بڑا کرم اور شفقت ہے

و بعد کل ناطق وصی　　یخلفہ منتجب مرضی

اور ہر ناطق وصی کے بعد اس کا ایک پسندیدہ اور شریف انسان جانشین ہوتا ہے

مبنیاً تاویل ما اتی بہ　　من سنت اللہ و من کتابہ

وہ کتاب و سنت کے احکام کی تاویل بیان کرتا ہے

ثم یقیم بعدہ ائمہ　　مطہرین ینشرون الحکمہ

اس کے بعد اس کے جانشین پاکیزہ امام ہوتے ہیں جو حکمت کی اشاعت کرتے ہیں

۱- الفطرات منسوب بہ جعفر بن منصور، آدم کے وصی ہابیل، نوح کے وصی شحم، ابراہیم کے وصی اسماعیل، موسیٰ کے ہارون اور عیسیٰ کے سائمن

۲- ''اساس التاویل الباطن'' (قاضی لقمان) غیر مطبوعہ۔

۳- ''دعائم الاسلام'' (غیر مطبوعہ)

Marfat.com

اسماعیلیوں کا عقیدہ ہے کہ بنی نوع انسان کے لیے امام کا ہونا نہایت ضروری ہے اور دنیا میں ہمیشہ ایک امام رہتا ہے جو اس دنیاوی قوت کے لحاظ سے جو اس کے قبضے میں ہوتی ہے یا تو ظاہر ہو جاتا ہے یا پوشیدہ رہتا ہے۔ ہر سچے مسلمان کو امام وقت کا جاننا ضروری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت امام باقرؑ نے فرمایا "اسلام کی بنیاد سات ارکان پر ہے جن میں سے خاص رکن امامت ہے"[1] الکلینی بیان کرتا ہے کہ اسلام کے ستون تین ہیں: نماز۔ عشر۔ امامت۔ ان تینوں پر عمل کرنا ضروری ہے اگر کسی ایک پر عمل کیا جائے اور باقیوں پر نہ کیا جائے تو وہ عمل بھی قابل قبول نہ ہوگا۔[2]

شیعہ حضرات رسول اکرم صلعم سے مندرجہ ذیل دو احادیث منسوب کرتے ہیں:
جو شخص امام وقت کو جانے پہنچانے بغیر مر جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرا"۔[3]
"اے علی تم اور تمھاری اولاد میں سے جو امام ہوں گے وہ جنت اور دوزخ کے درمیان خدا کے اعراف ہوں گے۔"[4]

وصی اور اماموں کی اطاعت بلا شرط ہر شخص پر لازمی ہے بقول ابی جعفر محمد بن علی۔ آیت: یاایہاالمومنون اطیعواللہ واطیع الرسول و اولی الامر منکم۔ میں "اولی الامر" سے مراد وصی اور امام ہیں۔[5]

انبیاء وصی اور امام کی معصومیت

شیعوں اور اسماعیلیوں دونوں کا عقیدہ ہے کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں کیونکہ اگر وہ معصوم نہ ہوں تو ان کا کوئی اعتماد قائم نہ ہو اور ان کا مبعوث ہونا بیکار ہو۔[6] اپنے اس عقیدے کو صحیح ثابت کرنے کے لیے شیعوں نے ان آیات قرآنی کے جن میں بعض انبیاء کی لغزشوں کا ذکر ہے خاص معنی کیے ہیں۔

وصی اور اماموں کو بھی ان ہی وجوہ کی بنا پر وہی درجہ حاصل ہے جو انبیاء کو[7] شیعہ اس میں یہ اضافہ کرتے ہیں کہ امام سردار ہیں دین کے اور ان کی ضرورت اس لیے ہے کہ وہ ظلم و نا انصافی کو روکیں اور لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور برائی سے نفرت دلائیں۔ مزید برآں وہ امام ہی ہے جو دین کی تفسیر پیش کرتا ہے اور گنہگاروں کو سزا دیتا ہے۔ لہذا ایسے شخص کے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ

۱۔ "دعائم الاسلام"؛ "تاویل دعائم الاسلام" جلد ۱، غیر مطبوعہ۔
۲۔ "اصول الکافی" (غیر مطبوعہ)۔
۳۔ "المجالس المویدیہ جلد ۱ (غیر مطبوعہ)۔
۴۔ "دعائم الاسلام"
۵۔ ایضاً۔
۶۔ "الشیعہ" (محمد الصدر)، صفحہ ۱۱۷۔
۷۔ "منتہی المراد" (الموسوی)، غیر مطبوعہ مصر۔

Marfat.com

گناہ کی طرف مائل ہو۔[1] شیعوں نے اس خیال کو اور قوت پہنچانے کے لیے مزید دلائل پیش کیے ہیں جن کی چند مثالیں درج کی جاتی ہے:

(۱) انما یریداللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا (احزاب ۳۳) (اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے گھر والو تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو پاک صاف رکھے)

(۲) علی، حسن، حسین اور حسین کی اولاد میں سے نو افراد اور میں خود پاک اور معصوم ہیں (حدیث)۔[2]

(۳) امام کبھی کوئی غلطی نہیں کرتا اور وہ ہمیشہ گناہ سے بری ہے امام بے عیب ہوتا ہے اور وہ خطا کار بھی نہیں ہوتا۔[3]

امام کی ادعائی اہلیت

اسماعیلی اماموں کو کبھی معمولی انسان تصور نہیں کیا گیا ان میں ایک خاص اہلیت اور استعداد مانی جاتی ہے جس نے ان کو نہ صرف پیغمبروں بلکہ خدا کے درجہ تک پہنچا دیا ہے۔[4] یہاں ہم نہایت مستند ماخذوں سے چند تفصیلات پیش کرتے ہیں۔

اللہ نبیوں اور اماموں کو وہ علم دیتا ہے جس کی انہیں ضرورت ہوتی ہے۔[5] امام کو اپنی موت کا وقت معلوم ہوتا ہے ارر اس کی مرضی کے بغیر اس کی موت نہیں آتی۔ جن معلومات کی اسے ضرورت ہوتی ہے فرشتے اس کے پاس پہنچا دیتے ہیں۔ دنیا میں خدا کے نمائندے امام ہی ہوتے ہیں اور ان ہی کی معرفت لوگوں کی خواہشات خدا تک پہنچائی جا سکتی ہیں۔[6]

دنیا امام ہی کے لیے پیدا کی گئی ہے۔[7] لوگوں کے دلوں کا حال انہیں معلوم ہو جاتا ہے۔[8] اگر وہ چاہیں تو خدا کسی کے گناہ معاف کر سکتا ہے[9] اور فرشتے ان کی

۱- ''ارشادالبشر'' (سلیمان بن الحسین) غیر مطبوعہ، ''اعتقادالصدوق'' (ابو جعفر القمی)
۲- ''منتہی المراد'' (غیر مطبوعہ)۔
۳- ایضاً

۴- حال ہی میں اس اسماعیلی دعوے کی جو تاویل کی گئی ہے وہ یہ ہے: خدا کے نہ تو اسماء ہیں اور نہ اوصاف۔ اس قسم کے اسماء اور اوصاف کو قلم سے منسوب کرنا چاہیے جس کی مثل امام ہے۔ (ملاحظہ ہو ''نظریہ المثل والممثول'' از ڈاکٹر کے۔ حسین) لہذا امام قلم کے اسماء و اوصاف رکھ سکتے ہیں۔ (''دیوان المؤید'')۔
۵ - ''اصول الکافی'' (الکلینی)
۶ - ایضاً۔
۷ - ایضاً۔
۸ - ''منتہی المراد'' (الموسوی)
۹- ایضاً۔

خدمت کے لیے حاضر رہتے ہیں ۔[1]

امام کے حکم کی تعمیل اس طرح کرنا چاہیے گویا کہ وہ خدا کا حکم ہے ۔ امام جن کو دعا دیتا ہے ان پر خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے ۔ اور جن کو بد دعا دیتا ہے ان پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے ۔[2]

امام خدا کا چہرہ ہیں اور اس کے ہاتھ ہیں ۔ امام نور ہوتے ہیں جو ان کے جانشینوں میں منتقل ہو جاتا ہے ۔[3]

قرآن اور حدیث کے ظاہری و باطنی معانی کو قبول کرنا

یہی چیز ہے جو اسماعیلی فرقے کو دوسرے اسلامی فرقوں سے جدا کرتی ہے ۔ اس اصول کے تحت اسماعیلیوں کو یہ موقع حاصل ہے کہ قرآن اور حدیث کو اپنی ضرورت کے مطابق موضوع کر لیتے ہیں اور دو معنی کے اصول کے تحت انہوں نے اپنا مخصوص عقیدہ قرآن اور حدیث ہی سے اخذ کر لیا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ ''ظاہری و باطنی معنی پر پورا پورا یقین رکھنا ایسا ضروری ہے جیسا روح اور جسم پر یقین رکھنا'' ۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ''اس سے دنیاوی فوائد حاصل کرنے اور اس حسین دنیا سے لطف اندوز ہونے میں مدد ملے گی ۔[4] اس اصول کو مانے بغیر اور اس پر عمل کیے بغیر خدا کو پوجنا بے کار ہے ۔[5]

النعمان کا قول ہے کہ ''ظاہری معنی گویا اسلام ہے اور باطنی معنی ایمان اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں'' ۔[6] مزید براں قرآن پاک کی آیت اسبغ علیکم نعمه ظاهرة وباطنه لقمان ۲)(اللہ نے تم پر اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں پوری کر رکھی ہیں) کا مطلب وہ اپنے عقیدے کے مطابق یہ لیتے ہیں کہ اللہ دین کی تفسیر و توضیح کے لیے پیغمبر کو مبعوث کرتا ہے اور دین کی باطنی تفسیر کے لیے وصی اور اساسوں کو بھیجتا ہے ۔

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے ہم چند مثالیں قرآن کی اسماعیلی تفسیر کی پیش کرتے ہیں :

۱۔ ولقد اتینك سبعاً من المثانی (حجر ۔۸۷) (اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو (نماز میں) مکرر پڑھی جاتی ہیں) ۔

اسماعیلی : ''تمھارے لیے سات امام مقرر کیے ۔[7]

۱۔ ''منتهی المزاد'' (الموسوی) ۔

۲۔ ''الرسالة الوضیه'' (الکرمانی) غیر مطبوعه ۔

۳۔ ''المجالس المویدیه'' (غیر مطبوعه)

۴۔ المجالس المستنصریه'' (داعی الدعات) صفحه ۲۷ ۔

۵۔ ایضاً ، صفحه ۲۹ ۔

۶۔ ''تاویل دعائم الاسلام'' جلد ۱ (غیر مطبوعه) ۔

۷۔ ''اساس التاویل الباطن'' (غیر مطبوعه) ۔

Marfat.com

۲- ماننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا (بقرہ ۱۰۶) (ھم کسی آیت کا حکم جوموقوف کر دیتے ھیں یا اس آیت ھی کو فراموش کر دیتے ھیں تو ھم اس آیت سے بہتر یا اس آیت ھی کی مثل لے آتے ھیں)۔
اسماعیلی : جب ایک امام کی وفات ھو جاتی ھے تو اس ھی جیسا یا اس سے بہتر امامت پر مقرر کیا جاتا ھے۔[1]

۳- والذین کذبو بایتنا و استکبرو عنھا اولئک اصحب النار ھم فیھا خالدون (اعراف : ۳۶)۔
اور جو لوگ ھمارے احکام کو جھوٹا بتاویں گے اور ان سے تکبر کریں گے وہ لوگ دوزخ والے ھوں گے وہ اس میں ھمیشہ ھمیشہ رھیں گے)۔
اسماعیلی : لفظ آیتنیا سے مراد امام ھیں۔

امام اور قانون سازی

اسلامی تعلیمات اور اسلامی قانون کے اصل ماخذ قرآن و حدیث ھیں لیکن رسول اکرم صلعم کی وفات کے بعد بہت سے ایسے مسائل پیدا ھوئے جن کا براہ راست جواب ان ماخذوں سے حاصل نہ ھوسکا۔ ایسے معاملات میں سنی علمائے دین نے رائے اور قیاس پر عمل کیا یا یوں سمجھیے کہ اپنی بصیرت سے کام لیا یا اسی قسم کی دیگر نظائر کے مطابق فیصلہ کیا۔

شیعوں کو اس طریق عمل کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ جب بھی ضرورت ھوتی تھی ان کے اماموں کے پاس خدا کی طرف سے تازہ بہ تازہ ھدایات آتی رھتی تھیں۔
لہٰذا اسلامی تعلیمات کا تیسرا ماخذ امام کی احادیث قرار پائیں، حتیٰ کہ احادیث نبوی بھی اسی وقت قابل یقین قرار پائیں جب کہ وہ اسماعیلی اماموں میں ایک سے دوسرے تک منتقل ھوتی رھیں۔

اس مضمون کو ھم اس گفتگو پر ختم کرتے ھیں جو امام ابو حنیفہ رض اورامام جعفر کے درمیان ھوئی تھی:

امام جعفر : اے لقمان! تم اس مسئلہ کے متعلق کیا کرتے ھو جس کا قرآن اور احادیث سے کوئی جواب نہیں ملتا؟

ابو حنیفہ : میں تمثیلی استدلال کام میں لاتا ھوں۔

امام جعفر : یہ کام سب سے پہلے شیطان نے کیا تھا جب اس نے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور کہا تھا انا خیر منہ۔ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین (اعراف ۱۲) (میں اس سے بہتر ھوں آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے خاک سے پیدا کیا) - اس کا قیاس اسے دوزخ اور عذاب الٰہی کی طرف لے گیا۔[2]

۱- ''المجالس المویدیہ'' جلد ۱ (غیر مطبوعہ)۔
۲- ''دعائم الاسلام'' (غیر مطبوعہ)۔

Marfat.com

اسماعیلی فقه کی مثالیں

۱- اسماعیلی اذان میں یہ جملہ زائد ہے - ''حی علی خیر العمل'' -[۱]
۲- نماز جمعہ کی دوسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھتے ہیں -[۲]
۳- نماز جنازہ میں تکبیر کی تعداد مردے کے مرتبہ کے مطابق گھٹتی بڑھتی رہتی ہے - لکھا ہے کہ المعز کا چچیرا بھائی مرا تو سات تکبیریں ہوئیں اور دوسروں کے لیے ان کی تعداد پانچ ہی رہی -[۳]
۴- عید کی نماز میں سورۃ فاتحہ سے پہلے اور بعد میں تکبیرات لازمی ہیں -[۴]
۵- رمضان اور شوال کے چاند دیکھنے کی ضرورت نہیں ان کا طریقہ یہ ہے کہ سنیوں سے ایک دو روز قبل روزے شروع کر دیتے ہیں اور ہمیشہ تیس روزے رکھتے ہیں -[۵]
۶- باپ کے مرنے کے بعد ترکے میں لڑکے اور لڑکی کا حصہ برابر ہوتا ہے -[۶]
۷- ہر شخص کو اپنی آمدنی کا پانچواں حصہ امام کو نذر کرنا لازمی ہے -[۷]

اسماعیلی مذہب کی تبلیغی جد و جہد

تبلیغ بذریعہ تعلیم :

مصر میں فاطمی حکومت قائم ہونے کے فوراً بعد مدرسے قائم کیے گئے جہاں اسماعیلی مذہب کی تعلیم دی جانے لگی ان مدارس کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھ گئی - الازہر کے زیر نگرانی کثرت سے مساجد تعمیر کی گئیں - دار العلم قائم کیا گیا اور محلات میں باقاعدہ درس دیا جانے لگا - ان مقامات پر وزرا ، داعی الدعات اور دیگر اہل علم اسماعیلی مذہب کی تعلیم دیا کرتے تھے - -

الازہر میں یعقوب بن کلس ایک بڑے مجمعے میں الرسالہ" الوزیریہ کا درس دیا کرتا تھا - وہ ایک بڑی ضخیم کتاب تھی جس میں فقہ اسماعیلی کے اصول درج تھے جو اس کے مولف نے اماموں سے سنے تھے اس مجمعے میں علمائے دینیات، قاضی اور محدثین بھی آتے تھے اور پھر اس تعلیم کو عوام میں پھیلاتے تھے -[۸]

۱- ''الدول المنتقطعه'' (ابن ظافر) ، غیر مطبوعه -
۲- ''الخطط'' جلد ۲ ، صفحه ۲۴۰ - ۲۷۰ -
۳- ایضاً ، صفحه ۳۵۳ -
۴- ایضاً ، صفحه ۴۵۱ -
۵- ''سیرت الموید فی الدین'' صفحه ۵ - ۶ -
۶- ''الخطط'' صفحه ۱۱۱ -
۷- ''کتاب الهمه'' (قاضی نعمان) ، صفحه ۶۶ - ۶۷ -
۸- ''الخطط'' صفحه ۳۴۱ -

Marfat.com

الازہر میں علی بن نعمان اپنے بے شمار سامعین کو اسماعیلی تصنیف ''الاقتصار'' پڑھایا کرتا تھا جسے وہ اپنے باپ کی تصنیف بتاتا تھا۔[1]

دار العلم کے متعلق ہم نے باب دوم میں تفصیلات درج کی ہیں ۔ الحاکم نے محض دکھانے کے لیے یہ پروپیگنڈا کیا تھا کہ یہ درس گاہ تمام اسلامی فرقوں کے لیے ہے۔ اور اس کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اس نے چند سنی علماء کا تقرر بھی کر دیا تھا لیکن کچھ عرصے کے بعد ان سب کو برخاست کر دیا گیا اور بعض کو قتل بھی کرا دیا گیا[2] اور پھر یہ مدرسہ محض اسماعیلی مذہب کی تعلیم کے لیے مخصوص ہو گیا اور کل انتظام داروبست داعی الدعات کے سپرد کر دیا گیا ۔[3]

خلیفہ کے محل میں بھی ایک کمرہ اس کام کے لیے تھا جسے ''المحول'' کہتے تھے۔[4] وہاں بھی اسماعیلی مذہب کی تعلیم کا انتظام تھا ۔ خلیفہ کی ہدایت کے مطابق قاضی نعمان جمعہ کے روز محل میں تقریر کیا کرتا تھا ۔ اس کی تقریر کا مضمون اور مسالہ خلیفہ ہی دیتا تھا ۔ اس تقریر کو سننے والوں کی اتنی کثرت تھی کہ ہال ناکافی تھا ۔[5]

محمد بن نعمان بھی خلیفہ کے محل میں اسماعیلی مذہب کی تبلیغ کیا کرتا تھا ۳۶۵ھ میں اس کے سامعین کی بڑی کثرت ہوا کرتی تھی ۔[6]

یہ اسباق چند کتابوں میں جمع کر دیے گئے تھے جن میں سے اکثر گم ہو گئیں ۔ لیکن اب بھی کافی تعداد میں موجود ہیں مثلاً ''اساس التاویل الباطن''، ''دعائم الاسلام''، ''تاویل دعائم الاسلام''، ''المجالس المویدیہ''، ''المجالس المستنصریہ'' اور ''المجالس و المسایرات''۔

ملک کے مختلف صوبوں میں داعی الدعاۃ کے نمائندے دعات کا تقرر ہوا کرتا تھا جو اسماعیلی مذہب کی تبلیغ و توضیح کے ذمہ دار تھے ۔[7]

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں مذہب کی تبلیغ تدریجاً ہوتی تھی اور لوگوں کی سمجھ اور معیار کے مطابق ہوا کرتی تھی ۔ عوام میں تو صرف ابتدائی اصول کی تبلیغ کی جاتی تھی پھر رفتہ رفتہ چند ایسے لوگ جو خوب پکے ہو جاتے تھے منتخب کر لیے جاتے تھے اور انھیں باطنی تعلیم دی جاتی تھی ۔[8]

۱- ''الخطط'' صفحہ ۱۴۳ ۔
۲- ''ابن تغری بردی'' جلد ۴ ، صفحہ ۲۲۳ ۔
۳- ''الخطط'' صفحہ ۱۵۸ ؛ ''صبح الاعشیٰ'' (قلقشندی) ، صفحہ ۳۵۶ ۔
۴- ''الخطط'' صفحہ ۳۹۰ ۔
۵- ''المجالس و المسایرات'' (غیر مطبوعہ) ۔
۶- ''الخطط'' صفحہ ۳۹۱ ۔
۷- ایضاً ، صفحہ ۳۹۱ ۔
۸- ایضاً ، صفحہ ۳۹۱ ۔

Marfat.com

تبلیغ بذریعه اشعار

اس زمانے کا براڈ کاسٹنگ اور پریس بس شاعری تھی اور به قول نکاسن شعراء ھی رائے عامه کے لیڈر تھے کسی حکومت کی موافقت یا مخالفت میں جو درجه سیاسی کتابوں یا پارٹی کی خطابت کو حاصل ھے وہ ان شعراء کے کلام کو حاصل تھا"[۱] ۔

فاطمی خلفاء اپنے اپنے شعرا پر انعام و اکرام کی ایسی فیاضانه بارش کرتے تھے که جس سے مذھب کی تبلیغ میں ان کی جد و جہد دو چند ھو جاتی تھی ۔ اگر کوئی اچھا شاعر خلیفه کی شان میں قصیده لکھتا اور اس میں اس کی فیاضی کا ذکر نه ھوتا یا اس سے مذھب کی تبلیغ نه ھوتی تو یه بڑے شرم کی بات تصور کی جاتی تھی ۔ اسی وجه سے فاطمی شعراء کا کلام اسماعیلی مذھب کا بہت بڑا ماخذ ھے ھم یہاں مشہور فاطمی شعراء کے کلام سے کچھ اقتباسات پیش کرتے ھیں :

از کلام ابن ھانی

ھو علة الدنیا و من خلقت له و لعلة ما کانت الاشیاء

ھر کام کی کوئی نه کوئی غایت ھوتی ھے لہذا یه دنیا بھی اس (خلیفه) کے لیے پیدا کی گئی ھے ۔

ھذا امین الله بین عباده و بلاده ، ان عدت الامناء

اگر نائبین کی کوئی حیثیت ھے تو وھی ھے جو رعایا میں اور الله کی دنیا میں الله کا نائب ھے ۔

فاسلم اذا راب المنیه حادث و اخلد اذا عتم النفوس فناء

سلامت رھو اگرچه باعث تخلیق ایک حادثه ھے اور حیات سرمدی حاصل کرو اگرچه لوگ فنا ھو جاتے ھیں ۔

والله علم لیس یحجب دونکم ولکنه عن سائر الناس محجوب

خدا کا علم تم سے پوشیده نہیں ھے لیکن سب لوگوں سے پوشیده ھے ۔

۱- *Literary History of the Arabs* ، صفحه ۲۷۱ ۔

Marfat.com

وانت سعد وارث الارض کلها فقد حم مقدور وقد خط مکتوب

تم سعد ہو تمام دنیا کے وارث اور یہ مقدر ہو چکا ہے ۔

حل برقادة المسیح حل بها آدم و نوح
حل بها الله ذو المعالی وکل شئی سواه ریح

حضرت عیسی رقادہ میں پہنچ گئے آدم و نوح دونوں آ گئے ہیں وہ جو آ گیا ہے اللہ تعالی ہے ۔ سوائے اس کے کچھ بھی نہیں ہے ۔

ما اجزل الله ذخری قبل رویة ولا انتفعت با ایمان و توحید

اس کی زیارت سے پہلے میری زندگی بے کار تھی اور نہ مجھے اپنے دین سے کوئی فائدہ پہنچاتھا اور نہ توحید سے ۔

امام له مما جهلت حقیقة و لیس له فیما علمت مزید

امام کو تمام چیزوں کا علم ہے جن سے معمولی آدمی ناواقف ہے ۔ جہاں تک میرا علم ہے اس کی برابری کوئی نہیں کرسکتا ۔

و ان الذی سماک خیر خلیفه لمجری القضاء الحتم حیث ترید

وہ جس نے تمھیں بہترین خلیفہ بنایا ہے تقدیر کو بھی تمھاری مرضی کے مطابق ڈھالتا ہے ۔

امام رایت الدین مرتبطاً به فطاعته فوز و عصیانه خسر

میں دیکھتا ہوں کہ دین اس امام سے وابستہ ہے ۔ نجات اُن ہی کی ہوگی جو اس کی اطاعت کرتے ہیں اور جو نافرمانی کرتے ہیں برباد ہو جائیں گے ۔

ماشئت لا ماشائت الا قدار فاحکم فانت الواحد القهار

وہ ہوا جو تم نے چاہا وہ نہیں ہوا جو حکم قضا تھا اب تم ہی فیصلہ کرو کہ تم ہی یکتا اور قادر مطلق ہو ۔

Marfat.com

هذا الذی ترجی النجاة بحبه ویه یحط الا صر والا وزرا

اس سے محبت کرو گے تو تمہاری نجات ہوگی اور وہ چاہے گا تو تمہارے گناہ معاف کردیے جائیں گے۔

هذا الذی ترجی شفاعته غداً حقاً و تخمدان تراه النار

درحقیقت یہی وہ شخص ہے کہ کل جس کی شفاعت کام آئے گی اور اسے دیکھ کر نار جہنم سرد پڑ جائے گی۔

انتم اجاء الا له و آله خلفاؤه فی ارضه الا برار

اے فاطمیو! تم اللہ کے حبیب ہو اور اس کے رشتے دار ہو اللہ کی دنیا میں تم ہی اس کے صالح خلیفہ ہو۔

شرفت بک الآفاق و انقسمت بک اله ارزاق و الا جال و الاعمار

دنیا کو تمہاری وجہ سے شرف حاصل ہے دولت اور زندگی تمہاری مرضی کے مطابق تقسیم کی جاتی ہے۔

فا فخر فمن انشائک الفردوس ان عدت و من احسانک التنزیل

تم جتنا فخر کرو کم ہے تم نے جو بے شمار عمارات بنائی ہیں فردوس بھی ان ہی میں سے ایک ہے اور قرآن تمہارا ایک تحفہ ہے۔

و علمت من مکنون علم الله ما لم یؤت فی الملکوت میکا ئیلا

اللہ کے راز ہائے سربستہ میں سے تمہیں وہ تک معلوم ہے جو میکائیل کو بھی معلوم نہیں۔

و متصل بین الا له وبینه فمر من الاسباب لم یتصرم

وہ اللہ سے متصل ہے اور دونوں کے درمیان مفاہمت کا ایک رشتہ ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔

Marfat.com

ماذا ترید من الکتاب نواصب و له ظهور دونها و بطون

تم قرآن سے کیا چیز سمجھنے کی کوشش کر رہے ہو وہ ایک ایسی کتاب ہے جس کے معنی کچھ ظاہر ہیں کچھ پوشیدہ ہیں ۔

لو کان رأیک شائعاً فی امۃ علموا بما سیکون قبل یکون

اگر تمہارے علم کو عوام کھلم کھلا دیکھ لیں تو ان کو قبل از وقت مستقبل کا حال معلوم ہو جائے ۔

ھو الوارث الارض و الدین اب مصطفی عن و اب مرتضیٰ

اسے ترکہ میں دنیا دو باتوں سے ملی ہے ایک مصطفےٰ اور دوسرے مرتضیٰ

شھیدی علی ذاک حکم النبی بین المقام [و بین الصفا

اس کی حتمی شہادت وہ فیصلہ ہے جس کا اعلان پیغمبر صلعم نے مقام اور صفا کے درمیان کیا تھا ۔ (غدیر میں)

از کلام امیر تمیم

و انک انت المصطفیٰ الملک الذی بطاعتہ من ربنا تتقرب

یقیناً آپ ہی برگزیدہ خلیفہ ہیں جن کی اطاعت کرنے سے ہمیں قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے ۔

و لو لاک کان الملک فی اھاہ و کان علی افق الشریعۃ غیھب

اگر آپ نہ ہوتے تو خلافت نا اھل کے ھاتھ پڑ جاتی اور اگر ایسا ہو جاتا تو دین کے افق پر تاریکی چھا جاتی ۔

لو لا العزیز امین اللہ مائجات نفسی الاملجاؤ منہ ولا وزر

العزیز خلیفۃ اللہ کے بغیر نہ تو مجھے خدا سے رجوع کرنے کی جرأت ہوتی اور نہ میں اللہ کی مدد کا متلاشی ہوتا ۔

یابن الائمه و الهادین متصلا بصفوة الله اهل الوحی والسور

اے بیٹے اماموں کے اور ان ھادیوں کے جن کا سلسلہ ان پیغمبر خدا صعلم سے چلتا ہے جن پر اللہ کی وحی نازل ہوئی ۔

ما انت دون ملوک العالمین سوے روح من القدس فی جسم من البشر

دنیا کے بادشاهوں میں تم ہی ایسے ہو کہ جس کے جسم میں روح القدس ہے ۔

و انت بالله دون الخلق متصل و انت الله فیهم خیر مؤتمر

تمام انسانوں میں آپ ہی تنہا وہ شخص ہیں جس کا اللہ سے رابطہ ہے اور تمام انسانوں میں آپ ہی سب سے زیادہ خدا کے مطیع و فرماں بردار ہیں ۔

یا صفوة الله من بریته و سر علیا ئه الذی ظهرا

خدا کی تمام مخلوق میں تم ہی برگزیدہ ہو اور تمہاری ذات خدا کی شان و شوکت کا مظہر ہے ۔

یا حجة الله التی اشرقت فینا و یا صاحب کنز الجبار

تم حجت الٰہی ہو اور ہمارے درمیان نور پاشی کرتے ہو اور علوم کا خزانہ تمہارے قبضے میں ہے ۔

و یاهدی من ضل عن رشده واشتبه الحق علیه فجار

جو گنہگار ہیں اور حق کے متعلق شک و شبہ میں مبتلا ہیں اور نا انصافیاں کرتے ہیں آپ انہیں صحیح راستے پر لے جاتے ہیں ۔

ابوک جلا الظلم و البغی عن شرائع الدین و انت المنار

تمہارے باپ دین سے غیر منصفانہ خیالات دور کرتے ہیں اور تم نور ہو ۔

Marfat.com

بدت لک آیات علیلک شواهد بانک انت المصطفی من اولی الامر
کھلی شہادت موجود ہے کہ تمہیں برگزیدہ اماموں میں سے چنا گیا ہے ۔

وانک انت الخامس القائم الذی تدین له ارض العراقین بالقسر
تم پانچویں امام ہو اور ارض عراق کو تمہاری اطاعت کرنا لازم ہے ۔

و انک مہدی الائمة کلہم وصاحب ذا الوقت المسمی و ذالعصر
تم تمام اماموں کے اوپر مہدی ہو اوریہ عہد تمہارا عہد ہے ۔

یا حجة الرحمن عند عبادہ و شہابہ فی کل امر مقبل
من لم یکن فی صومہ متقرباً بک لاله فصومه لم یقبل
خدا کے بندوں میں تم خدا کی محبت ہو تم تمام مبہم اور گنجلک معاملات پر روشنی ڈالتے ہو جو کوئی تمہاری اطاعت نہ کرے لیکن روزہ رکھے تو اس کا روزہ قبول نہ ہو گا ۔

از کلام موئید

بنفسی مستنصراً با لا له جنود السماله ناصره
میں مستنصر باللہ کے لیے اپنی جان پیش کرتا ہوں وہ اللہ کے لشکر کی مدد سے فتح حاصل کرتا ہے ۔

شہدت بانک وجه الا له وجوه الموالی به ناضره
میں شہادت دیتا ہوں کہ تو وجہ اللہ ہے جس سے تیرے موالیوں کے چہرے روشن ہیں ۔

وهم اولو الامر ائمة الهدی عصمة من لا ذبهم من الردی
امام ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں اور نیک راستہ پر سب کو چلاتے ہیں جو بھی ان کی طرف رجوع کرے گا پورے طور پر حفاظت میں رہے گا ۔

Marfat.com

مفروضه طاعتهم علی الامم قاطبه من عرب و من عجم

ان کی اطاعت بلا استثناء تمام لوگوں پر فرض ہے خواہ عربی ہو یا عجمی ۔

اقراء اطیعو اللہ والرسول ثم اولی الامر بہم موصولا

کہو ۔ اللہ کی اطاعت کرر اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی اطاعت کرو جن کو تم پر مامور کیا گیا ہے (امام) ۔

وجہک وجہ الا لہ المنیر و نورک من نورہ کالحجاب

تیرا چہرہ خدا کا چہرہ ہے اور تیرا نور خدا کے نور سے نکلتا ہے ۔

یداک ید اللہ مبسوطتان و انت لہ الجنب غیر ارتیاب

تیرے ہاتھ اللہ کے ہاتھ ہیں اور تو بلا شک اس کا مدد گار ہے ۔

و انت المثیب لاہل الثواب و انت المعاقب اہل العقاب

تو ہی ہے جو نیکوں کو جزا دے گا اور گنہگاروں کو سزا

قصر بہ یصلی السعیرہ عدوہ و الی الولی لہ نحن جنانہ

خلیفہ کے دشمنوں کے لیے محل دوزخ ہے لیکن اس کے ماننے والوں کے لیے جنت ۔

قد حلہ وجہ الا لہ و جنہ لسان صدق محمد جنانہ

اس میں خلیفہ رہتا ہے جو خدا کا چہرہ ہے اور اس کی قوت ہے ۔ وہ پیغمبر کی زبان ہے اور اس کا دماغ ہے ۔

ملک ملائکۃ السماء جنودہ وملوک من فوق الثری عبدانہ

وہ ایسا بادشاہ ہے کہ جس کے سپاہی بہشت کے فرشتے ہیں اور دنیا کے بادشاہ اس کے غلام ہیں ۔

Marfat.com

ایصح توحید بغیر ولائه و ولاؤه لکتابه عنوانه ؟

توحید کبھی قابل قبول نہ ہو گی جب تک خلیفہ کو نہ مانو گے زندگی کی کتاب کا سر ورق اطاعت خلیفہ ہونا ضروری ہے ۔

ام ھل القرآن کریم منزل فی بیته الا علیه بیانه ؟

اسی کی شخصیت ہے جو قرآن کریم کی تشریح و توضیح کر سکتی ہے ۔

معد امیر المومنین الذی بدا شہاباً یعنی ءالغرب و اشرق ثاقباً

امیر المومنین معدؑ ایک نور ہے جس سے مشرق و مغرب روشن ہیں

یقوم مقام الله بین عباده متیحاً لھم روح الحیات و سالباً

اپنے نوکروں کے درمیان اس کا درجہ مثل خدا کے ہے لہذا وہ ان کی جان بخشی کرتا ہے اور ان کی جان لے بھی سکتا ہے ۔

و تلقی النبی المصطفے ان لقیته خلائق لا ھوتیه و ضرائبا

تری منه ان صلی النبی مصلیا و تحسبه ان قام یخطب خاطبا

جب تم اس سے ملاقات کرتے ہو تو گویا پیغمبر صلعم سے ملاقات کرتے ہو اور جب کبھی تم نماز پڑھتے یا خطبہ دیتے دیکھتے ہو تو تم پیغمبر صلعم کے حضور میں ہوتے ہو ۔

تبلیغ چند مقدس ایام کی یادگار منانے سے

فاطمی اکثر مقدس ایام منایا کرتے تھے تا کہ لوگوں کے دلوں میں عقاید مذہب راسخ ہو جائیں اور غیر اسماعیلیوں کو مذہب میں آنے کی ترغیب ہو اس قسم کے مواقع سال میں اس طرح تقسیم کر دے گئے تھے کہ وقتاً فوقتاً تعلیمات مذہب کی تجدید ہوتی رہے ۔ یہاں چند ایسے یادگار ایام کی تفصیل دی جاتی ہے ۔

عید الغدیر

ان تہواروں میں عید غدیر سب سے بڑا تہوار تھا۔ اس کا یہ نام غدیر خم کی وجہ سے ہے۔ یہ مقام الجحفه سے تین میل کے فاصلے پر ہے اور اس تہوار کی تاریخ ۱۸ ذی الحجہ ہے۔

Marfat.com

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ رسول اکرم صلعم نے اپنا مشن اس اعلان پر پورا اور ختم کر دیا کہ علی دین کے لیے وصی ہیں ۔ اور یہ اعلان غدیر خم پر ۱۸ ذی الحجہ کو کیا گیا اسی لیے وہ دن خوشی کا دن ہے جس کی یاد منائی جاتی ہے ۔

مصر میں اس روز بڑی خوشی منائی جاتی تھی اسماعیلی اس روز حسب استطاعت اچھے سے اچھا لباس پہنتے تھے ۔ غلاموں کو آزاد کیا جاتا تھا اور قربانی ہوتی تھی جس کو غربا میں تقسیم کر دیا جاتا تھا' اس روز حتی المقدور ہر شخص زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرتا تھا ۔

خلیفہ اور امرا کے ساتھ تمام لوگ مسجد میں جمع ہوا کرتے تھے ۔ خطیب تقریر کرتا تھا اس تقریر میں وہ الفاظ دوہرائے جاتے تھے جو رسول اکرم صلعم نے حضرت علی سے کہے تھے ، جن سے وہ وصی ہوئے ۔ پھر قاضی القضاۃ نماز عید پڑھاتا تھا نماز کے بعد سب ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے اور پھر خوش و خرم اپنے اپنے گھر جاتے تھے ۔[۳]

یوم عاشورہ

یہ ۱۰ محرم کا دن ہے جس روز امام حسین علیہ السلام ۶۱ھ میں بنی امیہ کے ہاتھوں میدان کربلا میں شہید ہوئے تھے ۔ یہ بڑا غم و الم کا دن تھا ۔ فاطمی خلیفہ زمین پر بیٹھ کر آہ و بکا کیا کرتا تھا اور دوسرے لوگ روتے پیٹتے اس کے گرد جمع ہو جاتے تھے ۔ قالینوں کی جگہ محل میں ریت بچھا دی جاتی تھی کھانے میں صرف مسور کی دال اور پیاز کھائی جاتی تھی اس موقع پر جو تقریریں ہوتیں اور نظمیں پڑھی جاتیں ان میں غاصبین خلافت پر تبرا کیا جاتا تھا ۔ کیوں کہ شیعہ عقیدہ کے مطابق خلافت صرف حضرت علی اور ان کی اولاد کے لیے مخصوص تھی جن کو خدا نے اس لیے منتخب کر لیا تھا اور اس کے رسول نے اس کا اعلان کر دیا تھا ۔ مسجد میں ان تقاریر کے بعد مجمع شہر کی سڑکوں پر بکا کرتا ہوا منتشر ہو جاتا تھا ۔[۴]

ایام ولادت

فاطمیوں میں چھ ایام ولادت منائے جاتے تھے ۔ یوم ولادت آنحضرت صلعم ، یوم ولادت حضرت علی ، یوم ولادت حضرت فاطمہ ، یوم ولادت حضرت امام حسن یوم ولادت حضرت امام حسین اور یوم ولادت خلیفہ وقت ۔ ان میں سے ہر دن پر مٹھائی تقسیم کی

۱۔ ۵۱۵ھ میں اونٹ ، گائیں اور بھیڑیں ۳۵۶۱ کی تعداد میں خلیفہ کے محل میں قربان کی گئیں اور خلیفہ نے اپنے ہاتھ سے قربانی کی (الخطط) ۔

۲۔ "الخطط" صفحہ ، ۳۸۸ ۔

۳۔ ایضاً ، صفحہ ، ۳۸۹ ۔

۴۔ ایضاً ، صفحہ ۴۳۰ ۔

Marfat.com

جاتی مساجد میں تقاریر ہوتیں اور اس طرح تبلیغ مذہب کی جاتی تھی ۔[1]

تبلیغ مذهب صرف اسماعیلیوں کو ملازمتوں میں لینے سے

یہ ایک قدرتی بات تھی کہ فاطمی خلفا انتظام مملکت میں سنی مسلمانوں پر بھروسہ نہیں کرتے تھے کیوں کہ بہ قول ابن منجب ایک اسماعیلی ملازم کے نزدیک اسماعیلی عقاید خود اسلام سے کم نہ تھے ۔[2] فاطمی خلفا اپنے ہم مذہبوں ہی پر بھروسہ کرتے تھے اور یہ لوگ چوں کہ اسماعیلی مذہب کے لیے لڑائیاں بھی لڑچکے تھے لہٰذا انعام کے امید وار تھے لیکن فتح مصر کے فوراً بعد ہی اس پر عمل درآمد مشکل تھا کیوں کہ اس سے مصریوں میں نفرت پھیل جانے کا اندیشہ تھا ۔ ابتداً فاطمی خلفا نے نرم پالیسی اختیار کی اور بڑے بڑے عہدوں پر پرانے ملازمین ہی کو برقرار رکھا ۔[3]

پھر فاطمی خلفاء نے رفتہ رفتہ سنی مسلمانوں کے اثر و رسوخ کو کم کرنا شروع کیا اور کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ تمام کاروبار حکومت اسماعیلیوں کے ہاتھ میں آ گیا ۔

وزارت پر یعقوب بن کلس کا قبضہ رہا یا کسی اور اسماعیلی کے پاس قلم دان وزارت رہا ۔ قاضی القضاۃ کے عہدے پر بھی اسماعیلیوں ہی کا تقرر ہوتا رہا ۔[4]

النعمان اور الفاروقی خاندان کے افراد عرصہ تک اس عہدہ پر قابض رہے[5] شاذ و نادر ہی یہ عہدہ کسی سنی کو ملا لیکن اسے بھی اپنے فیصلے اسماعیلی قانون کے مطابق کرنے پڑتے تھے ۔ مثلاً جوہر نے یہ عہدہ ابو طاہر محمد بن احمد کے پاس اس شرط پر چھوڑا تھا کہ ترکہ ، طلاق اور آغاز رمضان سے متعلق فیصلے اسماعیلی قانون کے مطابق کرنے ہوں گے[6] اور جب احمد بن ابی العوام حنبلی کو یہ عہدہ ملا تو خلیفہ الحاکم نے یہ شرط لگا دی تھی کہ فیصلے کے وقت چار اسماعیلی اسیسروں سے مشورہ کرنا لازمی ہوگا ۔[7] ایک سنی عالم ابوالعباس احمد کو یہ عہدہ پیش کیا گیا لیکن چونکہ انھوں نے مقدمات کے فیصلے اپنے مذہب کے مطابق کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو یہ پیش کش واپس لے لی گئی ۔[8]

بنی عبدالسمیع بھی جن کے پاس خطابہ رہ گیا تھا معزول کر دیے گئے اور ان کی بجائے اسماعیلیوں کا تقرر ہوا ۔[9]

١۔ ''الخطط'' صفحہ ، ٣٣٢ ۔

٢۔ ''قانون الرسائل'' صفحہ ٩٥ - ٩٧ ۔

٣۔ جعفر ابن الفرات وزارت پر ابو طاہر محمد بن لحمد عہدہ قاضی القضاۃ پر بدستور فائز رہے اور خطابہ بنی عبدالسمیع کے ہی پاس رہا ۔

٤۔ فاطمی وزراء اور قاضیوں کے لیے ملاحظہ ہو ''حسن المحاضرہ'' صفحہ ١٠١-١٢٩-

٥ - تا ٧- ''رفع الاصر'' (ابن حجر) غیر مطبوعہ الدول المنقطعہ (ابن ظافر)

٨۔ ''حسن المحاضرہ'' صفحہ ١٠٤ ۔

٩ - 'ابن دقماق' صفحہ ٦١ ۔

Marfat.com

داعی الدعات اور داعی کے عہدے تو خالص اسماعیلی ہی تھے ان پر وہی لوگ مقرر کیے جاتے تھے -

وزیر کو داعی الدعات اور قاضی القضاۃ کو اپنے مددگار اور دوسرا عملہ اسماعیلیوں ہی میں سے منتخب کرنا لازمی تھا - نتیجہ یہ ہوا کہ نوکری کے لالچ میں لوگوں نے اسماعیلی مذہب اختیار کرنا شروع کر دیا -

اہالیان مصر اور اسماعیلی مذہب

فاطمی عہد میں حکومت کے دباؤ[1] اور پروپیگنڈے سے متاثر کر مصریوں نے حاکم وقت کا مذہب محض دکھانے کے لیے قبول کر لیا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے انھوں نے کبھی دل سے اسماعیلی مذہب قبول نہیں کیا - فاطمی خاندان کے زوال پر اسماعیلی تحریک ختم ہوگئی اور پھر کبھی نہ ابھری - مصریوں نے ایوبی خاندان کے عروج سے فائدہ اٹھا کر اسماعیلی مذہب کا جوا اتار پھینکا - ابن و اصل نے ان بارہ شیعوں کا حال لکھا ہے ، جنھوں نے ایک سہم کے باعث صلاح الدین کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر قاہرہ کی سڑکوں پر چلا چلا کر لوگوں سے تعاون کی اپیل کی تا کہ فاطمی تحریک کو دوبارہ زندہ کیا جائے لیکن کسی نے ان کی اپیل پر کان نہ دھرے تو وہ خوف کے مارے بھاگ گئے -[2]

بہر حال صلاح الدین نے مصر میں اسماعیلی مذہب کا خاتمہ کر دیا - شیعہ مذہب کی جگہ سنی مذہب قایم کرنے میں اسے ذرہ برابر دقت نہ ہوئی - کچھ پس و پیش کے بعد اس نے احکامات جاری کیے کہ ایک خاص مسجد میں جب خطبہ پڑھا جائے تو خطبہ میں بجائے العضید کے نام کے المستبدع سنی خلیفہ بغداد کا نام پڑھا جائے- مسجد میں نمازیوں نے اس تبدیلی کا خیر مقدم کیا یہ تبدیلی کرنے کے احکامات جاری کر دیے گئے - صلاح الدین نے فاطمی امراء اور ان کے متوسلین کو بھی گرفتار کر لیا اور قاضی الفاضل کو قلم دان وزارت سپرد کر دیا گیا - اسماعیلی قاضی برخاست کر دیے گئے اور عدالتی کاروبار صدر الدین بن درباس کو سپرد کر دیا - وہ شافعی تھے لہذا انھوں نے شافعی فرقے سے اپنے مددگار منتخب کیے[3] اور خاص طور پر ایک مخالفانہ پروپیگنڈا شروع کیا گیا تا کہ لوگ سچا دین سیکھیں - بڑے پیمانے پر مصر میں مدارس قایم کیے گئے جن کا حال تفصیل سے ہم باب اول میں بتا چکے ہیں -

---

۱- ایسے واقعات کتابوں میں ملتے ہیں کہ اسماعیلی مذہب کے مخالفین پر سختیاں کی گئیں اور اذیت پہنچائی گئی اور بعض حالات میں مہلک نتائج نکلے -

۲- ''الروضتین'' صفحہ ۱۹۴ -

۳- ''الخطط'' صفحہ ۳۵۹ -

Marfat.com

کتابیات

یہاں صرف ان کتابوں کی فہرست دی جاتی ہے جن کے حوالے حاشیے پر جا بجا دیے گئے ہیں ۔ ان کے علاوہ جن کتب سے اس مقالے کی تیاری میں مدد ملی وہ اس فہرست میں درج نہیں ہیں ۔

مخطوطے اور فوٹو

۱- تمیم	دیوان‌الامیر - تمیم	ڈاکٹر کامل حسین
۲- الجاحظ	رسالۃ‌المعلمین	برٹش میوزیم
۳- جعفر بن منصور	الفترات والقرانات	ڈاکٹر کامل حسین (فوٹو)
۴- ابن‌الجوزی (سبط)	مراۃ‌الزمان	دارالکتب مصری
۵- ابوالحاج	الالف بالا البا	مکتبۂ با یزید - استامبول
۶- ابن حجر	رفع‌الاصر عن قضاۃ مصر	دارالکتب مصری
۷- ابن حجر	معجم ابن حجر	دارالکتب مصری
۸- ابن حجر	ابناءالغمر فی ابناءالعمر	دارالکتب مصری
۹- ابن حجر	تاویل‌التاسیس	دارالکتب مصری
۱۰- ابن حنزابہ	مجالس ابی مسلم	دارالکتب مصری
۱۱- ابن زولاق	اخبار سیبویہ‌المصری	مکتبۂ تیمور دارالکتب مصری
۱۲- سبط بن‌العجمی	کنوزالذہب فی تاریخ حلب	ڈاکٹر سامی‌الدہان
۱۳- السلفی	اصول سماعات ابی الحسن	مکتبہ پروفیسر آربری
۱۴- سلیمان بن احمد	ارشادالبشر	مکتبۂ آل کاشف الغطاء- نجف
۱۵- السیوطی	نزہۃ‌الجلساء فی اخبارالنساء	مکتبہ الظاہریہ دمشق
۱۶- ابن شاد (محمد بن علی)	الاعلاق الخطیرہ	لاہائی

Marfat.com

۱۷- الصابی	رسوم دار الخلافہ	عراق میوزیم
۱۸- الصفدی	التذکرۃ الصلاحیہ	مکتبہ پروفیسر آربری
۱۹- طاش کبریٰ زادہ	رسالہ فی علم الادب	عراق میوزیم
۲۰- ابن ظافر	تاریخ الاول المنقطعہ	برٹش میوزیم
۲۱- ابن عبدالبر	ادب المجالسہ	دارالکتب مصری
۲۲- علی بن حنظلہ	عقاید الاسماعیلیہ	استاد عباس العزاوی ۔ بغداد
۲۳- عمارۃ الیمنی	النکت العصریہ	دارالکتب مصری (فوٹو)
۲۴- ابن عتبہ	عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب	مکتبۂ اوقاف ۔ بغداد
۲۵- العینی	عقد الجمان	دارالکتب مصری
۲۶- القالیسی	الفضلہ	ڈاکٹر احمد فواد اہوانی
۲۷- ابن قاضی شہید	مناقب الشافعی و اصحابہ	مکتبہ ظاہریہ ۔ دمشق
۲۸- القمی	اعتقاد الصدوق	مکتبہ آل کاشف الغطاء ۔ نجف
۲۹- الکرمانی	الرسالۃ الوضیہ	ڈاکٹر کامل حسین
۳۰- الکلینی	اصول الکافی	دارالکتب مصری
۳۱- المؤید فی الدین	المجالس المؤیدیہ	ڈاکٹر کامل حسین
۳۲- الموسوی	منتہی المراد	دارالکتب مصری
۳۳- النعمان بن محمد (داعی الدعاۃ)	دعائم الاسلام	دارالکتب مصری (فوٹو)
۳۴- النعمان بن محمد (داعی الدعاۃ)	تاویل دعائم الاسلام	مکتبہ جامعہ قاہرہ
۳۵- النعمان بن محمد (داعی الدعاۃ)	اساس التاویل الباطن	دارالکتب مصری
۳۶- النعمان بن محمد (داعی الدعاۃ)	المناقب والمثالب	دارالکتب مصری
۳۷- النعمان بن محمد (داعی الدعاۃ)	المجالس والمسائرات	مکتبہ جامعہ قاہرہ (فوٹو)
۳۸- ابن واصل	مفرج الکروب فی اخبار بنی ایوب	جامعہ کیمبرج
۳۹- الولید بن بکر	الوجازہ فی صحۃ القول باحکام الاجازہ	استاد عباس العزاوی بغداد
۴۰- المولف غیر معروف	منہاج المتعلم	مکتبہ عثمانیہ حلب
۴۱- المولف غیر معروف	نصیحت الی ہارون الرشید	مکتبۂ جامعہ استامبول

Marfat.com

۴۲- المولف غیر معروف — فی اللبس — مکتبه اسعد افندی استامبول

کتب مطبوعه (عربی)

۴۳- ابن ابی اصیبعه — عیون الابناء — الناشر - اڈیٹر آگسٹ ملر - ۸۸
۴۴- ابن الاثیر — الکامل فی التاریخ — مطبوعه لیڈن ۱۸۵۱
۴۵- ڈاکٹر احمد امین — فجر الاسلام — قاهره سنه ۱۹۳۲
۴۶- ڈاکٹر احمد امین — ضحی الاسلام — قاهره سنه ۱۹۳۲
۴۷- ڈاکٹر احمد امین — ظهر الاسلام — قاهره سنه ۱۹۳۲
۴۸- ڈاکٹر احمد فواد اهوانی — التعلیم عند القالبی — الطبعة الاولی
۴۹- احمد بن یحیی المرتضی — المنیته والامل — حیدرآباد ۱۳۱۶ھ
۵۰- اسعد طلس — ذیل ثمار المقاصد — الطبعة الاولی
۵۱- ابن الانباری — طبقات الادبا — قاهره سنه ۱۲۹۴ھ
۵۲- البخاری — صحیح البخاری — لیڈن سنه ۱۸۶۲ع
۵۳- ابن بشکوال — الصله — میڈرڈ سنه ۱۸۸۲ع
۵۴- ابن بطوطه — تحفة النظار — پیرس سنه ۱۸۵۳ع
۵۵- البلاذری — فتوح البلدان — قاهره سنه ۱۳۵۰ھ
۵۶- بهاءالدین العاملی — الکشکول — قاهره سنه ۱۳۰۵ھ
۵۷- البیهقی — المحاسن والمساوی — لیپزک سنه ۱۳۲۰ھ
۵۸- ابن تغری بردی — النجوم الزاهره — قاهره سنه ۱۹۳۸ع
۵۹- الثعالی — یتیمة الدهر — دمشق سنه ۱۳۰۵ھ
۶۰- الجاحظ — الحیوان — ناشر استاد عبدالسلام هارون سنه ۱۹۳۸ع
۶۱- الجاحظ — البیان والتبیین — قاهره سنه ۱۳۳۲ھ
۶۲- الجاحظ — التاج فی اخلاق الملوک — قاهره سنه ۱۹۱۴ع
۶۳- الجاحظ — رسائل الجاحظ — ناشر - سندوبی
۶۴- ابن جبیر — الرحله — لیڈن سنه ۱۹۰۷ع
۶۵- ابن جماعه — تذکرة السامع والمتکلم فی ادب العالم والمتعلم — حیدرآباد سنه ۱۳۵۳ھ
۶۶- الجهشیاری — کتاب الوزرا والکتاب — قاهره سنه ۱۹۳۸ع
۶۷- جورجی زیدان — تاریخ التمدن الاسلامی — قاهره سنه ۱۹۰۲ع

Marfat.com

۶۸- ابن الجوزی (عبدالرحمان)	المنتظم	حیدرآباد سنہ ۱۳۵۹ھ
۶۹- ابن الجوزی (عبدالرحمان)	اخبار الحمقی و المغفلین	دمشق ۱۳۴۸ھ
۷۰- ابن الجوزی (عبدالرحمان)	مناقب بغداد	بغداد سنہ ۱۳۴۲ھ
۷۱- ابن الجوزی (عبدالرحمان)	صید الخاطر	قاہرہ سنہ ۱۹۲۷ع
۷۲- ابن الحاج (العبدری)	المدخل	قاہرہ سنہ ۱۹۲۹ع
۷۳- حاجی خلیفہ	کشف الظنون	لیپزگ سنہ ۱۸۲۵ع
۷۴- ابن حجر	الاصابہ فی تمیز الصحابہ	کلکتہ سنہ ۱۸۷۳ع
۷۵- ابن حجر	الدرر الکامنہ	حیدراباد سنہ ۱۳۴۹ھ
۷۶- ابن حجة الحموی	ثمرات الاوراق (علی ہامش المستطرف)	قاہرہ سنہ ۱۳۰۸ھ
۷۷- الحریری	المقامات	قاہرہ سنہ ۱۲۶۶ھ
۷۸- ڈاکٹر حسن ابراہیم	الفاطمیون فی مصر	قاہرہ سنہ ۱۹۳۲ع
۷۹- ڈاکٹر حسن ابراہیم	تاریخ الاسلام السیاسی	قاہرہ سنہ ۱۹۳۰ع
۸۰- حسین الاصفہانی	محاضرات الادبا	قاہرہ سنہ ۱۲۸۷ھ
۸۱- ابن حنبل	المسند	قاہرہ سنہ ۱۳۱۳ھ
۸۲- ابن حوقل	کتاب صورة الارض	لیڈن سنہ ۱۹۳۸ع
۸۳- ابو حیان التوحیدی	الامتاع والموانسہ	قاہرہ سنہ ۱۹۳۹ع
۸۴- ابوحیان التوحیدی	الصداقہ و الصدیق	قاہرہ
۸۵- ابوحیان التوحیدی	المقالیات	قاہرہ سنہ ۱۹۲۹ع
۸۶- الخطیب البغدادی	تاریخ بغداد	قاہرہ سنہ ۱۳۴۹ھ
۸۷- الخطیب البغدادی	تقیید العلم	دمشق سنہ ۱۹۴۹ع
۸۸- ابن خلدون	المقدمہ	ناشر عبدالرحمان بن محمد
۸۹- ابن خلدون	العبر	قاہرہ سنہ ۱۲۸۴ھ
۹۰- ابن خلکان	وفیات الاعیان	قاہرہ سنہ ۱۲۷۵ھ
۹۱- خلیل طوطح	التربیتہ عند العرب	الطبعة الاولی
۹۲- الخیاط المعتزلی	الانتصار و الرد علی ابن الروندی ملحد	دارالکتب مصر سنہ ۱۹۲۵ع
۹۳- ابن دقماق	الانتصار	قاہرہ سنہ ۱۳۰۹ھ
۹۴- الذہبی	تاریخ الاسلام	حیدراباد سنہ ۱۳۳۷ھ

Marfat.com

۹۵- الزرقانی	شرح المواهب اللدنیه	قاهره
۹۶- الزرکشی	تاریخ الدولتین	تونس سنه ۱۲۸۹ھ
۹۷- الزرنوجی	تعلیم المتعلم	استامبول سنه ۱۲۹۲ھ
۹۸- زکریا الانصاری	اللولو النظیم فی روم التعلیم	قاهره سنه ۱۳۱۹ھ
۹۹- ڈاکٹر زکی مبارک	النثر الفنی	قاهره سئه ۱۹۳۴ع
۱۰۰- زین الدین العاملی	منیة المرید فی ادب المفید والمستفید	قاهره سنه ۱۹۴۶ع
۱۰۱- ابن الساعی	الجامع المختصر	بغداد سنه ۱۹۳۴ع
۱۰۲- السبکی	طبقات الشافعیة الکبری	قاهره سنه ۱۳۲۷ھ
۱۰۳- السبکی	معید النعم و مبید النقم	لیڈن سنه ۱۹۰۸ع
۱۰۴- ابن سحنون	آداب المعلمین	تونس سنه ۱۳۴۸ھ
۱۰۵- السخاوی	الضوء اللامع	قاهره سنه ۱۳۴۸ھ
۱۰۶- السمعانی	کتاب الانساب	گب میموریل ایڈیشن
۱۰۷- ابن سیده	المخصص	قاهره سنه ۱۳۱۶ھ
۱۰۸- ابن سینا	القانون	روما سنه ۱۵۹۳ع
۱۰۹- السیوطی	حسن المحاضره	قاهره سنه ۱۳۲۱ھ
۱۱۰- السیوطی	تاریخ الخلفا	دمشق سنه ۱۳۵۱ھ
۱۱۱- السیوطی	تبییض الصحیفه فی مناقب ابی حنیفه	حیدرآباد سنه ۱۳۳۴ھ
۱۱۲- السیوطی	بغیة الدعاة	قاهره سنه ۱۳۲۶ھ
۱۱۳- السیوطی	الاتقان فی علوم القران	قاهره سنه ۱۲۷۸ھ
۱۱۴- ابوشامه	الروضتین	قاهره سنه ۱۲۷۸ھ
۱۱۵- ابن شحنه	الدر المنتخب فی تاریخ حلب	بیروت سنه ۱۳۰۹ھ
۱۱۶- ابن شداد (بهاء الدین)	المحاسن السلطانیه	قاهره سنه ۱۳۱۷ھ
۱۱۷- شهاب الدین بن احمد	المستطرف فی کل فن مستظرف	قاهره سنه ۱۳۰۸ھ
۱۱۸- الشهرستانی	الملل والنحل	لیپزگ سنه ۱۹۳۳ع
۱۱۹- الشهید	المنیة فی آداب العلم	قاهره
۱۲۰- الشیرزی	نهایة الرتبه	قاهره سنه ۱۹۴۶ع
۱۲۱- صلاح الدین المنجد	خطط دمشق	بیروت سنه ۱۹۴۶ع
۱۲۲- طاش کبری زاده	مفتاح السعاده	حیدراباد سنه ۱۳۲۹ھ لیڈن سنه ۱۸۸۱ع
۱۲۳- الطبری	تاریخ الامم و الملوک	لیڈن سنه ۱۸۸۱ع

۱۲۴- ابن الطقطقی	الفخری فی آداب السطانیه والامم الاسلامیه	قاهره سنه ۱۹۲۳ع
۱۲۵- ابن طولون الصالحی	القلائد الجوهریه	دمشق سنه ۱۹۳۹ع
۱۲۶- ابوالطیب محمد	الموشی	لیڈن سنه ۱۳۰۲ھ
۱۲۷- ابن ظافر	بدائع البدائه	قاهره سنه ۱۲۶۸ھ
۱۲۸- عباس العزاوی	العراق بین احتلالین	بغداد
۱۲۹- ابن عبدالبر	جامع بیان العلم	قاهره سنه ۱۹۳۷ع
۱۳۰- ابن عبدالحق البغدادی	مراصد الاطلاع	بغداد
۱۳۱- ابن عبدالحکم	سیرة عمر بن عبدالعزیز	قاهره سنه ۱۹۲۷ع
۱۳۲- ابن عبدربه	العقد الفرید	قاهره سنه ۱۹۱۳ع
۱۳۳- عبدالرزاق الحصان	الحسبه	بغداد سنه ۱۹۳۶ع
۱۳۴- عبداللطیف البغدادی	الافاده والاعتبار	ناشر فولڈر
۱۳۵- عبدالله بن بشر	حق الیقین	صیدا سنه ۱۳۵۳ھ
۱۳۶- عبدالله عفیفی	المرأة العربیه	قاهره سنه ۱۹۳۵ع
۱۳۷- ابن عبدون	رساله ابن عبدون	جرنل ایشیاٹک سنه ۱۹۳۴ع
۱۳۸- ابن العبری	تاریخ مختصر الدول	بیروت سنه ۱۸۹۰ع
۱۳۹- ابن العربی	احکام القرآن	قاهره
۱۴۰- ابن عساکر	تاریخ دمشق	دمشق سنه ۱۳۳۲ھ
۱۴۱- ابن العماد	شذرات الذهب	قاهره سنه ۱۳۵۰ھ
۱۴۲- عمادالدین الاصفهانی	تاریخ آل سلجوق	لیڈ - اے - جی - برل سنه ۱۸۸۹ع
۱۴۳- الغزالی	احیاء علوم الدین	قاهره سنه ۱۳۰۶ھ
۱۴۴- الغزالی	الرسائل العشره	قاهره سنه ۱۹۳۴ع
۱۴۵- الغزالی	الجام العوام	قاهره سنه ۱۳۰۶ھ
۱۴۶- الغزی	نهر الذهب فی تاریخ حلب	حلب ۱۳۶۲ھ
۱۴۷- ابن الفقیه	کتاب البلدان	لیڈن سنه ۱۳۰۳ھ
۱۴۸- ابوالفدا	البدایه والنهایه	قاهره سنه ۱۳۵۱ھ
۱۴۹- ابوالفرج الاصفهانی	الاغانی	الساسی
۱۵۰- ڈاکٹر فرید رفاعی	عصر المامون	الطبعة الاولی
۱۵۱- ابن الغوطی	الحوادث الجامعه	بغداد سنه ۱۳۵۱ھ

Marfat.com

۱۵۲- القالی	الامالی	قاہرہ سنہ ۱۳۴۸ھ
۱۵۳- ابن قتیبہ	عیون الاخبار	قاہرہ سنہ ۱۹۲۸ع
۱۵۴- ابن قتیبہ	المعارف	قاہرہ سنہ ۱۳۰۰ھ
۱۵۵- القرشی	معالم القربہ	ناشر پروفیسر لیوی
۱۵۶- القزوینی	آثار البلاد و اخبار العباد	طبع الاولی
۱۵۷- القسطلانی	المواہب اللدینہ	طبع الاولی
۱۵۸- القفطی	اخبار العلماء باخبار الحکماء	لیپزگ سنہ ۱۳۲۰ھ
۱۵۹- القلقشندی	صبح الاعشیٰ	قاہرہ سنہ ۱۹۱۳ع
۱۶۰- الکتبی	فوات الوفیات	قاہرہ سنہ ۱۲۹۹ھ
۱۶۱- کشاجم	ادب الندیم	اسکندریہ سنہ ۱۳۲۹ھ
۱۶۲- کمال الدین ہبۃ اللہ	الدراری فی الذراری	استامبول سنہ ۱۲۹۸ھ
۱۶۳- الکندی	کتاب الولاۃ والقضاۃ	گب میموریل
۱۶۴- کورکیس عواد	خزائن الکتب القدیمہ فی العراق	بغداد سنہ ۱۹۴۸ع
۱۶۵- لسان الدین بن الخطیب	الاحاطہ فی تاریخ غرناطہ	قاہرہ سنہ ۱۳۱۹ھ
۱۶۶- الماوردی	الاحکام السلطانیہ	قاہرہ سنہ ۱۸۵۳ع
۱۶۷- الماوردی	ادب الدنیا والدین	استامبول سنہ ۱۲۹۹ھ
۱۶۸- الموئید فی الدین	دیوان الموئید	قاہرہ سنہ ۱۹۴۹ع
۱۶۹- المبرد	الکامل	ناشر رائٹ
۱۷۰- المتنبی	دیوان المتنبی	حلب سنہ ۱۹۳۶ع
۱۷۱- مجیر الدین	الانس الجلیل	قاہرہ سنہ ۱۲۸۳ھ
۱۷۲- محمد زاہد الکوثری	حسن التقاضی فی سیرۃ ابی یوسف القاضی	قاہرہ سنہ ۱۹۴۸ع
۱۷۳- محمد صادق الصدر	الشیعہ	بغداد سنہ ۱۳۵۲ھ
۱۷۴- محمد عبداللہ عنان	الحاکم بامر اللہ	قاہرہ
۱۷۵- محمد عبدہ	الاسلام والنصرانیہ مع العلم والمدنیہ	قاہرہ سنہ ۱۳۲۳ھ
۱۷۶- ڈاکٹر محمد کامل حسین	نظریتہ المثل والممثول	قاہرہ سنہ ۱۹۴۸ع
۱۷۷- محمد کرد علی	خطط الشام	طبع الاولی
۱۷۸- محمد کرد علی	الاسلام والحضارۃ العربیہ	لجنتہ التالیف سنہ ۱۹۳۴ع
۱۷۹- محمد کرد علی	رسائل البلغاء	قاہرہ سنہ ۱۹۴۶ع
۱۸۰- محمود الالوسی	تاریخ مساجد بغداد	بغداد سنہ ۱۳۴۶ھ
۱۸۱- محمود دہان	المقصورۃ الناجیہ	دمشق سنہ ۱۹۵۰ع
۱۸۲- محمود عکوش	الجامع الطولونی	قاہرہ سنہ ۱۹۲۷ع

Marfat.com

۱۸۳- المرتضیٰ	تنزیہ الانبیا	نجف سنہ ۱۲۵۰ھ
۱۸۴- المرزبانی	الموشح	قاہرہ سنہ ۱۳۴۳ھ
۱۸۵- المسعودی	مروج الذہب	ناشر باربیر
۱۸۶ ابن مسکویہ	تہذیب الاخلاق	قاہرہ سنہ ۱۳۲۳ھ
۱۸۷- ابن مسکویہ	سقوط الخلافتہ العباسیہ	قاہرہ سنہ ۱۹۱۴ع
۱۸۸- ابن المعتز	دیوان ابن المعتز	قاہرہ سنہ ۱۸۹۱ع
۱۸۹- المعری	رسالہ الغفران	قاہرہ سنہ ۱۹۰۳ع
۱۹۰- المعری	رسائل ابی العلاء	آکسفرڈ سنہ ۱۸۹۸ع
۱۹۱- المقدسی	احسن التقاسیم فی معرفتہ الاقالیم	لیڈن سنہ ۱۹۰۶ع
۱۹۲- المقری	نضح الطیب	قاہرہ سنہ ۱۲۷۹ھ
۱۹۳- المقریزی	الخطط	قاہرہ سنہ ۱۲۸۰ھ
۱۹۴- ابن منجب	قانون الرسائل	طبع الاولی
۱۹۵- المقریزی	اتعاظ الحنفا	قدس سنہ ۱۹۰۹ع
۱۹۶- ابن منجب الصیرفی	الاشارة الی من نال الوزاره	قاہرہ سنہ ۱۹۲۴ع
۱۹۷- ناجی معروف	المدرستہ المستنصریہ	بغداد سنہ ۱۹۳۵ع
۱۹۸- ابن نباتۃ المصری	سرح العیون	قاہرہ سنہ ۱۲۷۸ھ
۱۹۹- ابن الندیم	الفہرست	قاہرہ سنہ ۱۳۴۸ھ
۲۰۰- النعیمی	الدارس فیہا فی دمشق من المدارس	دمشق سنہ ۱۹۴۸ع
۲۰۱ ابو نواس	دیوان ابی نواس	قاہرہ
۲۰۲- النویری	نہایت الادب	دارالکتب مصر
۲۰۳- ابن ہانی الاندلسی	دیوان ابن ہانی	قاہرہ سنہ ۱۲۷۴ھ
۲۰۴- ابن ہشام	السیرة	قاہرہ سنہ ۱۳۳۲ھ
۲۰۵- یاقوت	معجم الادبا	ناشر مارگولیو
۲۰۶- یاقوت	معجم البلدان	قاہرہ سنہ ۱۳۲۳ھ
۲۰۷- الیعقوبی	البلدان	لیڈن سنہ ۱۸۶۰ع
۲۰۸- یوسف بن عبدالہادی	ثمار المقاصد	بیروت سنہ ۱۹۴۳ع

Marfat.com

BOOKS IN FOREIGN LANGUAGES

Barthold, W.	*Turkestan Down to the Mongol Invasion*, Luzac, 1928.	209
Brockelmann, C.	*Geschichte der Arabischer Litteratur*, Weimar, 1898.	210
Browne, E.	*A Literary History of Persia*, London, 1926.	211
Dozy, R.	*Dictionnaire des Nolls des Vetemans*, Amsterdam.	212
Gertude Stern	*Marriage in Early Islam*, The Royal Asiatic Society.	213
Gibb, H.	*Arabic Literature*, Oxford, 1928.	214
Gibb, H.	*Muhammadanism*, Oxford, 1949.	215
Hitti, P.K.	*The History of the Arabs*, London, 1949.	216
Ilse Lichtenstadter	*Women in the Ayyam al-Arab*, The Royal Society, 1935.	217
John, Longdom	*A Short History of Women*, The Royal Society, 1937.	218
Khuda Bukhsh	*Contribution to the History of Islamic Ciivlization*, Calcutta.	219
Lammens	*Etudes surle Regne du Calife Omaiyade Moawia*, Paris, 1908.	220
Lane-Poole, S.	*Cairo*, London, 1912.	221
Lane-Poole, S.	*History of Egypt in the Middle Ages*, London, 1901.	222
Matiel, Mugannam	*The Arab Woman*, London.	223
Mez, Adam	*Die Renaissance des Islams* (Arabic Tr.), Cairo.	224
Nicholson, R. A.	*A Literary History of the Arabs*, Cambridge, 1930.	225
Palmer, E.	*Harun al-Rashid*, Marcus Ward.	226

Marfat.com

Paul Monroe	*The Educational Renaissance of the 16th. Century*, New York.	227
Richard Coke	*Baghdad, the City of Peace*, Thornton, 1927.	228
Rosenthal	*The Technique and Approach of Muslim Scholarship*, 1947.	229
Sarre, F.	*Islamic Bookbindings*, Berlin.	230
S. Ameer Ali	*A Short History of, the Saracens* London, 1916.	231
S. Ameer Ali	*The Spirit of Islam*, 1910.	232
Thomas Arnold and Grohmann	*The Islamic Book*, Germany.	233
Thomas Arnold and Guillaume	*The Legacy of Islam*, London, 1946.	234
Wellhausen	*The Arab Kingdom & Its Fall* (Eng. Translation), Calcutta, 1927.	235
William Muir	*The life of Mohammad*, London, 1894.	236

237 سعید نفیسی ، ''مدرسه نظامیه بغداد'' (فارسی) ، طهران ۱۳۱۳ھ -

ENCYCLOPEDIAS

Encyclopaedia of Islam 238
Encyclopaedia and Dictionary of Education 239
Encyclopaedia of Religion & Ethics 240
The Dictionary of Islam 241
242 دائره معارف البستانی -
243 دائره معارف القرآن العشرین لفرید وجدی -

PERIODICALS

Islamic Culture 244
The Nineteenth Century 245
The Journal of Education 246
The Journal Asiatique 247

Marfat.com

248 المشرق -

249 المعلم الجدید (عراقیه) -

250 مجله "الجامعه" الاسلامیه (حلب) -

251 یاد جار (فارسیه طهران) -

DOCUMENTS & ANONYMOUS

252 *Archaeological Evidence*

253 وقفیه "الملک المعظم علی مدرسه" الشام (مخطوط استاد صلاح الدین المنجد) -

254 کتاب الارشاد والتعلیم الرجال الصوفیه -

255 المجالس المستنصریه -

256 رسائل اخوان الصفاء -

Marfat.com